جُمادی الاُخریٰ ۔ ذوالقعدہ ۱۴۴۴ھ
جنوری ۔ جون ۲۰۲۳ء

سہ ماہی

حکمت قرآن

لاہور

دعوت رجوع الی القرآن

اور

مرکزی انجمن خُدّام القرآن لاہور

کے

50 سال

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

داعئ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

اب دو انداز سے دستیاب ہے

- خوبصورت ٹائٹل
- سفید کاغذ
- معیاری طباعت

1 2935 صفحات پر مشتمل، سات جلدوں میں

(الگ الگ جلدیں بھی دستیاب ہیں!)

مکمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

2 متعدد اضافی خوبیوں کا حامل، طبع جدید

- قرآنی رسم الخط
- تفسیری سائز
- عمدہ سفید کاغذ
- مضبوط مراکو جلد

2560 صفحات پر مشتمل، چار جلدوں میں

مکمل سیٹ کی قیمت: 9600 روپے

مکتبہ خدّام القرآن لاہور

36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ: ۲۶۹)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۴۲ شمارہ ۱، ۲

جُمادی الاُخریٰ ۔ ذُوالقعدہ ۱۴۴۴ھ جنوری ۔ جون ۲۰۲۳ء

بیاد:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہما اللہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر عارف رشید

مدیر:
ڈاکٹر ابصار احمد

نائب مُدیر:
حافظ خالد محمود خضر

مجلس ادارت:
حافظ عاکف سعید ۔ حافظ عاطف وحید
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ ۔ مؤمن محمود
پروفیسر حافظ قاسم رضوان

یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-35869501
ویب سائٹ : www.tanzeem.org
ای میل : publications@tanzeem.org
سالانہ زرِ تعاون : 500 روپے، فی شمارہ : 125 روپے
اس شمارے کی قیمت: 250 روپے

اِس شمارے میں

حرفِ اوّل

مرکزی انجمن خدّام القرآن کا پچاسواں سالانہ اجلاس	ادارہ	3

تذکّر و تدبّر

مِلاکُ التأویل (۳۲)	ابوجعفر احمد بن ابراہیم الغرناطی	9

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	پروفیسر حافظ احمد یارؒ	23

فکر و نظر

ایمان اور علم کے درمیان تعلق کا مسئلہ	مکرم محمود	33

فکر و فلسفہ

نصوصِ شرعیہ کی رُو سے تشریحِ دین کی اہلیت واستحقاق	ڈاکٹر حافظ محمد رشید ارشد	44

تعلیم و تعلّم

مباحثِ عقیدہ (۱۳)	مؤمن محمود	67

لمحۂ فکریہ

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں	ڈاکٹر ابصار احمد	79

بیانُ القرآن

MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	98

پچاس سالہ رپورٹ

مرکزی انجمن خدّام القرآن	مدیرانِ شعبہ جات	99

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی انجمن خُدّام القرآن کا پچاسواں سالانہ اجلاس

مرکزی انجمن خدام القرآن کا پچاسواں سالانہ اجلاس قرآن آڈیٹوریم میں ۱۸ دسمبر ۲۰۲۲ء کو منعقد ہوا جس میں انجمن سے وابستہ افراد نے شرکت کی۔ 10:30 بجے چائے اور دیگر لوازمات سے مہمانوں کی تواضع کی گئی اور پروگرام کا باقاعدہ آغاز گیارہ بجے ہوا۔ ناظم اعلیٰ جناب حافظ عاطف وحید نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے۔ قرآن اکیڈمی کے مدرس حافظ مومن محمود نے سورۃ القیامہ کی تلاوت کی۔ مدیر عمومی جناب محمود عالم میاں نے گزشتہ اجلاس کی کارروائی پڑھ کر سنائی جس کی تمام حاضرین نے توثیق فرمائی۔

آغاز میں ناظم اعلیٰ حافظ عاطف وحید نے پروگرام کے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ یہ مرکزی انجمن خدام القرآن کا پچاسواں سال ہے یعنی یہ ادارہ نصف صدی مکمل کر چکا ہے' اگرچہ تحریک رجوع الی القرآن کی تاریخ بہت طویل ہے۔ بقول حفیظؔ جالندھری ؎

تشکیل و تکمیل فن میں جو بھی حفیظ کا حصّہ ہے
نصف صدی کا قصّہ ہے' دو چار برس کی بات نہیں!

انہوں نے کہا کہ انجمن کے موسس ڈاکٹر اسرار احمدؒ پر علامہ اقبالؒ کی شاعری کا بہت زیادہ اثر تھا اور وہ شارحِ اقبال کہلاتے تھے' لیکن ان کے قلب وذہن پر حفیظؔ جالندھری کی شاعری کا بھی ایک اثر قائم تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ بچپن میں میری والدہ محترمہ مجھ سے فرمائش کر کے ''شاہنامہ اسلام'' (از حفیظؔ جالندھری) سنا کرتی تھیں۔ چنانچہ حفیظ کے یہ اشعار ڈاکٹر صاحبؒ کے ذہن پر بچپن سے ہی نقش ہو گئے:

تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں — اگر کچھ ہو سکے تو خدمت اسلام کر جاؤں

چونکہ فردوسی نے ''شاہنامہ ایران'' لکھا تھا' چنانچہ جنابِ حفیظؔ نے ان ہی خطوط پر ''شاہنامہ اسلام'' تحریر کیا۔

کیا فردوسیٔ مرحوم نے ایران کو زندہ — خدا توفیق دے تو میں کروں ایمان کو زندہ

ڈاکٹر صاحب اس مصرعے کو اپنی نسبت سے یوں پڑھا کرتے تھے: ''خدا توفیق دے تو میں کروں قرآن کو زندہ!''
بہرحال رجوع الی القرآن کی اس تحریک سے ہماری نسبت ڈاکٹر صاحبؒ کے ذریعے قائم ہوئی ہے۔ مرکزی انجمن کے قیام سے قبل کئی برس لاہور میں ان کے دروسِ قرآن کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں انہوں نے یہ انجمن قائم کی۔ انجمن کے دستور اور اغراض ومقاصد کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے کام کا سلسلہ تاحینِ حیات جاری رکھا اور آخری دم تک بطور صدرِ مؤسس کام کرتے رہے۔ جناب ناظم اعلیٰ نے حاضرین کو انجمن کے اغراض

ومقاصد پڑھ کر سنائے۔ اپنی تعارفی گفتگو کے آخر میں انہوں نے علامہ اقبالؒ کے مندرجہ ذیل اشعار ڈاکٹر صاحب کی نذر کیے:

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اس کے بعد انہوں نے انجمن کے تحت کام کرنے والے شعبہ جات اور ناظمین و ذمہ داران کا تعارف کروایا۔

شعبہ جات کی کارکردگی کا اجمالی جائزہ

گزشتہ اجلاسوں میں انجمن کے مختلف شعبہ جات کا تعارف اور ان کی سال بھر کی کارکردگی کا جائزہ ناظم اعلیٰ خود پیش کرتے تھے لیکن اس دفعہ یہ تبدیلی کی گئی کہ شعبوں کے انچارج حضرات نے اپنے اپنے شعبہ جات کی کارکردگی کا جائزہ پیش کیا۔

شعبہ سمع وبصر: انچارج شعبہ سمع وبصر جناب آصف حمید نے اپنے شعبہ کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ٹیکنالوجی کی وجہ سے دنیا میں جو تبدیلیاں ہوتی رہیں' الحمدللہ ہم بھی اپنے کام کو حسبِ استطاعت اپ گریڈ کرتے رہے۔ اس وقت سارا ڈیٹا ''ٹیپ لیس'' ہو چکا ہے اور یو ایس بی سے نکل کے کلاؤڈز کے اندر موجود ہے۔ ہمارا شعبہ انجمن اور تنظیم اسلامی کے آئی ٹی کے شعبہ کے طور پر کام کرتا ہے۔ خطاباتِ جمعہ' دروسِ قرآن' زمانہ گواہ ہے' مجھے ہے حکمِ اذاں' پروگراموں کی ریکارڈنگز اور پھر یوٹیوب اور فیس بک چینلز پر ان کی اپ لوڈنگ جاری رہی۔ اس سال ایک نیا پروگرام ''امیر سے ملاقات'' شروع کیا گیا جس میں امیر تنظیم اسلامی شجاع الدین شیخ صاحب سے رفقاء واحباب سوال کرتے ہیں۔ مہینہ میں ایک پروگرام ریکارڈ کر کے اپ لوڈ کیا جاتا ہے۔ واٹس اپ کا کام بھی تیزی سے جاری ہے اور ہمارے پاس تقریباً ۷۵ ہزار سبسکرائبرز موجود ہیں جن کو ہم تواتر کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے کلپس بھیجتے ہیں۔ یہ کلپس دو تین دنوں میں ستر اسی لاکھ افراد تک پہنچتے ہیں۔ ۳۱ مارچ ۲۰۲۲ء کو ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نام سے آفیشل یوٹیوب چینل کو بند کر دیا گیا جس کے اوپر 2.9 ملین سبسکرائبرز تھے اور کروڑوں کی تعداد میں ویوز تھے۔ ہم نے حکومت پاکستان کے ذریعے اس چینل کو بحال کرنے کی پوری کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔ چنانچہ ہم نے تین چار نئے چینل بنائے اور دوبارہ کام شروع کیا۔ ساتھ ہی یہ احتیاط کی کہ جن ویڈیوز کی وجہ سے چینل بند ہوا تھا ان کو اَپ لوڈ نہیں کیا۔ اس کے علاوہ فیس بک' واٹس اپ' انسٹاگرام' ٹویٹر پر ہمارا کام چل رہا ہے۔ انسٹاگرام نوجوانوں میں بہت مقبول ہے۔ جو بھی پلیٹ فارم میسّر ہیں' الحمدللہ ان پر ہمارا ڈیٹا

جارہا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ نئی چیزوں پر کام شروع کیا گیا ہے۔آڈیو بکس پر کام جاری ہے اور ایک نئی اپلیکیشن تیار کی جارہی ہے جس میں صرف عنوان لکھنے سے ڈاکٹر صاحب کے اس موضوع پر سارے کلپس سامنے آجائیں گے جن کو آپ سننے کے ساتھ ساتھ شیئر بھی کرسکیں گے۔قرآن اکیڈمی اور قرآن آڈیٹوریم میں ہونے والے پروگراموں کے لیے ایک ''قرآن اکیڈمی واٹس اپ گروپ'' بنایا گیا ہے جس کے نمبر 0301-0448812 کو اپنے موبائل میں فیڈ کر کے اس نمبر پر واٹس اپ میسج کردیں تو آپ کو ان پروگراموں کی اطلاع اور کلپس بھیجے جاسکتے ہیں۔

شعبہ مطبوعات: انچارج شعبہ مطبوعات جناب حافظ خالد محمود خضر نے اس سال کی کارکردگی کا جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ شعبہ مطبوعات کے تحت تین سیکشنز (۱) تصنیف و تالیف اور ترتیب و تدوین (۲) کمپوزنگ اور ڈیزائننگ (۳) پرنٹنگ کام کررہے ہیں۔شعبہ کا تمام کام باہمی تعاون اور ٹیم ورک سے انجام دیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں تین جرائد ماہنامہ میثاق' سہ ماہی حکمت قرآن اور ہفت روزہ ندائے خلافت شائع ہورہے ہیں۔ ماہنامہ ''میثاق'' مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی زیرادارت ۱۹۵۹ء میں جاری ہوا تھا' پھر یہ بند ہوگیا۔ ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے اس کو دوبارہ جاری کیا۔ یہ جریدہ پہلے ''دارالاشاعت اسلامیہ'' کے تحت شائع ہوتا تھا جبکہ ۱۹۷۲ء کے بعد سے یہ مرکزی انجمن کے تحت شائع ہوتا ہے۔گزشتہ پچاس سال میں ڈاکٹر صاحبؒ کے سینکڑوں خطابات کو ترتیب و تدوین کے بعد شائع کیا گیا۔ نیز مضامین کے بہت سے سلسلے شائع کیے گئے جنہیں بعد میں کتابی شکل دی گئی۔اس دوران میثاق کی خصوصی اشاعتیں بھی شائع ہوئیں۔ بیان القرآن کی سلسلہ وار اشاعت بھی جاری ہے۔ دسمبر ۲۰۲۲ء تک یہ سلسلہ سورۃ القلم تک پہنچ گیا ہے۔

''حکمتِ قرآن'' ۱۹۸۲ء سے قرآن اکیڈمی سے شائع ہورہا ہے۔ پہلے یہ ماہنامہ تھا لیکن جنوری ۲۰۰۸ء میں اس کو سہ ماہی بنادیا گیا۔اس میں وتحقیقی علمی مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔۱۹۹۷ء میں انجمن کی ۲۵ سالہ رپورٹ شائع کی گئی تھی' اب ۲۰۲۳ء کے پہلے شمارے میں انجمن کی ۵۰ سالہ رپورٹ شائع کرنے کا ارادہ ہے۔

''ندائے خلافت'': محترم اقتدار احمدؒ نے ۱۹۸۸ء میں ''ہفت روزہ ندا'' کے نام سے اس کا آغاز کیا تھا' جو ۱۹۹۳ء میں ''ندائے خلافت'' کے نام سے تحریک خلافت پاکستان کے ترجمان کی حیثیت سے شائع ہونے لگا۔ سقوطِ مشرقی پاکستان نمبر' فلسطین نمبر' کشمیر نمبر' نظریہ پاکستان نمبر اس کی مقبول ترین اشاعتیں ہیں۔

شعبہ مطبوعات کا سب سے اہم تالیفی اور طباعتی کام ڈاکٹر صاحبؒ کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مبنی ''بیان القرآن'' کی اشاعت ہے' جسے دعوت رجوع الی القرآن کے ایک انتہائی اہم سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔''بیان القرآن'' کی تالیف و تدوین کا آغاز ۲۰۰۸ء میں کیا گیا جو ۲۰۱۵ء میں سات حصوں میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔گزشتہ سال اس کا چار جلدوں پر مشتمل طبع جدید شائع کیا گیا جو متعدد ظاہری و باطنی خوبیوں کا حامل ہے۔ ''بیان القرآن'' کی غیر معمولی مقبولیت کی بنا پر اسے پاکستان اور بھارت کے بہت سے پبلشر بھی شائع کررہے ہیں۔

کلیۃ القرآن: کلیۃ القرآن کے پرنسپل جناب ریاض اسماعیل نے کلیۃ کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ کلیۃ

کے ناظم حافظ عاطف وحید (ناظم اعلیٰ) صاحب ہیں۔ یہاں دینی وعصری تعلیم ساتھ ساتھ دی جاتی ہے اور طلبہ کے لیے دونوں کا حصول ضروری ہے۔ دونوں کا دورانیہ آٹھ سال ہے۔ اس وقت کل طلبہ ۱۱۶ ہیں جن میں ۹۸ ہاسٹل میں رہائش پذیر ہیں۔ درس نظامی کے چھ درجوں کا امتحان وفاق المدارس لیتا ہے۔ ۲۰۲۲ء کے امتحانات کا رزلٹ بہت شاندار رہا۔ درس نظامی کے تمام درجوں کا رزلٹ سو فیصد رہا اور ۱۹ طلبہ نے ۸۰ فیصد سے زائد نمبرز لے کر گریڈ ممتاز حاصل کیا۔ اب کلیۃ القرآن سے فارغ ہونے والے فاضلین کی تعداد ۶۳ ہو چکی ہے۔ عصری تعلیم میں میٹرک اور ایف اے کا رزلٹ سو فیصد رہا۔ الازہر یونیورسٹی میں پہلی مرتبہ دو طلبہ کا داخلہ ہوا جس میں سے ایک طالب علم کے والدین نے مصر جانے کی اجازت نہیں دی لیکن دوسرا طالب علم پڑھنے کے لیے چلا گیا۔ اب دوسرے طلبہ بھی الازہر میں جانے کے لیے پُرجوش ہیں اور اگلے سال کے لیے پانچ طلبہ کے کوائف الازہر کو بھجوائے ہیں۔ امید ہے کہ تمام طلبہ کا داخلہ ہو جائے گا۔ ۱۸ دسمبر کو اقوام متحدہ کے تحت عربی کا عالمی دن منایا جاتا ہے‘ اس حوالے سے ہم نے ایک پروگرام ترتیب دیا ہے جو ۲۰ دسمبر کو اسی آڈیٹوریم میں ہو گا۔ ان شاء اللہ!

شعبہ تعمیرات: عاصم جاوید اس شعبہ کے ناظم ہیں۔ انہوں نے قرآن یونیورسٹی کے لیے شرقپور میں لی گئی اراضی پر تعمیری سرگرمیوں کا جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ ادارہ مرحوم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا قائم کردہ ہے۔ ان کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے محترم عاطف وحید صاحب نے شرقپور انٹرچینج پر قطعہ اراضی حاصل کیا تھا‘ اس پر قائم کرنے کے لیے عمارات کا نقشہ مکمل کر چکے ہیں۔ پہلے مرحلہ میں اس کی چاردیواری کا آغاز کر دیا تھا جو آگے کی طرف ایک ہزار دو سو چونسٹھ رننگ فٹ ہے اور بیک سائیڈ پر ایک ہزار آٹھ سو دس رننگ فٹ بنتی ہے۔ اس پر ہم ۸۰ فیصد کام مکمل کر چکے ہیں۔ اس کے بعد مسجد کی تعمیر شروع کرنے کا پروگرام ہے تاکہ وہاں سے باقاعدہ درس وتدریس کا آغاز ہو سکے۔

شعبہ تدریس: یہ شعبہ IRTS کے تحت قائم ہے جس کے انچارج حافظ عاطف وحید صاحب ہیں۔ رجوع الی القرآن کورسز کے کوآرڈینیٹر جناب سجاد سندھو نے کورسز پارٹ ون اور ٹو اور شام کے کورسز کا مختصر تعارف کروایا۔ انہوں نے کہا کہ پارٹ ون میں ۷۰ مرد حضرات اور ۳۳ خواتین نے داخلہ لیا جبکہ پارٹ ٹو میں ۱۱ طلبہ نے داخلہ لیا۔ گزشتہ سال کے کورسز پارٹ ون اور ٹو میں مفتی ارسلان محمود صاحب نے تجوید‘ حفظ‘ فقہ العبادات‘ اصول الفقہ اور فقہ المعاملات‘ ڈاکٹر رشید ارشد صاحب نے مطالعہ حدیث‘ اقبالیات‘ مصطلح الحدیث اور رسائل امام غزالیؒ‘ مومن محمود صاحب نے قرآن مجید کے کچھ پاروں کا ترجمہ مع تفسیر اور سیرت النبی ﷺ‘ محمود حماد صاحب نے منتخب نصاب اور حافظ عاطف وحید صاحب نے معاشیات کے مضامین کی تدریس کی۔ آصف حمید صاحب اور محمد فیاض صاحب نے پارٹ ۱ میں جبکہ حامد سجاد صاحب نے پارٹ ۲ میں عربی صرف ونحو کی تدریس کی۔ شام کے کورسز میں منعم اویس صاحب کی زیرنگرانی ’’تعلیم الاسلام‘‘ کورس کروایا جاتا ہے جس میں تجوید اور عربی گرامر پڑھائی جاتی ہے۔ ’’فہم دین کورس‘‘ آصف علی صاحب کی زیرنگرانی کروایا جاتا ہے۔ یہ آن لائن کورس ہے اور

دنیا بھر کے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آئندہ ہمارا پروگرام ہے کہ رجوع الی القرآن کورس کے content کو آن لائن کیا جائے کیونکہ اس کی کافی زیادہ ڈیمانڈ ہے‘ اس کے لیے ہم ریکارڈنگ کروا رہے ہیں۔ عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کے پیش نظر ایک مکمل کتاب مرتب کر کے کورس میں شامل کی جا رہی ہے جو سوال و جواب پر مشتمل ہوگی۔ یہ وہ سوال ہیں جو بدعقیدہ لوگ ہمارے کمزور عقیدے کے لوگوں کے ذہنوں میں ڈال کر انہیں گمراہ کرتے ہیں۔

ناظم اعلیٰ حافظ عاطف وحید نے کہا کہ انسداد سود کے حوالے سے اللہ نے ہماری محنتوں کو قبول فرمایا اور ۲۸ اپریل کو فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ آ گیا تھا۔ اس فیصلے نے ان تمام شکوک و شبہات کو ختم کر دیا جو پہلے اٹھائے گئے تھے۔ البتہ عمل کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ اس کے لیے ریاستی اداروں میں مطلوبہ عزم و ارادہ مفقود نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری ان کوششوں کو مزید آگے بڑھا دے تاکہ ہمیں واقعتاً سود سے پاک نظام عطا ہو جائے۔

شعبہ خط و کتابت کورسز: انچارج شعبہ محترم آصف شیخ نے خط و کتابت کورس اور آئی ٹی کے حوالے سے کہا کہ ہمارے ہاں چھ ویب سائٹس اور تین موبائل ایپ ہیں۔ تنظیم ڈیجیٹل لائبریری میں ڈاکٹر صاحب کی تمام کتب اور تینوں جرائد کو یونی کوڈ فارمیٹ میں شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح givupriba.com میں سود کے حوالے سے مواد شامل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ڈاٹ کام پر ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی کتابیں شامل کی گئی ہیں۔ حافظ احمد یار ڈاٹ کام پر علوم قرآن حکیم کے حوالے سے مضامین کے ساتھ ساتھ اب پروفیسر حافظ احمد یارؒ کی تالیف ’’لغات و اعراب قرآن: ترجمہ قرآن کی لغوی و نحوی بنیاد‘‘ کو بھی یونی کوڈ فارمیٹ میں اپ لوڈ کیا جا رہا ہے۔ اس سال شعبہ خط و کتابت کورسز کے تینوں کورسز جاری رہے اور گزشتہ چھ ماہ سے شعبہ کی استعداد کار بڑھانے کے لیے جدید کمپیوٹر‘ سافٹ ویئر اور پبلسٹی کا دائرہ کار وسیع کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ سال انتخابات کا تھا‘ چنانچہ مدیر عمومی جناب محمود عالم میاں نے اس سال کے نتائج کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ تمام دستوری تقاضوں کے مطابق انتخاب ہوا۔ حلقہ مؤسسین اور محسنین کی چھ نشستوں کے لیے کل چھ ہی نام تجویز کیے گئے لہٰذا الیکشن کی نوبت نہیں آئی۔ اس حلقے میں بریگیڈیئر (ر) محمد چراغ حسن دورانِ سال انتقال فرما گئے تھے۔ ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب اور ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب کی جگہ عاصم جاوید صاحب اور آصف شیخ صاحب حلقہ محسنین میں منتخب ہوئے ہیں۔ جناب اشرف بیگ صاحب پچھلے سال معاونین کے حلقے سے نکل کر محسنین میں شامل ہو گئے تھے۔ اس سال کے انتخاب میں انہیں بھی حلقہ محسنین میں منتخب کیا گیا ہے۔ ناصرین (مستقل ارکان) میں دو نشستوں پر الیکشن ہونے تھے۔ ایک نشست پر وہ (محمود عالم میاں) بطور ناظم انتخاب منتخب ہو گئے جبکہ ایک نشست پر الیکشن ہونا تھا۔ اس حلقہ کے لیے nomination بھی ایک ہی آئی اور دوسری نشست پر سابقہ رکن ہی کا نام تجویز ہوا۔ لہٰذا یہاں بھی الیکشن کی نوبت نہیں آئی۔ حلقہ عام ارکان میں چار نشستوں پر الیکشن ہونا تھا۔ بارہ نام تجویز کیے گئے تھے‘ ان میں سے صرف پانچ کے قرطاس تجویز مکمل تھے یعنی سات نامکمل

ہونے کی وجہ سے reject ہو گئے۔ گویا حلقہ معاونین سے اشرف بیگ صاحب کے حلقہ محسنین منتقل ہونے سے خالی ہونے والی نشست پر مظفر ہاشمی صاحب منتخب ہوئے جبکہ بقیہ نشستوں پر سابقہ اراکین ہی کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس کے بعد ناظم مالیات احسن الدین صاحب نے اس سال کی مالیات کی سمری پیش کی۔

دوسرے شہروں سے منسلک انجمنوں میں سے صرف انجمن خدام القرآن ملتان کے نمائندے شکیل صاحب تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اپنے ادارے کی مختصر رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ملتان میں چار قرآن اکیڈمیز ہیں جن میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ تین کیمپس ملتان شہر میں جبکہ ایک کیمپس کوٹ ادو میں ہے۔ چاروں کیمپس میں دورۂ ترجمہ قرآن‘ عربی گرامر کے شارٹ کورسز‘ خطبہ جمعہ‘ خطبہ نکاح کے پروگرام جاری ہیں۔ ملتان کے مین کیمپس میں صبح کے اوقات میں رجوع الی القرآن کورس (ایک سالہ) کا سلسلہ چل رہا ہے۔ ایک مسجد بھی زیر تعمیر ہے۔ بچوں کے لیے ہر اتوار کو دو گھنٹوں کی ہفتہ وار کلاس ہو رہی ہے۔ ایک عربی گرامر کی آن لائن کلاس شروع کی گئی جس میں تقریباً ڈھائی سو افراد شریک ہوئے تھے‘ لیکن اس وقت ۷۰ افراد اس کلاس میں شامل ہیں۔

صدر انجمن ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے اپنے اختتامی خطاب میں فرمایا کہ انجمن خدام القرآن کو قائم ہوئے پچاس سال مکمل ہو چکے ہیں۔ ۲۱ مارچ ۱۹۷۲ء کو کرشن نگر (موجودہ اسلام پورہ) میں اس انجمن کا تاسیسی اجلاس ہوا تھا جس میں کل سات افراد تھے جنہوں نے ایک قرارداد پر دستخط کیے تھے۔ ان میں آٹھویں والد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ تھے۔ ان تمام بزرگوں نے ان اغراض ومقاصد پر اتفاق کیا۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۶۵ء میں ساہیوال سے لاہور شفٹ ہوئے تھے اور شہر لاہور میں دروس قرآن شروع کر دیے تھے۔ نتیجتاً متفقین کا ایک بہت بڑا حلقہ وجود میں آ گیا تھا۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ کام اب انفرادی نہیں بلکہ ایک ادارے کی شکل میں ہونا چاہیے۔ بہرحال وہ بات اور محنت آگے چلتی رہی اور بالآخر ۴ نومبر ۱۹۷۲ء کو ۱۸ افراد کے ساتھ انجمن خدام القرآن کی تاسیس عمل میں آ گئی۔ اس وقت ۱۲۰ افراد نے ٹارگٹ مقرر کیا تھا کہ ایک لاکھ کا سرمایہ جمع ہو جائے تو کام کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ جو بھی ادارتی سرگرمیاں ہوں گی ان میں سرمائے کا اہم رول ہوتا ہے۔ اُن بیس افراد میں سے اس وقت صرف تین افراد حیات ہیں۔ ایک قمر سعید قریشی صاحب‘ جن کا ۶۸-۱۹۶۷ء سے ڈاکٹر صاحب سے نیازمندی کا تعلق قائم ہو چکا تھا۔ وہ آج کل علیل ہیں۔ ان کے لیے خاص طور پر دعا کیجیے۔ دوسرے ڈاکٹر محمد یقین صاحب‘ وہ بھی بہت ضعیف ہو چکے ہیں‘ لیکن جب تک اُن میں ہمت رہی وہ انجمن کے پروگراموں میں شریک ہوتے رہے۔ تیسرے وقار احمد صاحب (میرے چچا) ہیں۔ ان کو بھی بظاہر کوئی مرض لاحق نہیں ہے لیکن بہت ہی کمزور ہو چکے ہیں۔ ان سب کے لیے خاص دعا کیجیے‘ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں فرمائے اور جو اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکے اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

آخر میں ڈائریکٹر اکیڈمی حافظ عاکف سعید صاحب نے دعا کروائی اور اس پروگرام کا اختتام ہوا۔

مِلاکُ التأوِیل (۳۲)

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی

تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبدالغفار حسن

سُورۃُ الحِجر

(۲۰۲) آیت ۱

﴿الٓرٰ ۟ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱﴾

''ال ر۔ یہ (اللہ کی) کتاب اور قرآنِ مبین کی آیات ہیں۔''

اور سورۃ النمل کی پہلی آیت:

﴿تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱﴾

''یہ قرآن اور کتابِ مبین کی آیات ہیں۔''

پہلی آیت میں ''الۡكِتٰبِ'' پہلے اور ''قُرۡاٰن'' کا ذکر بعد میں ہے' جبکہ سورۃ النمل کی آیت میں ''الۡقُرۡاٰن'' پہلے اور ''كِتٰب'' کا ذکر بعد میں ہے۔

اس اختلاف کی وضاحت سورۃ الرعد میں کی جا چکی ہے' وہاں ملاحظہ ہو۔

(۲۰۳) آیت ۱۰۔۱۱

﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ شِيَعِ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۱۰ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۱۱﴾

''اور ہم نے تم سے قبل پچھلی اُمتوں میں کتنے رسول بھیجے۔ اور ان کے پاس جو کوئی رسول آتا تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے۔''

اور سورۃ الزخرف میں ارشاد فرمایا:

﴿وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۶ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۷﴾

''اور پچھلے لوگوں میں ہم نے کتنے نبی بھیجے۔ اور ان کے پاس جو کوئی نبی آتا تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے۔''

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ الحجر میں ''مِنۡ رَّسُوۡلٍ'' کہا اور سورۃ الزخرف میں ''مِنۡ نَّبِىٍّ'' ارشاد فرمایا' حالانکہ دونوں کا مضمون ایک ہی ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے (واللہ اعلم) کہ سورۃ الزخرف کی آیت کے شروع میں ’’کَمْ‘‘ کا لفظ ہے اور اس سے مراد کسی چیز کی کثرت کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس مناسبت سے اس کے بعد لفظ ’’نبی‘‘ لایا گیا ہے اور اس میں تمام نبی شامل ہو گئے‘ چاہے وہ صرف نبی ہوں یا نبی کے ساتھ ساتھ رسول بھی ہوں۔ لیکن سورۃ الحجر کی آیت میں کسی بھی لفظ کے ساتھ کثرت کا اظہار نہیں کیا گیا‘ بلکہ ہمارے رسول ﷺ کے ساتھ اُنسیت اور تسلّی کے احساسات کا اظہار ہوتا ہے۔ جہاں کُفّار نے انہیں ’’اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ‘‘ کہا تو آپ کے لیے لفظ ’’رسول‘‘ لا کر آپؐ کی ہمت بڑھائی گئی اور بتایا گیا کہ آپ ﷺ سے قبل جو رسول آئے تھے‘ ان کے ساتھ بھی یہ سب کچھ کیا گیا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں لفظ رسول کا لایا جانا زیادہ مناسب تھا۔ اور یوں ہر دو آیت میں نبی اور رسول کا لفظ اپنی اپنی جگہ بالکل مناسب ہے۔ واللہ اعلم!

(۲۰۴) آیت ۱۲

﴿كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٢﴾﴾

’’اور اسی طرح ہم اس (بات) کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔‘‘

اور سورۃ الشعراء میں یہی بات ماضی کے صیغے کے ساتھ بیان کی گئی۔ فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠٠﴾﴾

’’اور ایسے ہی یہ (بات) ہم نے مجرموں کے دلوں میں داخل کر دی۔‘‘

یہاں فرق ماضی اور حال کا ہے۔ سورۃ الشعراء میں پچھلی قوموں کے بعد پھر ان کے دلوں میں وحیٔ الٰہی کی حقیقت جاگزیں ہونے کی طرف اشارہ ہے اور سورۃ الحجر میں نبی ﷺ کے زمانہ نبوت میں قرآن کا انکار کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ کیسے یہ قرآن ان کے دلوں میں کُھبا جا رہا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سورۃ الحجر کے آغاز ہی سے کُفّارِ قریش کے رویوں کا تذکرہ ہے۔ وہ ایمان لانا چاہتے ہیں‘ لیکن ایمان نہیں لاتے ہیں۔ انہیں بطور دھمکی کہا گیا ہے: ﴿ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾﴾ ’’آپ انہیں چھوڑ دیں‘ وہ کھاتے رہیں‘ مزہ لیتے رہیں‘ اُمیدیں انہیں بہکاتی رہیں اور عنقریب وہ جان لیں گے۔‘‘ اور پھر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: ﴿وَقَالُوْا يٰاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٦﴾﴾ ’’اور انہوں نے کہا: اے وہ شخص جس پر ذکر اتارا گیا‘ بے شک تو تو ایک دیوانہ ہے۔‘‘ اور مذکورہ آیت سے قبل پچھلی اُمتوں کا کوئی تفصیلی حال بیان نہیں ہوا۔ صرف یہ اجمالی بیان آیا ہے کہ ہم نے پچھلی اُمتوں کو ایک محدود مدت عطا کی اور پھر وہ اس مدّت میں اپنی تکذیب کی بنا پر ہلاک کی گئیں۔ جو مدّت جس اُمّت کے لیے مقرر کی گئی تھی‘ اس سے ایک لحظہ وہ آگے یا پیچھے نہ کی گئیں۔

یہی وہ اللہ کی سُنّت ہے جس کا بیان سورۃ فاطر میں ہوا: ﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (آیت ۴۳) ’’تو کیا وہ اس دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے!‘‘

اور پھر سورۃ الحجر میں مذکورہ تین آیات آتی ہیں اور تیسری آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ

قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ ’’اور اس طرح ہم اس (رویے) کو مجرموں کے دلوں میں رچا بسا دیتے ہیں۔‘‘ مراد یہ ہے کہ ہم اس قرآن کو مجرمین کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں، یعنی دل سے وہ قرآن کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہیں، قرآن کے عمدہ نظم اور اسلوب، قرآن کی بلاغت اور اعجاز، اور اس کی فوقیت کے وہ قائل ہوتے جاتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ گو قرآن ان ہی کی زبان میں اُترا ہے، لیکن وہ اس کے ہم پلّہ کسی کلام کو پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ وہ اس بات کو بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ قرآن کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جسے سورۃ الانعام کی اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو بطور تسلّی بتایا گیا: ﴿فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ’’بے شک وہ تمہیں نہیں جھٹلا رہے لیکن یہ ظالم لوگ اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔‘‘ اب چونکہ وہ ایسا قرآن لانے پر قادر نہ ہو سکے تو ان پر اللہ کی حُجّت قائم ہو گئی، اور پھر جیسا کہ ان کے بارے میں پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا، وہ ایمان لانے سے محروم رہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْھِمْ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْھُمْ کُلُّ اٰیَۃٍ﴾ (یونس) ’’یقیناً وہ لوگ جن کے حق میں آپؐ کے ربّ کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگرچہ اُن کے پاس ہر نشانی آ جائے......‘‘

اب چونکہ یہ بات قریش کی ہو رہی ہے جو کہ بوقت نزولِ قرآن موجود تھے، اور وہ اپنی ضد پر ڈٹے ہوئے تھے تو بصیغہ حال ’’نَسْلُکُہٗ‘‘ کہہ کر امرِ واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اس وقت ان کی قلبی کیفیات کیا ہیں، اور پھر ’’لَا یُؤْمِنُوْنَ‘‘ کہہ کر بتا دیا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

رہی سورۃ الشعراء کی آیت کہ جہاں ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے تو وہاں سیاق و سباق دیکھ لیا جائے کہ اس آیت سے قبل پچھلی قوموں جیسے قومِ نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب اور دیگر اُن قوموں کا ذکر ہوا ہے جنہوں نے انبیاء کو جھٹلایا، وحی کو نہ مانا۔ اور پھر جب کلام کا رُخ نبی ﷺ کی طرف موڑا گیا تو فرمایا: ﴿وَاِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۹۶﴾﴾ ’’اور اگلے (نبیوں) کی کتابوں میں بھی اس (قرآن) کا تذکرہ ہے۔‘‘ اور پھر یہ آیت آتی ہے: ﴿کَذٰلِکَ سَلَکْنٰہُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۰۰﴾﴾ تو یہاں مناسب تھا کہ اسے ماضی کے صیغے کے ساتھ لایا جاتا۔ اور یوں ہر دو آیات اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے اپنی اپنی جگہ مناسبت رکھتی ہیں۔

(۲۰۵) آیت ۳۴۔۳۵

﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْھَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَۃَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾﴾

’’کہا: پس تُو یہاں سے نکل جا کہ تُو راندۂ درگاہ ہے۔ اور تجھ پر لعنت ہے حساب کتاب کے دن تک۔‘‘

اور سورۂ ص میں ارشاد فرمایا:

﴿وَّاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۷۸﴾﴾

’’اور تجھ پر میری لعنت برستی رہے گی حساب کتاب کے دن تک۔‘‘

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ الحجر میں ’’اللَّعْنَۃَ‘‘ الف لام کے ساتھ آیا ہے جب کہ سورۂ ص میں یہی لفظ اضافت کے ساتھ وارد ہوا ہے، حالانکہ مقصود ایک ہی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے (واللہ اعلم) کہ سورۃ الحجر میں الف لام کے ساتھ لفظ ''لعنة'' کو لایا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جنس لعنت اس کے لیے مقدر ہو چکی ہے‘ اس میں حصر کا بھی مفہوم ہے کہ یہ لعنت اُسی کے لیے ہے اور اس میں ایک طرح کا مبالغہ بھی پایا جاتا ہے۔ اور جہاں تک سورۂ ص کا تعلق ہے تو اس آیت سے قبل یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ ؕ﴾ (آیت ۷۵) ''تجھے کس بات نے روکا اُسے سجدہ کرنے سے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا؟'' تو اس لفظی مناسب کی رعایت کرتے ہوئے لعنت کی اضافت بھی اللہ ہی کی طرف کی گئی‘ یعنی مَیں نے اسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تُو نے سجدہ سے انکار کیا تو اب میری لعنت قیامت تک تجھ پر سوار رہے گی۔ یوں ہر آیت اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے اپنی جگہ پوری پوری مناسبت رکھتی ہے۔ واللہ اعلم!

(۲۰۶) آیت ۵۳

﴿اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيۡمٍ ۝۵۳﴾

''ہم تمہیں ایک صاحبِ علم بچے کی بشارت دیتے ہیں۔''

اور ایسے ہی سورۃ الذاریات میں ارشاد فرمایا:

﴿قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ؕ وَبَشَّرُوۡهُ بِغُلٰمٍ عَلِيۡمٍ ۝۲۸﴾

''انہوں نے کہا: ڈرو مت! اور اُسے ایک صاحبِ علم بچے کی بشارت دی۔''

لیکن سورۃ الصافات میں ارشاد فرمایا:

﴿فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ ۝۱۰۱﴾

''اور ہم نے اُسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔''

پہلی دو آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند کے لیے صفتِ علم کی بشارت ہے‘ جب کہ تیسری آیت میں صفتِ حلم کی بشارت ہے‘ تو اس اختلاف کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے (واللہ اعلم) کہ سورۃ الصافات میں مذکورہ آیت سے قبل بطور تمہید حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ذبیح علیہ السلام (یعنی اسماعیلؑ) کا محاورہ (مکالمہ) درج کیا گیا ہے‘ جس کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ اَذۡبَحُكَ﴾ (آیت ۱۰۲) ''اور جب وہ (بچہ) اس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا: اے میرے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تمہیں ذبح کرتے دیکھتا ہوں''۔ تو فرزند ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کی بات کو صبر‘ قبولیت اور رضامندی کے ساتھ سنا ------ ابن عطیہ ''حلیم'' کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''صبر کرنے والا‘ برداشت کرنے والا‘ بہت ہی عقلمند۔ حِلم عقل کو کہا جاتا ہے'' ------ تو انہوں نے اپنے والد کو نہایت شائستگی سے جواب دیا کہ جس میں خود اپنے آپ کو بھی تسلی دی گئی ہے اور ثواب کی امید بھی رکھی گئی ہے۔ ان کا یہ طرزِ عمل صفتِ حلم کا تقاضا کرتا ہے اور باقی دو آیات میں چونکہ ذبح کا ذکر نہیں آیا‘ اس لیے وہاں صرف صفتِ علم کا ذکر کیا گیا جو کہ تمام انبیاء کا وصف ہے۔ اور اس لحاظ سے ہر آیت کے

الفاظ اپنی اپنی جگہ مناسبت رکھتے ہیں۔

تبصرہ از مترجم: یہاں معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف سے سہو ہوا ہے۔ ان کے نزدیک تینوں آیات کا مقصود ایک ہی شخص ہے۔ انہوں نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ ذبیح علیہ السلام سے کون مراد ہے؟ کیا اس سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں یا اسحاق علیہ السلام؟

ابن کثیر نے سورۃ الصافات کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں دونوں اقوال پیش کیے ہیں اور پھر اس قول کو ترجیح دی ہے کہ ذبیح سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہی کی ذات ہے' اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان آیات میں پہلے قصہ ذبیح بیان ہوا ہے جس میں فرزند ابراہیم علیہما السلام کا خواب نقل کیا گیا ہے کہ جس کی بنا پر انہیں وصف حلم سے نوازا گیا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾﴾ ''اور ہم نے اسے بشارت دی اسحاق کی جو کہ نیکوکاروں میں سے ایک نبی ہوگا۔'' اور سورۂ ہود میں ارشاد فرمایا: ﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾﴾ ''اور ہم نے اُسے اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بھی۔'' اسحاقؑ کی بشارت دینا اور پھر اسحاق کے بیٹے یعقوبؑ کی بھی بشارت دینا اس بات کا اعلان تھا کہ اسحاقؑ کی زندگی کی ضمانت دی جارہی ہے کہ وہ اپنے بیٹے یعقوب کو دیکھنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ اور اگر ایسی ضمانت دی جاچکی تھی تو پھر ان کے ساتھ ذبح کیے جانے کا واقعہ کیسے جوڑا جاسکتا ہے؟ اس لیے یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ سورۃ الحجر اور سورۃ الذاریات میں ابراہیم علیہ السلام کے جس بیٹے کا ذکر ہے اور جسے ''غُلٰمٍ عَلِيْمٍ'' کہا گیا ہے وہ اسحاق علیہ السلام ہیں اور سورۃ الصافات میں جس فرزند کا ذکر ہے وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں کہ جنہیں ''غُلٰمٍ حَلِيْمٍ'' کے وصف کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔

---

(۲۰۷) آیت ۷۵ تا ۷۷

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾﴾ (الحجر)

''بے شک اس واقعے میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور یہ بستی ایسی راہ پر ہے جو عام گزرگاہ ہے۔ اور اس میں مؤمنوں کے لیے ایک نشانی ہے۔''

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں: آیت کے پہلے حصے میں ''اٰیٰت'' بصیغہ جمع لایا گیا ہے اور آخری ٹکڑے میں ''اٰیَۃ'' بصیغہ مفرد لایا گیا ہے۔ اور ایسے ہی پہلے آیات کو ''مُتَوَسِّمِیْنَ'' (عبرت حاصل کرنے والوں) کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور آخری حصے میں ''اٰیَۃ'' کو مؤمنین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے' تو اس کی کیا وجہ ہے؟

جواباً عرض ہے کہ آیت کے پورے سیاق کو ملاحظہ کیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کا آنا' اور پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگوں کے ہجوم سے ڈرتے نہیں تھے' خلیل الرحمٰن کے وصف کے حامل تھے' قوی اور طاقتور تھے' انہیں کچھ خوف محسوس ہوا' پھر فرشتوں نے انہیں کبرسنی کے باوجود بیٹے کی خوشخبری دی۔ پھر جب

انہوں نے ان کی آمد کا مقصد پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ قومِ لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور قومِ لوط کی آبادی حضرت ابراہیمؑ کے مسکن سے زیادہ دور نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام باقی انبیاء اور رسولوں کی مانند نرمی اور شفقت کے جذبات رکھتے تھے' اس لیے انہوں نے قومِ لوط کو بچانے کے لیے باقاعدہ اللہ سے مجادلہ کیا جسے قرآن میں ان الفاظ سے ادا کیا گیا ہے: ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾﴾ (ھود) ''اور جب ابراہیم کا ڈر جاتا رہا اور اسے خوشخبری بھی مل گئی تو وہ ہمارے ساتھ قوم لوط کے بارے میں بحث کرنے لگا''۔ مجادلہ یہ تھا کہ فرشتوں سے پوچھا کہ اگر قومِ لوط میں کچھ مؤمن بھی پائے گئے تو کیا پھر بھی اللہ انہیں ہلاک کر دیں گے؟ اور پھر وہ اسی سوال و جواب میں رہے' یہاں تک کہ فرشتوں نے انہیں بتایا کہ سوائے لوط علیہ السلام کی بیوی کے' اُن کے گھر کے باقی افراد بچا لیے جائیں گے۔ اور پھر باقی قصہ بیان فرمایا کہ یہ فرشتے بعد ازاں لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے' تو آپؑ انہیں پہچان نہیں پائے۔ یہاں تک کہ خود انہوں نے بتایا کہ وہ بشر نہیں فرشتے ہیں۔ اور پھر بیان کیا کہ کیسے فرشتوں نے انہیں حکم دیا کہ وہ گھر والوں کو لے کر نکلیں' سب ان کے آگے آگے چلیں' کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے' کیونکہ صبح ہوتے ہی ان کی قوم پر عذاب آنے والا ہے۔

اور یہ بھی بیان کیا کہ جونہی اُن کی قوم نے سنا کہ لوط علیہ السلام کے پاس کچھ مہمان آئے ہیں' وہ بھاگے بھاگے چلے آئے' اور آپؑ کو بہلانے پھسلانے لگے کہ وہ اپنے مہمانوں کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ ان سے بدفعلی کر سکیں جیسا کہ ان کی عادت تھی۔ لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ سے ڈرایا' بلکہ یہاں تک کہا: ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾﴾ (الحجر) ''اُس نے کہا: یہ میرے مہمان ہیں تو مجھے رسوا نہ کرو! اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو!'' مزید کہا: ﴿هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ ......﴾ ''یہ میری بیٹیاں ہیں ......'' اشارہ تھا کہ قوم کی بیٹیاں اُن کی بیٹیوں کی مانند ہیں' چونکہ نبی اپنی قوم کے لیے باپ کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی جنسی خواہش پوری کرنا چاہتے ہیں تو حلال طریقے سے وہ انہیں اپنا سکتے ہیں۔ لیکن ان کی کوئی التجا قوم کو رام نہ کر سکی اور وہ اپنی ضد اور عناد پر قائم رہے۔ ایسے وقت میں ان کی زبان سے یہ درد بھرے الفاظ نکلتے ہیں: ﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾﴾ (ھود) ''اس نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا مَیں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا۔'' یعنی کاش میری برادری یا قبیلہ ہوتا جو اس آڑے وقت میں میرے کام آتا۔ اور پھر فرشتوں نے انہیں تسلی کے یہ الفاظ کہے: ﴿اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ﴾ (ھود:۸۱) ''ہم تمہارے ربّ کے فرستادہ ہیں وہ تم تک ہرگز نہ پہنچ پائیں گے۔'' یعنی ان کی کیا مجال کہ وہ انہیں چھو بھی سکیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے ان کی آنکھوں میں پھونک دیا' وہ اندھے ہو کر بھاگے اور چلّاتے گئے کہ لوط کے پاس تو آدمی نہیں' جادوگر آئے ہیں۔ پھر ایک ہولناک چیخ کے ساتھ عذاب کی آمد ہوئی۔ فرمایا: ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾﴾ (ھود)

’’اور پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصے کو نیچے کر دیا اور ہم نے اس پر تہ بہ تہ کنکر یلے پتھروں کی بارش برسا دی‘‘۔ اب ملاحظہ ہو کہ یہاں عبرت پکڑنے والوں (مُتَوَسِّمِیْنَ) کے لیے سامانِ عبرت ہے یا نہیں؟ ایک کے بعد دوسرا واقعہ‘ ایک نشانی کے بعد دوسری نشانی‘ بصیرت کی نگاہ رکھنے والا دیکھے گا کہ آگے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ تو پھر یہ کہنا بالکل مناسب تھا: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ﴿٧٥﴾﴾ ’’اور بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں!‘‘

اس کے بعد ملاحظہ ہو کہ ان کی بستیاں اُلٹا پلٹا دی گئیں‘ بعد میں آنے والے لوگ ان خانہ بربادوں کے انجام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے‘ اور کیوں نہ دیکھتے کہ وہ ان کی شاہراہ پر تھے۔ فرمایا: ﴿وَاِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ ﴿٧٦﴾﴾ ’’اور وہ بستی ایسی شاہراہ پر ہے جو عام گزرگاہ ہے۔‘‘ یعنی جو کچھ اُن کے ساتھ ہوا‘ اسے دیکھنے والے دیکھ سکتے تھے۔ چونکہ یہ خبر ایک صادق وامین شخص کے ذریعے اُن تک پہنچی تھی‘ جس پر وہ ایمان رکھتے تھے تو اُن کے لیے وہ نصیحت حاصل کرنے کے لیے کافی تھی۔ اور پھر اس بات کو یوں ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿٧٧﴾﴾ ’’بے شک اس میں مؤمنوں کے لیے ایک نشانی ہے۔‘‘ اور یہاں مناسب تھا کہ لفظ ’’اٰیَة‘‘ مفرد لایا جاتا‘ اور اس کے بعد مؤمنین کا ذکر کیا جاتا جو کہ وحی الٰہی پر ایمان رکھتے تھے‘ یعنی جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وحی نے اُسے آشکار کر دیا تھا۔ اور یوں آپ نے دیکھا کہ لفظ ’’مُتَوَسِّمِیْنَ‘‘ اٰیت کے ساتھ اپنی جگہ مناسبت رکھتا ہے‘ اور لفظ ’’مُؤْمِنِیْنَ‘‘ اٰیة کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے‘ واللہ اعلم!

تبصرہ از مترجم: مؤلف کتاب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجادلے کا انتہائی اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ابن کثیرؒ اور قرطبیؒ نے بروایت حذیفہ رضی اللہ عنہ اسے تفصیل سے نقل کیا ہے۔ مولانا اصلاحی نے تورات کے حوالے سے پورا قصہ یوں نقل کیا ہے:

’’پر ابراہام خداوند کے حضور کھڑا ہی رہا۔ تب ابراہام نے نزدیک جا کر کہا: کیا تُو نیک کو بد کے ساتھ ہلاک کرے گا؟ شاید اُس شہر میں پچاس راست باز ہوں۔ کیا تُو اُسے ہلاک کرے گا اور اُن پچاس راست بازوں کی خاطر جو اُس میں ہوں اُس مقام کو نہ چھوڑے گا؟ ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بد کے ساتھ مار ڈالے اور نیک بد کے برابر ہو جائیں۔ یہ تجھ سے بعید ہے۔ کیا تمام دُنیا کا انصاف کرنے والا انصاف نہ کرے گا؟ اور خداوند نے فرمایا کہ اگر مجھے سدوم میں شہر کے اندر پچاس راست باز ملیں تو مَیں اُن کی خاطر اُس مقام کو چھوڑ دُوں گا۔ تب ابراہام نے جواب دِیا اور کہا کہ دیکھئے! مَیں نے خداوند سے بات کرنے کی جرأت کی‘ اگرچہ مَیں راکھ اور خاک ہوں۔ شاید پچاس راست بازوں میں پانچ کم ہوں۔ کیا اُن پانچ کی کمی کے سبب سے تُو تمام شہر کو نیست کر دے گا؟ اُس نے کہا اگر مجھے وہاں پینتالیس ملیں تو مَیں اُسے نیست نہیں کروں گا۔ پھر اُس سے کہا کہ شاید وہاں چالیس ملیں۔ تب اُس نے کہا کہ مَیں اُن چالیس کی خاطر بھی یہ نہیں کروں گا۔ پھر اُس نے کہا: خُداوند ناراض نہ ہو تو مَیں کچھ اور عرض کروں۔ شاید وہاں تیس ملیں۔ اُس نے کہا: اگر مجھے وہاں تیس بھی ملیں تو بھی مَیں ایسا نہیں کروں گا۔ پھر اُس نے کہا: دیکھئے! مَیں نے خداوند سے

بات کرنے کی جرأت کی۔ شاید وہاں بیس ملیں۔ اُس نے کہا: مَیں بیس کی خاطر بھی اُسے نیست نہیں کروں گا۔ تب اُس نے کہا: خداوند ناراض نہ ہو تو مَیں ایک بار اور کچھ عرض کروں۔ شاید وہاں دس ملیں۔ اُس نے کہا: مَیں دس کی خاطر بھی اسے نیست نہیں کروں گا۔'' (پیدائش' باب ۱۸: ۲۳۔۳۲)

(۲۰۸) آیت ۸۸

﴿وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾﴾

''اور مؤمنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رکھیں۔''

اور سورۃ الشعراء میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۱۵﴾﴾

''اور اپنا بازو جھکائے رکھو ہر اُس مؤمن شخص کے لیے جو تمہاری پیروی کر رہا ہے۔''

اس آیت میں ''لِمَنِ اتَّبَعَكَ'' کا اضافہ ہے تو اس کی کیا وجہ ہے' حالانکہ مضمون ایک ہی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ الحجر کی آیت سے قبل خاص طور پر کسی مدعُوّ (یعنی جن کو دعوت دی جا رہی تھی) کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف نبی علیہ السلام کو لوگوں کی بے رخی کی بنا پر تسلی دی جا رہی تھی اور اہلِ ایمان کے ساتھ نرمی برتنے کی ہدایت کی جا رہی تھی۔ فرمایا: ﴿وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾﴾ ''اور ان پر افسوس نہ کرو اور اپنا بازو مؤمنوں کے لیے جھکائے رکھو!'' اس لیے یہاں مذکورہ زائد الفاظ کی ضرورت نہ تھی' لیکن سورۃ الشعراء کی آیت سے قبل ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴿۲۱۴﴾﴾ ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراتے رہو!'' انذار یعنی ڈرانے کے اندر خوف اور بڑائی کا عنصر شامل ہے' اس لیے یہاں خاص طور پر ''لِمَنِ اتَّبَعَكَ'' کہہ کر ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور مہربانی کا اظہار کیا گیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی برادری سے تعلق رکھتے تھے اور ایمان لے آئے تھے۔ لیکن ''لِمَنِ اتَّبَعَكَ'' کے الفاظ سے ان تمام لوگوں کو شامل کر لیا گیا جو چاہے آپ کی برادری سے تعلق رکھتے تھے یا عام ایمان لانے والوں میں سے تھے' اور اگر صرف ﴿وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾﴾ کہا جاتا تو یہ عمومی معنی حاصل نہ ہوتا۔ گویا یوں کہا جا رہا تھا کہ آپ صرف اہلِ ایمان کے لیے اپنے پہلو کو جھکائے رکھیے اور اس سے مراد صرف انہی کے قبیلے کے لوگ بھی ہو سکتے تھے اور دوسرے بھی۔ لیکن سورۃ الشعراء کی آیت میں جب اپنے قرابت دار اہلِ قبیلہ کو ڈرانے کا ذکر کیا گیا تو ''لِمَنِ اتَّبَعَكَ'' کے اضافے کی ضرورت اس لیے پڑی تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ اب جو تسلّی کے الفاظ کہے جا رہے ہیں وہ صرف انہی کے قرابت دار لوگوں کے لیے ہیں۔ نہیں' بلکہ وہ تمام لوگ شامل ہیں جو تمہاری پیروی کر رہے ہیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کے فوراً بعد یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿فَاِنۡ عَصَوۡكَ فَقُلۡ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾﴾

''اور اگر یہ لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو: مَیں تمہارے کرتوتوں سے بیزار ہوں!''

تو یہاں ''عَصَوۡكَ'' کی ضمیر جمع' کیا نبی ﷺ کے قبیلے کی طرف اشارہ نہیں کرتی؟ تو''مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ'' سے مراد خصوصی طور پر وہی لوگ ہوئے' نہ کہ تمام ایمان لانے والے؟

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ضمیر جمع کا ''عَشِيۡرَتَكَ'' کی طرف راجع ہونا لازمی نہیں ہے۔ اس سے مراد سبھی ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی جو کفر میں آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور وہ بھی جو آپؐ کی پیروی کرنے والوں میں سے تھے' یعنی ایمان لا کر مرتد ہو گئے تھے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ كَيۡفَ يَهۡدِی اللّٰهُ قَوۡمًا كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ ﴾ (آل عمران:۸۶)

''اللہ اُس قوم کو کیسے ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے!''

اس لیے ضمیر جمع کا اُن تمام افراد پر راجع ہونا زیادہ مناسب ہے۔ اس میں وہ اہلِ ایمان بھی آ سکتے ہیں جنہوں نے صرف نافرمانی کی' کفر نہیں کیا' کیونکہ لفظ معصیت میں کفر بھی آ جاتا ہے اور کفر سے کم درجے کے اعمال بھی۔ واللہ سبحانہ اعلم!

سُورَةُ النَّحل

(۲۰۹) آیت ۱۱ تا ۱۳

﴿ يُنۡۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالنَّخِيۡلَ وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ﴾

''اسی سے وہ تمہارے لیے اُگاتا ہے کھیتیاں' زیتون' کھجور' انگور اور ہر طرح کے پھل۔ بے شک اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اور اس نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے رات اور دن کو' سورج اور چاند کو' اور ستارے بھی اُس کے حکم کے پابند ہیں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔ اور وہ سب کچھ جو اس نے تمہارے لیے زمین میں رنگ برنگ پیدا کیا ہے' اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں۔''

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا سوال یہ کہ پہلی اور تیسری آیت میں لفظ ''اٰيَةً'' مفرد لایا گیا ہے' صرف دوسری آیت میں بصیغہ جمع ''اٰيٰت'' لایا گیا ہے۔ دوسرا سوال یہ کہ تینوں آیات کے اختتامی کلمات مختلف ہیں یعنی يَتَفَكَّرُوۡنَ' يَعۡقِلُوۡنَ اور يَذَّكَّرُوۡنَ۔

پہلے سوال کا جواب ملاحظہ ہو: سب سے پہلی آیت میں آسمان سے نازل شدہ پانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان الفاظ کے ساتھ ''اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ'' جبکہ آسمان سے پانی کے نازل ہونے کا ذکر اس آیت سے قبل کیا گیا تھا:

﴿ هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّـكُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ وَّمِنۡهُ شَجَرٌ فِيۡهِ تُسِيۡمُوۡنَ ﴿۱۰﴾ ﴾

’’اُسی نے تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا ہے‘ جو تم پیتے ہو اور اس سے جو درخت اُگتا ہے اس سے اپنے جانور چراتے ہو۔‘‘

اور پھر اس سے اگلی آیت میں یہ بیان ہوا کہ اسی پانی سے وہ تمہارے لیے اگاتا ہے کھیتیاں‘ زیتون‘ کھجور‘ انگور اور ڈھیر سارے باقی پھل۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ پانی ایک ہی طرح کا ہے لیکن اس سے اُگنے والے پھل اور سبزیاں طرح طرح کی ہیں۔ تو جب یہ کہا گیا ’’اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ‘‘ تو مقصود یہی تھا کہ پانی کی طرف دیکھو۔ وہ ہر جگہ ایک ہی صفت رکھتا ہے لیکن اس سے جلا پا کر اُگنے والے پھل اور ترکاریاں اپنے رنگ و بو اور ذائقے میں گلہائے رنگا رنگ کا نقشہ پیش کرتے نظر آتے ہیں‘ تو اس سے بڑھ کر اور کیا نشانی ہوگی!

ایسے ہی تیسری آیت میں کہا گیا: ﴿ وَمَا ذَرَاَ لَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہٗ ؕ ﴾ ’’اور جو کچھ اُس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا ہے طرح طرح کے رنگ وروپ کا۔‘‘ یہاں ’’مَا‘‘ کا لفظ بطور جنس ہے یعنی جو کچھ بھی زمین کی سطح پر اُگتا یا پیدا ہوتا ہے وہ جنس کے اعتبار سے تو اکائی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن افراد کے اعتبار سے اپنے رنگ اور ذائقے کی بنا پر مختلف اشکال میں ڈھل کر ہمارے سامنے آتا ہے‘ اور یوں یہاں بھی اشارہ مفرد کی طرف تھا اس لیے لفظ اٰیۃ کو بھی مفرد لایا گیا۔

جہاں تک دوسری آیت کا تعلق ہے تو وہاں پانچ مختلف چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن میں غور کرنا مطلوب ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے ہماری معیشت سنورتی ہے‘ ہمارے حالات سدھرتے ہیں اور ہمیں حساب کتاب کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ وہ پانچ چیزیں ہیں: دن اور رات‘ سورج اور چاند‘ اور ستارے۔ ان میں سے ہر ایک کے بارے میں غور کرنے سے نظر وفکر کی بہت سی راہیں کھلتی ہیں۔ رات راحت اور سکون کے لیے ہے‘ دن کمانے‘ مختلف کام انجام دینے اور گھومنے پھرنے کے لیے ہے‘ سورج روشنی اور حرارت کا منبع ہے‘ چاند سے ایک لطیف نور اور ٹھنڈک کا احساس وابستہ ہے اور ان دونوں سے ماہ وسال کا حساب بھی لگایا جاتا ہے۔ فرمایا:

﴿ لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ ؕ ﴾ (یٰسٓ: ۴۰)

’’نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے۔‘‘

ستاروں سے تو بر و بحر کے سفر میں راستے طے کیے جاتے ہیں۔ ان پانچوں چیزوں میں غور وفکر کے ایسے پہلو موجود ہیں کہ ان کی طرف ’’اٰیٰت‘‘ بصیغہ جمع سے اشارہ کرنا بالکل مناسب تھا۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ تینوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی کچھ نشانیاں بیان ہوئی ہیں اور ان سے عبرت حاصل کرنے کا سبق دیا گیا ہے‘ لیکن اس کے لیے پہلی آیات میں اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو غور وفکر کرتے ہیں‘ دوسری آیت میں اُن کا جو عقل سے کام لیتے ہیں اور تیسری آیت میں اُن کا جو نصیحت پکڑنا چاہتے ہیں۔

اب ذرا غور فرمایئے‘ پہلی آیت میں آسمان سے برسنے والے پانی کا ذکر ہے جو اپنی نوع کے اعتبار سے ایک چیز ہے لیکن اس سے طرح طرح کے پھل اور سبزیاں‘ مختلف رنگ اور ذائقے والی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ

بات معمولی غور وفکر سے بھی حاصل ہو جاتی ہے‘ شرط صرف یہ ہے کہ انسان غفلت کا شکار نہ ہو۔اس سے اگلی آیت میں رات دن کے آنے جانے کا اور شمس وقمر اور ستاروں کے مسخّر کیے جانے کا ذکر ہے۔ یہاں صرف غور وفکر سے کام نہیں چلے گا‘ بلکہ عقل کے گھوڑے دوڑانے ہوں گے۔ رات دن چھوٹے بڑے کیسے ہوتے ہیں‘ سورج‘ چاند اور ستارے کیسے اللہ کے حکم کے پابند ہیں‘ یہ سب بہت دَقیق اُمور ہیں جن کے بارے میں حکماء وفلاسفہ ہمیشہ سے دُور دُور کی کوڑیاں لائے ہیں۔

اس آیت سے ملتی جلتی سورۃ البقرۃ کی یہ آیت ہے جس کا اختتام بھی ’’لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ‘‘ پر ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ (البقرة)

’’بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں‘ اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو سمندر میں لوگوں کے فائدے کے لیے رواں ہیں‘ اور جو کچھ آسمان سے اللہ نے پانی اتارا ہے کہ جس سے اس زمین کو زندہ کیا جو مُردہ ہو چکی تھی‘ اور جو کچھ جانور اس میں پھیلا دیے‘ اور ہواؤں کے رخ بدلنے میں‘ اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخّر ہیں (ان سب میں) نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔‘‘

چونکہ ان تمام چیزوں کی حکمتیں پردۂ راز میں چھپی ہوئی ہیں اس لیے انہیں عقل کی روشنی ہی سے دیکھا جاسکتا ہے۔

تیسری آیت میں زمین سے پیدا شدہ رنگ برنگی غذا کا ذکر ہوا ہے‘ جس میں غور وفکر بھی کیا جاسکتا ہے جس کا ذکر پہلی آیت کے ضمن میں آچکا ہے اور اس سے نصیحت وعبرت بھی حاصل کی جاسکتی ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ اور یوں ہر سہ آیات کا اختتام جس وصف کے ساتھ ہوا ہے وہی وہاں مناسب تھا۔

(۲۱۰) آیت ۱۴

﴿وَهُوَ الَّذِیۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡكُلُوۡا مِنۡهُ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡهُ حِلۡیَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَتَرَی الۡفُلۡكَ مَوَاخِرَ فِیۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾

’’اور وہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا ہے تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھا سکو اور اس میں سے پہننے کے لیے زیورات نکال سکو‘ اور اس میں تم تیرتی ہوئی کشتیاں دیکھتے ہو‘ اور تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کر سکو اور اس کی شکر گزاری بھی کر سکو۔‘‘

اور سورۃ الملائکہ (فاطر) میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنۡ كُلٍّ تَاۡكُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡیَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَتَرَی الۡفُلۡكَ فِیۡهِ

مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

''اور ان میں ہر ایک (پانی) سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور ایسے زیورات نکالتے ہو جسے تم پہن سکتے ہو اور تم اس میں کشتیوں کو (پانی) چیرتے ہوئے دیکھتے ہو' تا کہ تم اُس کا فضل تلاش کر سکو اور تا کہ تم شکر گزار بن سکو۔''

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں آیات ایک جیسی ہیں' لیکن دونوں میں تین الفاظ کی وجہ سے فرق واقع ہوا ہے:

سورۃ الملائکۃ (سورۂ فاطر)	سورۃ النحل
(۱) فِيْهِ مَوَاخِرَ (مجرور کو پہلے لایا گیا)	(۱) مَوَاخِرَ فِيْهِ (مجرور کو بعد میں لایا گیا)
(۲) لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (واؤ کا سقوط ہے)	(۲) وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (واؤ کا اثبات ہے)
(۳) وَتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً (مِنْهُ کے بغیر ہے)	(۳) وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً (مِنْهُ کا اضافہ ہے)

سوال ۱ کا جواب: سورۃ النحل میں جار مجرور کا متعلقہ لفظ کے بعد میں لائے جانے کا رجحان ہے۔ جیسے لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ' مَوَاخِرَ فِيْهِ' اور اگر یہاں جار مجرور پہلے لایا جاتا یعنی یوں کہا جاتا: ''فِيْهِ مَوَاخِرَ'' تو وہ سورۃ النحل کے اندازِ بیان سے جدا ہو جاتا —— مَوَاخِرَ لفظ مَخَر سے نکلا ہے' یعنی وہ کشتیاں جو اپنے سینے سے دریا یا سمندر کے پانی کو پھاڑتی ہوئی اپنا راستہ بناتی ہیں۔ اور سورۃ الملائکہ میں جار مجرور اپنے متعلق سے پہلے لایا گیا ہے۔ اسی آیت کے شروع میں کہا گیا تھا: ''وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا'' تو مناسب تھا کہ اس کے بعد ''فِيْهِ مَوَاخِرَ'' کہا جاتا تا کہ کلام میں تناسق (مناسبت) قائم رہے۔

سوال ۲ کا جواب: سورۃ النحل کی آیت میں اللہ تعالیٰ کی چند نعمتوں کا ذکر آیا ہے تا کہ لوگ ان نعمتوں کی قدر کریں۔ فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ ''اور اُسی نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا ہے تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھا سکو'' یہ پہلی نعمت کا بیان تھا۔ اس کے بعد واؤ عطف کے ساتھ دوسری نعمت کا بیان ہوا: ﴿وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا﴾ ''اور اس سے زیور نکال سکو جسے تم پہنتے ہو''۔ اور پھر واؤ عطف کے ساتھ تیسری نعمت کا: ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ﴾ ''اور تم اس میں کشتیاں دیکھتے ہو جو (پانی کو) چیرتی جاتی ہیں۔'' اور پھر واؤ عطف کے ساتھ چوتھی نعمت کا: ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کر سکو!'' تو یہاں اللہ تعالیٰ کی چار نعمتوں کا بیان ہوا اور پھر کہا: ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''اور تا کہ تم شکر گزار بن سکو'' ------ لیکن سورۃ الملائکہ میں اگرچہ چند نعمتوں کا بیان ہے' جیسے ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى
وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝﴾

''اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے' پھر نطفے سے' پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنایا۔ اور جو کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو وہ اس کا علم رکھتا ہے' اور جو بڑی عمر والا عمر پاتا ہے اور جس کی عمر کم کر دی جاتی ہے تو وہ سب ایک کتاب میں ہے۔ اور یہ سب اللہ کے لیے بڑا آسان ہے۔''

اور اس کے بعد پھر دو طرح کے پانیوں کا ذکر کیا:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ﴾

''اور دونوں پانی برابر نہیں' ایک تو ٹھنڈا میٹھا ہے' پینا اس کا خوشگوار ہے' اور دوسرا نمکین اور کڑوا۔''

یہاں گو تسخیر سمندر کا ذکر نہیں ہے' لیکن زورِ بیان میں یہ بات چھپی ہوئی ہے کہ ہم نے تمہارے لیے سمندر کے پانیوں کو بھی مسخر کر دیا ہے' چاہے وہ دریا کا ٹھنڈا میٹھا پانی ہو یا سمندر کا کڑوا نمکین پانی ہو' اور ان میں سے ہر ایک سے تم تازہ تازہ گوشت (مچھلی) کھاتے ہو اور ایسے ہی تم اس سے زیور (گھونگھے' سیپیاں' موتی) نکال کر پہنتے ہو اور پھر تم اس میں کشتیوں کو سمندر کا پانی پھاڑتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''تاکہ تم اس کے فضل میں سے تلاش کر سکو!'' تو یہاں تسخیر سمندر کی غایت کے طور پر آخر میں بتایا گیا کہ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اللہ کے بے پایاں فضل میں سے کچھ نہ کچھ حاصل کر سکو۔

اس لحاظ سے دونوں سورتوں کی آیات میں فرق واضح ہو گیا۔ یعنی سورۃ النحل میں نعمتوں کے تعدّد کا بیان ہے جس میں ایک اللہ کے فضل کو چاہنا بھی ہے اور سورۃ الملائکہ میں ''اللہ کے فضل کو چاہنا'' بطور غایت یا مقصد بیان کیا گیا ہے' اس لیے یہاں واوٴ عطف لانا مناسب نہ تھا۔

سوال ۳ کا جواب: سورۃ الملائکہ کی آیت جہاں ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ﴾

''اور ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو کہ جسے تم پہنتے ہو۔''

اس میں کوئی ابہام نہیں ہے اور نہ ہی کسی دوسرے معنی کا احتمال ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ ان دونوں طرح کے پانیوں سے تمہارا کھاجا بھی ہے اور پہناوے کا زیور بھی ہے۔ بالکل مبتدا خبر کی طرح کا پورا جملہ ہے۔ سورۃ النحل کی آیت ملاحظہ ہو جہاں ''مِنْهُ'' دو دفعہ آیا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو تابع کر دیا ہے تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاوٴ اور اس میں سے زیورات نکالو کہ جسے تم پہنتے ہو۔'' اس آیت میں اگر ''تَسْتَخْرِجُوْا'' کے بعد ''مِنْهُ'' نہ ہوتا تو اس میں ایک خفیف سا احتمال رہ جاتا کہ ''تم زیورات نکالو' یعنی خاص طور پر سمندر ہی سے نکالو۔ گویا یہ احتمالِ خفیف ہے' کیونکہ سیاق ظاہر ہے سمندر ہی سے نکالے جانے کے بارے میں ہے' پھر بھی ''مِنْهُ'' لا کر اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی۔ اور جیسا ہم نے کہا کہ سورۃ الملائکہ ہی کے آغاز میں ''وَمِنْ كُلٍّ'' کے الفاظ اتنے واضح ہیں کہ وہاں کسی قسم کے احتمال کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لیے وہاں مِنْهُ نہیں لایا گیا۔ واللہ اعلم!

(۲۱۱) آیت ۲۹

﴿فَادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ فَلَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾

’’تو پھر جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے‘ اور کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا۔‘‘

اور سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا:

﴿قِیۡلَ ادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۷۲﴾﴾

’’اور کہا گیا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے‘ تو کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے تکبّر کرنے والوں کا۔‘‘

اور سورۃ المؤمن میں ارشاد فرمایا:

﴿اُدۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۷۶﴾﴾

’’داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے‘ اور کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے تکبّر کرنے والوں کا۔‘‘

یہاں سائل یہ سوال کر سکتا ہے کہ سورۃ النحل کی آیت میں ’’بِئۡسَ‘‘ سے پہلے ’’لام‘‘ کا اضافہ ہے‘ لیکن باقی دونوں سورتوں میں یہ ’’لام‘‘ ساقط ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

جواباً عرض ہے کہ سورۃ النحل کی مذکورہ آیت سے قبل پانچ آیات میں ان لوگوں کے اوصاف واطوار کو بیان کیا گیا ہے جنہیں بالآخر جہنم کی راہ دکھائی گئی ہے۔ ابتدا آیت ۲۴ سے ہو رہی ہے:

﴿وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ مَّاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّکُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۲۴﴾﴾

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا اُتارا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ سب اگلوں کی کہانیاں ہیں۔‘‘

اور پھر آیت ۲۹ میں انہیں کہا گیا: ﴿فَادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ﴾۔ اور جس تفصیل اور طوالت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا تو ان کے لیے یہ زائد لام جو کہ قسم کے معنی میں ہے‘ کا لانا مناسب تھا۔

لیکن سورۃ الزمر کی آیت سے قبل صرف دو آیات ہیں جن کی ابتدا آیت ۷۱ سے ہوتی ہے:

﴿وَ سِیۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ﴾

’’اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف ہنکائے گئے۔‘‘

یہاں ان کا کوئی تفصیلی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی آسمانی کتب کے بارے میں ان کی یہ بے ہودہ بات کہی گئی ہے جو کہ سورۃ النحل میں نقل کی گئی ہے کہ یہ سب پچھلوں کی کہانیاں ہیں۔ چونکہ ان کے وصف میں اختصار سے کام لیا گیا‘ تو یہاں ’’بِئۡسَ‘‘ کے ساتھ لامِ قسم لانے کی ضرورت نہ تھی۔ اور یہی بات سورۃ المؤمن کی آیت کے بارے میں کہی جا سکتی ہے کہ وہاں بھی مذکورہ آیت سے قبل ان لوگوں کا کوئی تفصیلی بیان نہیں لایا گیا۔ صرف ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ہمارے معبودانِ باطلہ تو ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر غائب ہو گئے۔ اور اس لیے یہاں بھی لامِ قسم لانے کی ضرورت نہ تھی۔ واللہ اعلم!

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی ونحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان مرحوم

سورۃ یوسف

آیات ۸۸ تا ۹۳

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ
فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا
فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا
يُوْسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ
عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ
عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾﴾

ز ج و

زَجَا يَزْجُوْ (ن) زَجْوًا: کسی کو ہانکنا‘ چلانا۔

اَزْجٰی (افعال) اِزْجَاءً: یہ ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہے۔ ہانکنا‘ چلانا۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا﴾ (النور:۴۳) ’’کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہانکتا ہے بادل کو۔‘‘

مُزْجَاةٌ (اسم المفعول): ہانکی ہوئی چیز‘ حقیر وذلیل چیز۔ زیر مطالعہ آیت ۸۸۔

ث ر ب

ثَرَبَ يَثْرِبُ (ض) ثَرْبًا: کسی کے کام کو بُرا سمجھنا۔

ثَرَّبَ (تفعیل) تَثْرِيْبًا: کسی کو اس کے کام پر سرزنش کرنا‘ عتاب کرنا۔ زیر مطالعہ آیت ۹۲۔

ترجمہ:

فَلَمَّا : پھر جب
دَخَلُوْا : وہ لوگ داخل (حاضر) ہوئے
عَلَيْهِ : اُنؑ پر
قَالُوْا : تو انہوں نے کہا
يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ : اے عزیز!
مَسَّنَا : چھوا ہم کو
وَاَهْلَنَا : اور ہمارے گھر والوں کو
الضُّرُّ : سختی نے
وَجِئْنَا : اور آئے ہم
بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ : ایک حقیری سی پونجی کے ساتھ
فَاَوْفِ لَنَا : پس آپؑ پورا کریں ہمارے لیے
الْكَيْلَ : پیمانہ بھرنے کو
وَتَصَدَّقْ : اور آپؑ حق سے زیادہ نچھاور کریں
عَلَيْنَا : ہم پر
اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ
يَجْزِي : جزا دیتا ہے
الْمُتَصَدِّقِيْنَ : حق سے زیادہ دینے والوں کو
قَالَ : (یوسفؑ نے) کہا
هَلْ عَلِمْتُمْ : کیا تم لوگوں نے جانا
مَّا فَعَلْتُمْ : اس کو جو تم لوگوں نے کیا
بِيُوْسُفَ : یوسف کے ساتھ
وَاَخِيْهِ : اور اس کے بھائی کے ساتھ
اِذْ اَنْتُمْ : جب تم لوگ
جٰهِلُوْنَ : غلط سوچ والے تھے
قَالُوْٓا : ان لوگوں نے کہا
ءَاِنَّكَ : کیا بے شک
لَاَنْتَ يُوْسُفُ : تُو ہی تو یوسف ہے!
قَالَ : انہوںؑ نے کہا
اَنَا يُوْسُفُ : میں یوسف ہوں
وَهٰذَآ اَخِيْ : اور یہ میرا بھائی ہے
قَدْ مَنَّ اللّٰهُ : احسان کیا ہے اللہ نے
عَلَيْنَا : ہم پر
اِنَّهٗ : حقیقت یہ ہے کہ
مَنْ يَّتَّقِ : جو تقویٰ کرتا ہے
وَيَصْبِرْ : اور صبر کرتا ہے
فَاِنَّ اللّٰهَ : تو بے شک اللہ
لَا يُضِيْعُ : ضائع نہیں کرتا
اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ : خوب کاروں کے اجر کو
قَالُوْا تَاللّٰهِ : اُن لوگوں نے کہا اللہ کی قسم
لَقَدْ اٰثَرَكَ : یقیناً ترجیح دی ہے آپؑ کو
اللّٰهُ : اللہ نے
عَلَيْنَا : ہم پر
وَاِنْ كُنَّا : اور بے شک ہم تھے
لَخٰطِئِيْنَ : یقیناً غلطی کرنے والے
قَالَ : انہوںؑ نے کہا
لَا تَثْرِيْبَ : کوئی بھی عتاب نہیں ہے
عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ : تم لوگوں پر آج
يَغْفِرُ اللّٰهُ : مغفرت کرے گا اللہ
لَكُمْ : تم لوگوں کی
وَهُوَ : اور وہ
اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ : رحم کرنے والوں کا سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے
اِذْهَبُوْا : تم لوگ جاؤ

بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا : میری اس قمیص کے ساتھ
فَاَلۡقُوۡهُ : پھر ڈالو اس کو
عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ : میرے والد کے چہرے پر
يَاۡتِ : تو وہ آئیں گے
بَصِيۡرًا : دیکھنے والا ہوتے ہوئے
وَاۡتُوۡنِىۡ : اور تم لوگ آؤ میرے پاس
بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ : اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ

نوٹ: قَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا سے معلوم ہوا کہ جب انسان کسی تکلیف و مصیبت میں گرفتار ہو اور پھر اللہ تعالیٰ اسے نجات عطا فرما کر اپنی نعمت سے نوازیں تو اب اس کو گزشتہ مصائب کا ذکر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے اس انعام و احسان کا ذکر کرنا چاہیے جو اب حاصل ہوا ہے۔ مصیبت سے نجات اور انعامِ الٰہی کے حصول کے بعد بھی پچھلی تکلیف و مصیبت کو روتے رہنا ناشکری ہے اور ایسے ناشکرے کو قرآن مجید میں كَنُوۡدٌ کہا گیا ہے۔ (العادیات:٦) یعنی ایسا شخص جو احسانات کو یاد نہ رکھے، صرف تکلیفوں اور مصیبتوں کو ہی یاد رکھے۔ (معارف القرآن)

آیات ۹۴ تا ۹۸

﴿ وَلَمَّا فَصَلَتِ الۡعِيۡرُ قَالَ اَبُوۡهُمۡ اِنِّىۡ لَاَجِدُ رِيۡحَ يُوۡسُفَ لَوۡلَاۤ اَنۡ تُفَنِّدُوۡنِ ۝٩٤ قَالُوۡا تَاللّٰهِ
اِنَّكَ لَفِىۡ ضَلٰلِكَ الۡقَدِيۡمِ ۝٩٥ فَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَ الۡبَشِيۡرُ اَلۡقٰهُ عَلٰى وَجۡهِهٖ فَارۡتَدَّ بَصِيۡرًا‌ ۚ قَالَ
اَلَمۡ اَقُلۡ لَّـكُمۡ ۚ ‌ۙ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝٩٦ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَاۤ اِنَّا
كُنَّا خٰطِـئِيۡنَ ۝٩٧ قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَـكُمۡ رَبِّىۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ۝٩٨ ﴾

ف ن د

فَنِدَ يَفۡنَدُ (س) فَنَدًا : ضعیف العقل ہونا، بہکی بہکی باتیں کرنا۔

فَنَّدَ (تفعیل) تَفۡنِيۡدًا : کسی کو بہکا ہوا قرار دینا یا سمجھنا۔ زیر مطالعہ آیت ۹۴

ترجمہ:

وَلَمَّا : اور جب
فَصَلَتِ الۡعِيۡرُ : روانہ ہوا قافلہ
قَالَ اَبُوۡهُمۡ : کہا ان لوگوں کے والد نے
اِنِّىۡ لَاَجِدُ : کہ میں پاتا ہوں
رِيۡحَ يُوۡسُفَ : یوسفؑ کی مہک کو
لَوۡلَاۤ اَنۡ : اگر نہ ہو کہ
تُفَنِّدُوۡنِ : تم لوگ بہکا ہوا سمجھو مجھ کو
قَالُوۡا : ان لوگوں نے کہا
تَاللّٰهِ اِنَّكَ : اللہ کی قسم بے شک آپ
لَفِىۡ ضَلٰلِكَ الۡقَدِيۡمِ : اپنی پرانی گمراہی میں ہی ہیں
فَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَ : پھر جیسے ہی آیا
الۡبَشِيۡرُ : بشارت دینے والا

اَلۡقٰىهُ : تو اُس نے ڈالا اس کو	عَلٰی وَجۡهِهٖ : ان کے چہرے پر
فَارۡتَدَّ : تو وہ لوٹے	بَصِيۡرًا : دیکھنے والے ہوتے ہوئے
قَالَ : انہوںؑ نے کہا	اَلَمۡ اَقُلۡ : کیا میں نے نہیں کہا تھا
لَّكُمۡ : تم لوگوں سے	اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ : کہ میں جانتا ہوں
مِنَ اللّٰهِ : اللہ (کی طرف) سے	مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ : اُس کو جو تم لوگ نہیں جانتے
قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا : ان لوگوں نے کہا اے ہمارے والد	اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا : آپؑ مغفرت مانگیں ہمارے لیے
ذُنُوۡبَنَاۤ : ہمارے گناہوں کی	اِنَّا كُنَّا : بے شک ہم تھے
خٰطِئِيۡنَ : غلطی کرنے والے	قَالَ : انہوںؑ نے کہا
سَوۡفَ : عنقریب	اَسۡتَغۡفِرُ : مَیں مغفرت مانگوں گا
لَكُمۡ : تم لوگوں کے لیے	رَبِّیۡ : اپنے رب سے
اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ : بے شک وہ ہی بخشنے والا ہے	الرَّحِيۡمُ : رحم کرنے والا ہے

آیات ۹۹ تا ۱۰۱

﴿فَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰى يُوۡسُفَ اٰوٰۤى اِلَيۡهِ اَبَوَيۡهِ وَقَالَ ادۡخُلُوۡا مِصۡرَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ ﴿۹۹﴾
وَرَفَعَ اَبَوَيۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِيۡلُ رُءۡيَاىَ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ
جَعَلَهَا رَبِّىۡ حَقًّا ؕ وَقَدۡ اَحۡسَنَ بِىۡۤ اِذۡ اَخۡرَجَنِىۡ مِنَ السِّجۡنِ وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ مِنۡ
بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّيۡطٰنُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَ اِخۡوَتِىۡ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَطِيۡفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ
الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدۡ اٰتَيۡتَنِىۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَعَلَّمۡتَنِىۡ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِىۡ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِىۡ بِالصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾﴾

ترکیب

(آیت ۹۹) مِصۡرَ غیر منصرف آیا ہے اس لیے اس سے مراد ملک مصر ہے۔ دیکھیں البقرۃ:۶۱ مادہ ”م ص ر“۔ (آیت ۱۰۰) مِنۡ قَبۡلُ کے آگے رءۡيَتُهَا محذوف ہے۔ (آیت ۱۰۱) فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ میں فَاطِرَ کی نصب منادیٰ مضاف ہونے کی وجہ سے ہے‘ یعنی اس سے پہلے حرفِ ندا ”یا“ محذوف ہے۔

ترجمہ:

فَلَمَّا : پھر جب	دَخَلُوۡا : وہ لوگ داخل (حاضر) ہوئے
عَلٰى يُوۡسُفَ : یوسفؑ پر	اٰوٰۤى اِلَيۡهِ : تو انہوںؑ نے جگہ دی اپنے پاس
اَبَوَيۡهِ : اپنے والدین کو	وَقَالَ : اور انہوںؑ نے کہا

اُدْخُلُوْا : آپ لوگ داخل ہوں

مِصْرَ : ملکِ مصر میں

اِنْ شَآءَ اللّٰہُ : اگر چاہا اللہ نے (تو)

اٰمِنِیْنَ : امن میں ہونے والے ہوتے ہوئے

وَرَفَعَ : اور انہوںؑ نے بلند کیا

اَبَوَیْہِ : اپنے والدین کو

عَلَی الْعَرْشِ : تخت پر

وَخَرُّوْا لَہٗ : اور وہ لوگ گر پڑے انؑ کے لیے

سُجَّدًا : سجدہ کرنے والے ہوتے ہوئے

وَقَالَ : اور انہوںؑ نے کہا

یٰۤاَبَتِ : اے میرے والد

ھٰذَا : یہ ہے

تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ : میرے خواب کی تعبیر

مِنْ قَبْلُ : اس سے پہلے (جو مَیں نے دیکھا)

قَدْ جَعَلَھَا : بنا دیا ہے اس کو

رَبِّیْ حَقًّا : میرے رب نے سچ

وَقَدْ اَحْسَنَ : اور اس نے احسان کیا ہے

بِیْۤ : مجھ پر

اِذْ اَخْرَجَنِیْ : جب اُس نے نکالا مجھ کو

مِنَ السِّجْنِ : قید خانہ سے

وَجَآءَ بِکُمْ : اور وہ لایا آپ لوگوں کو

مِّنَ الْبَدْوِ : گاؤں سے

مِنْ بَعْدِ اَنْ : اس کے بعد کہ

نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ : ناچاقی ڈالی شیطان نے

بَیْنِیْ : میرے درمیان

وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ : اور میرے بھائیوں کے درمیان

اِنَّ رَبِّیْ : بے شک میرا رب

لَطِیْفٌ : غیر محسوس تدبیر کرنے والا ہے

لِّمَا یَشَآءُ : اُس کی جو وہ چاہتا ہے

اِنَّہٗ : بے شک وہ

ھُوَ الْعَلِیْمُ : ہی جاننے والا ہے

الْحَکِیْمُ : حکمت والا ہے

رَبِّ : اے میرے رب

قَدْ اٰتَیْتَنِیْ : تُو نے دیا ہے مجھ کو

مِنَ الْمُلْکِ : حکومت میں سے

وَعَلَّمْتَنِیْ : اور تُو نے علم دیا مجھ کو

مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ : خوابوں کی تعبیر میں سے

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : اے زمین اور آسمانوں کو وجود بخشنے والے

اَنْتَ وَلِیّٖ : تُو میرا کارساز ہے

فِی الدُّنْیَا : دنیا میں

وَالْاٰخِرَۃِ : اور آخرت میں

تَوَفَّنِیْ : تُو وفات دے مجھ کو

مُسْلِمًا : فرمانبردار ہوتے ہوئے

وَّاَلْحِقْنِیْ : اور تُو ملا دے مجھ کو

بِالصّٰلِحِیْنَ : صالح لوگوں کے ساتھ

نوٹ: بائبل کا بیان ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کے جو افراد مصر گئے وہ ۶۷ تھے۔ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر ۱۳۰ سال تھی اور اس کے بعد وہ مصر میں ۱۷ سال زندہ رہے۔ پھر جب تقریباً پانچ سو سال کے بعد وہ لوگ مصر سے نکلے تو لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ بائبل میں ہے کہ خروج کے بعد دوسرے سال صحرائے سینا

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی جو مردم شماری کرائی تھی اس میں صرف قابلِ جنگ مَردوں کی تعداد ۶,۱۳,۵۵۱ تھی۔اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت، مرد، بچے سب ملا کر وہ کم از کم بیس لاکھ ہوں گے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی حساب سے پانچ سو سال میں ۶۸ آدمیوں کی اتنی اولاد ہوسکتی ہے؟اس سوال پر غور کرنے سے ایک اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ظاہر بات ہے کہ پانچ سو سال میں ایک خاندان تو اتنا نہیں بڑھ سکتا۔لیکن بنی اسرائیل پیغمبروں کی اولاد تھے۔حضرت یوسفؑ خود بھی پیغمبر تھے اور چار پانچ صدی تک اقتدار انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہا۔اس دوران یقیناً انہوں نے مصر میں اسلام کی تبلیغ کی ہوگی۔اہل مصر میں سے جو لوگ اسلام لائے ہوں گے ان کا مذہب ہی نہیں بلکہ ان کا پورا طرزِ زندگی غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے ہم رنگ ہو گیا ہوگا۔مصریوں سے وہ سب ایسے ہی الگ ہو گئے ہوں گے جیسے ہندوستان میں ہندی مسلمان ہندوؤں سے الگ ہیں۔ان کے اوپر اسرائیلی کا لفظ اسی طرح چسپاں کر دیا گیا ہوگا جس طرح غیر عرب مسلمانوں پر ''محمڈن'' کا لفظ آج چسپاں کیا جاتا ہے۔اور وہ خود بھی دینی وتہذیبی روابط اور شادی بیاہ کے تعلقات کی وجہ سے غیر مسلم مصریوں سے کٹ کر بنی اسرائیل سے وابستہ ہو کر رہ گئے ہوں گے۔پھر جب مصر میں قوم پرستی کا طوفان اٹھا تو مظالم صرف بنی اسرائیل ہی پر نہیں ہوئے بلکہ مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ لپیٹ لیے گئے۔اور جب بنی اسرائیل نے ملک چھوڑا تو مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ نکلے۔

ہمارے اس قیاس کی تائید بائبل کے متعدد اشارات سے ہوتی ہے۔مثلاً ''خروج'' میں جہاں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا حال بیان ہوا ہے، بائبل کا مصنف کہتا ہے کہ ''ان کے ساتھ ایک ملی جلی گروہ بھی گئی'' (۳۸:۱۲)۔اسی طرح ''گنتی'' میں وہ پھر کہتا ہے کہ ''جو ملی جلی بھیڑ ان لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کی حرص کرنے لگی'' (۴:۱۱)۔پھر بتدریج ان غیر اسرائیلی مسلمانوں کے لیے اجنبی اور پردیسی کی اصطلاحیں استعمال ہونے لگیں۔چنانچہ توراۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو احکام دیے گئے ان میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے کہ ''تمہارے لیے اور اُس پردیسی کے لیے جو تم میں رہتا ہے نسل در نسل سدا ایک ہی آئین رہے گا۔خداوند کے آگے پردیسی بھی ویسے ہی ہوں جیسے تم ہو۔تمہارے لیے اور پردیسیوں کے لیے جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں ایک ہی شرع اور ایک ہی قانون ہو (گنتی ۱۵:۱۵۔۱۶)۔''جو شخص بے باک ہو کر گناہ کرے خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی وہ خداوند کی اہانت کرتا ہے۔وہ شخص اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے گا (گنتی ۱۵:۳۰)۔''خواہ بھائی بھائی کا معاملہ ہو یا پردیسی کا تم ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرنا'' (استثنا:۱:۱۶)

اب یہ تحقیق کرنا مشکل ہے کہ کتابِ الٰہی میں غیر اسرائیلیوں کے لیے وہ اصل لفظ کیا استعمال کیا گیا تھا جسے ترجمہ کرنے والوں نے ''پردیسی'' بنا کر رکھ دیا۔(تفہیم القرآن)

آیات ۱۰۲ تا ۱۰۸

﴿ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ۚ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ وَهُمۡ
يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسۡـَٔلُهُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ؕ
اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَهُمۡ
عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوۡۤا اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ
غَاشِيَةٌ مِّنۡ عَذَابِ اللّٰهِ اَوۡ تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ
اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾﴾

ترکیب

(آیت ۱۰۲) نُوۡحِيۡهِ کی ضمیر مفعولی ذٰلِكَ کے لیے ہے۔ اگر اَنۡۢبَآءِ کے لیے ہوتی تو ھَا کی ضمیر آتی۔ اَجۡمَعُوۡۤا میں شامل هُمۡ کی ضمیر فاعلی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے لیے ہے۔ (آیت ۱۰۵) اَیٌّ پر حرف جار ''كَ'' داخل ہوا تو یہ كَاَيٍّ ہے جسے نونِ تنوین ظاہر کر کے كَاَيِّنۡ لکھا گیا ہے اور یہ كَمۡ خبریہ کا ہم معنی ہے۔ فرق یہ ہے کہ كَمۡ خبریہ مِنۡ کے ساتھ بھی آتا ہے اور مِنۡ کے بغیر بھی جبکہ كَاَيٍّ عام طور پر مِنۡ کے ساتھ آتا ہے۔ (آیت ۱۰۸) ایک امکان یہ ہے کہ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ کو اَدۡعُوۡۤا کا حال مانا جائے۔ ایسی صورت میں اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ کو اَدۡعُوۡۤا کی وضاحت مانا جائے گا۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ کو مبتدأ مؤخر اور عَلٰى بَصِيۡرَةٍ کو اس کی قائم مقام خبر مقدم مانا جائے۔ دونوں طرح کے ترجمے درست تسلیم کیے جائیں گے۔ ہم پہلے امکان کو ترجیح دیں گے۔

ترجمہ:

ذٰلِكَ : یہ	مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ : غیب کی خبروں میں سے ہے
نُوۡحِيۡهِ : ہم وحی کرتے ہیں اس کو	اِلَيۡكَ : آپؐ کی طرف
وَمَا كُنۡتَ : اور آپؐ نہیں تھے	لَدَيۡهِمۡ : اُن کے پاس
اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا : جب ان لوگوں نے اتفاق کیا	اَمۡرَهُمۡ : اپنے کام پر
وَهُمۡ : اس حال میں کہ وہ لوگ	يَمۡكُرُوۡنَ : خفیہ تدبیر کر رہے تھے
وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ : اور نہیں ہے لوگوں کی اکثریت	وَلَوۡ حَرَصۡتَ : اور اگرچہ آپؐ شدید خواہش کریں
بِمُؤۡمِنِيۡنَ : ایمان لانے والے	وَمَا تَسۡـَٔلُهُمۡ : اور آپؐ نہیں مانگتے ان سے
عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ : اس پر کوئی بھی معاوضہ	اِنۡ هُوَ اِلَّا : نہیں ہے یہ مگر
ذِكۡرٌ : ایک یاددہانی	لِّلۡعٰلَمِيۡنَ : تمام جہانوں کے لیے
وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ : اور کتنی ہی نشانیاں	فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ : آسمانوں اور زمین میں ہیں

يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا : یہ لوگ گزرتے ہیں جن پر سے	وَهُمْ عَنْهَا : اس حال میں کہ وہ لوگ ان سے
مُعْرِضُوْنَ : اعراض کرنے والے ہوتے ہیں	وَمَا يُؤْمِنُ : اور ایمان نہیں لاتے
اَكْثَرُهُمْ : ان کے اکثر	بِاللّٰهِ : اللہ پر
اِلَّا وَهُمْ : مگر اس حال میں کہ وہ لوگ	مُّشْرِكُوْنَ : شرک کرنے والے ہوتے ہیں
اَفَاَمِنُوْٓا : تو کیا وہ لوگ امن میں ہو گئے	اَنْ تَاْتِيَهُمْ : (اس سے) کہ پہنچے ان کے پاس
غَاشِيَةٌ : کوئی چھا جانے والی (آفت)	مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ : اللہ کے عذاب میں سے
اَوْ تَاْتِيَهُمُ : یا پہنچے ان کے پاس	السَّاعَةُ : وہ گھڑی (یعنی قیامت)
بَغْتَةً : بے گمان (اچانک)	وَّهُمْ : اس حال میں کہ وہ لوگ
لَا يَشْعُرُوْنَ : شعور نہ رکھتے ہوں	قُلْ : آپؐ کہہ دیجیے
هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ : یہ میرا راستہ ہے	اَدْعُوْٓا : میں بلاتا ہوں
اِلَى اللّٰهِ : اللہ کی طرف	عَلٰى بَصِيْرَةٍ : عام فہم دلیل (کی بنیاد) پر
اَنَا : مَیں (بھی)	وَمَنِ : اور وہ (بھی) جس نے
اتَّبَعَنِيْ : پیروی کی میری	وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ : اور پاکی اللہ کی ہے
وَمَآ اَنَا : اور مَیں نہیں ہوں	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ : شرک کرنے والوں میں سے

نوٹ ۱ : آیت ۱۰۶ میں ہے کہ اکثر لوگ اللہ پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بھی کرتے ہیں۔ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس آیت کے مفہوم میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جو ایمان کے باوجود مختلف قسم کے شرک میں مبتلا ہیں۔ ایک حدیث میں غیر اللہ کی قسم کھانے کو شرک فرمایا (بحوالہ ترمذی)۔ ریاء کو بھی شرکِ اصغر فرمایا (بحوالہ مسند احمد)۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے نام کی منت اور نیاز ماننا بھی باتفاقِ فقہاء اس میں داخل ہے۔ (منقول از معارف القرآن)

مذکورہ مسلمانوں کے علاوہ اس آیت میں بہت سے دیگر مذاہب کے لوگ بھی شامل ہیں‘ کیونکہ تمام مذاہب میں اس کائنات کی ایک خالق اور مالک ہستی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ قریش مکہ بھی اللہ کو تو مانتے تھے‘ البتہ اس کے ساتھ پھر دوسروں کو شریک کرتے تھے (ترجمہ قرآن کیسٹ)۔ حافظ احمد یار صاحب مرحوم کی اس بات کو مزید سمجھنے کے لیے البقرۃ: ۶۲‘ نوٹ ۱ کو دوبارہ دیکھ لیں۔

نوٹ ۲ : آیت ۱۰۸ میں وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور ہر وہ شخص شامل ہے جو قیامت تک رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کی خدمت میں مشغول ہو۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا دعویٰ کرے اس پر لازم ہے کہ وہ آپؐ کی دعوت کو لوگوں میں پھیلائے اور قرآن کی تعلیم کو عام کرے (معارف القرآن)۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہر شخص کی ذمہ داری اور جواب دہی اس کے ظروف و احوال اور استعداد کے مطابق ہوگی۔

آیات ۱۰۹ تا ۱۱۱

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی ؕ اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی
الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ
اتَّقَوۡا ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا جَآءَهُمۡ
نَصۡرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنۡ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدۡ کَانَ فِیۡ
قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَلٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ
یَدَیۡهِ وَتَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ وَّهُدًی وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

ترکیب:

(آیت ۱۱۰) اَلرُّسُلُ کے بعد مِنۡهُمۡ محذوف ہے۔ وَظَنُّوۡا میں هُمۡ کی ضمیر فاعلی اَهۡلِ الۡقُرٰی یعنی رسولوں کے اُمتیوں کے لیے ہے جبکہ جَآءَهُمۡ میں هُمۡ کی ضمیر رسولوں کے لیے ہے۔ (آیت ۱۱۱) لَقَدۡ کَانَ میں کَانَ کا اسم عِبۡرَةٌ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور فِیۡ قَصَصِهِمۡ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مَا کَانَ کا اسم اس میں هُوَ کی ضمیر ہے اور حَدِیۡثًا اس کی خبر ہے۔ تصدیق سے پہلے کَانَ محذوف ہے اور تَصۡدِیۡقَ اس کی خبر ہونے کی وجہ سے حالتِ نصب میں ہے۔ جبکہ تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ، هُدًی، رَحۡمَةً یہ سب بھی اسی کَانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے حالتِ نصب میں ہیں۔

ترجمہ:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا : اور نہیں بھیجا ہم نے	مِنۡ قَبۡلِكَ : آپؐ سے پہلے
اِلَّا رِجَالًا : مگر کچھ ایسے مردوں کو	نُّوۡحِیۡۤ : ہم وحی کرتے تھے
اِلَیۡهِمۡ : جن کی طرف	مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی : بستیوں والوں میں سے
اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا : تو کیا ان لوگوں نے سیر نہیں کی	فِی الۡاَرۡضِ : زمین میں
فَیَنۡظُرُوۡا : تا کہ وہ دیکھتے	کَیۡفَ کَانَ : کیسا تھا
عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ : ان لوگوں کا انجام جو	مِنۡ قَبۡلِهِمۡ : ان سے پہلے تھے
وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ : اور یقیناً آخرت کا گھر	خَیۡرٌ : بہترین ہے ان کے لیے
لِّلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا : جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا	اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ : تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟
حَتّٰۤی : یہاں تک کہ	اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ : جب مایوس ہوئے
الرُّسُلُ : رسول (لوگوں سے)	وَظَنُّوۡۤا : اور لوگوں نے گمان کیا

اَنَّهُمۡ : کہ ان سے

قَدۡ کُذِبُوۡا : جھوٹ کہا گیا ہے

جَآءَهُمۡ : تو آئی اُن (رسولوں) کے پاس

نَصۡرُنَا : ہماری مدد

فَنُجِّیَ : پھر بچا لیا گیا

مَنۡ نَّشَآءُ : اُس کو جس کو ہم نے چاہا

وَلَا یُرَدُّ : اور لوٹائی نہیں جاتی

بَاۡسُنَا : ہماری سختی

عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ : جرم کرنے والے لوگوں سے

لَقَدۡ کَانَ : یقیناً ہو چکی ہے

فِیۡ قَصَصِهِمۡ : ان لوگوں کا قصہ سنانے میں

عِبۡرَةٌ : ایک عبرت

لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ : خالص (غیر متعصب) عقل والوں کے لیے

مَا کَانَ حَدِیۡثًا : یہ نہیں ہے کوئی ایسی بات جو

یُّفۡتَرٰی : گھڑی گئی

وَلٰکِنۡ : اور لیکن

تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ : (یہ ہے) تصدیق کرنا اُسی کی جو

بَیۡنَ یَدَیۡهِ : اس سے پہلے ہے

وَتَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ : اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنا ہے

وَّهُدًی وَّرَحۡمَةً : اور ہدایت اور رحمت

لِّقَوۡمٍ : ایسے لوگوں کے لیے جو

یُّؤۡمِنُوۡنَ : ایمان لاتے ہیں

نوٹ ۱ : آیت ۱۰۹ سے معلوم ہوا کہ نبوت خواتین میں نہیں رہی۔ اس کی وضاحت المائدۃ: ۵:۷۵ ‘نوٹ ۲ میں کی جا چکی ہے۔

نوٹ ۲: آیت ۱۱۱ میں تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ کا مطلب ہے ہر اُس چیز کی تفصیل جو انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ضروری ہو۔ بعض لوگ اس سے دنیا بھر کی چیزوں کی تفصیل مراد لے لیتے ہیں‘ پھر ان کو یہ پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ قرآن میں دوسرے علوم وفنون کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ (تفہیم القرآن)

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت‘ اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

ایمان اور علم کے درمیان تعلق کا مسئلہ

کلامی روایت کی روشنی میں

مکرم محمود

ایمان اور علم کے درمیان تعلق کا مسئلہ ایک ایسا اساسی مسئلہ ہے کہ جس کے صحیح فہم کے مفقود ہونے کے باعث بہت سے نظری مسائل جنم لیتے ہیں جو دور رس فکری نتائج رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان تعلق کی اگر اپنی روایت کی روشنی میں حقیقی معرفت حاصل ہو جائے تو بہت سے نظری مسائل پیدا ہی نہ ہوں۔ اگر علم اور ایمان کی تعریفات اپنی کلامی روایت سے اخذ کی جائیں تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان میں فرق ضرور ہے مگر یہ فرق نہ تضاد کا ہے اور نہ تباین کا اور نہ ہی یہ ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ ان میں فرق کے باوجود ایک تعلق پایا جاتا ہے۔ ان کی باہمی یکجائی نہ صرف ممکن ہے بلکہ کمالِ ایمان کے لیے مطلوب بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ علم اور ایمان کی تعریفات اور ان کے تعلق یا عدم تعلق کے مبحث کو اگر موضوع بحث بنایا گیا ہے تو کلامی روایت ہی میں بنایا گیا ہے لہٰذا اس مسئلے میں روایتی موقف کی معرفت کے لیے ائمۂ متکلّمین کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا[1]۔ اس کو کُلّی طور پر نظر انداز کر کے اس موضوع کو زیرِ بحث لانا درحقیقت اپنے زمانے کے معیارات اور تعریفات کو ہی حتمی تسلیم کر لینا ہے۔

یہ مغربی استعمار کی آفاقیت کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے کہ ہمارے مستعمَر دماغ علوم' مواقف' موضوعات اور عمل کا تعین مغربی جدلیات کے دائرے میں کرتے ہیں۔ گویا اس بات کو وہ ممکن بنا دیتے ہیں کہ تمام علمیتوں اور عمل کو جدید جدلیات کے دائرے میں سمو لیا جائے۔ جدید علمیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری دینی روایت کے داخلی موضوعات جو اپنی ایک الگ جدلیات رکھتے ہیں اور بڑے بحث مباحثے' قیل و قال کے بعد ایک واضح موقف کی صورت میں سامنے آتے ہیں' ان کو جدید جدلیاتی فکر و عمل کے بہاؤ کا حصہ بنا دیا جائے اور پھر جو بھی موقف

(۱) اس مبحث کا بہت گہرا تعلق عقل و نقل یا عقل و وحی کے درمیان تعلق کی بحث سے بھی ہے۔ یہ ایک بالکل الگ موضوع ہے جس پر یہاں تفصیل سے بات نہیں کی جا سکتی لیکن ایک اصولی بات یہ ہے کہ عقلِ صریح (جدید عقل نہیں جو اپنی ماہیت میں عقل عملی ہے) اور نقل صحیح میں جیسے کسی قسم کے تضاد کا کوئی امکان نہیں ہے اسی طرح اصولاً علم (گمان' شک اور جہالت کو علم کا نام دینے سے قطع نظر) اور ایمان میں بھی نسبتِ تضاد نہیں ہے۔ عقل و نقل میں بظاہر جو تضاد پیدا ہوتا ہے متکلّمین کے نزدیک وہ قطعیت اور ظنیت کے درمیان ہوتا ہے نہ کہ عقل و نقل میں۔ امام غزالی نے الاقتصاد فی الاعتقاد (القطب الرابع' الباب الثانی) میں اور امام رازی نے اساس التقدیس (القسم الثانی' الفصل الثانی والثلاثون' اس کا ترجمہ ضمیمہ میں دیا جا رہا ہے) میں صراحت کے ساتھ اس مسئلے کو بیان کیا ہے۔

اور نظریہ ہو وہ وہیں سے برآمد ہو۔ ہماری اپنی داخلی تناظر میں کی گئی بحث اور اس کے حاصلات کو لایعنی اگر نہ بھی کہہ سکیں تو غیر متعلق ضرور قرار دے دیا جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں بھی اکثر اس بحث کو موضوع بناتے ہوئے جدید علمی مباحث اور ان کے نتائج کو مکمل طور پر شعوری یا لاشعوری انداز میں اپنا لیا جاتا ہے۔ اگر پہلے اس بات کی تصریح کر دی جائے کہ گفتگو جدید علم کے سیاق و سباق میں ہو رہی ہے تو پھر شاید اتنا مسئلہ نہ ہو' لیکن اگر علم اور ایمان کے تعلق کو مطلقاً زیرِ بحث لایا جائے اور پھر ہماری اپنی روایت میں اس مبحث کو کیسے برتا گیا ہے' ان کے تعلق کو کس طریقے پر بیان کیا گیا ہے اور اس کے کیا فکری نتائج سامنے آتے ہیں ان کو جاننے کی کوشش ہی نہ کی جائے یا ان کا بالکل تذکرہ ہی نہ کیا جائے تو یہ مناسب طرزِ فکر و نظر نہیں ہے۔

اس بات کا تعین بھی اس موضوع کو زیر بحث لانے سے پہلے ضروری ہوتا ہے کہ علم کی تعریف کہاں سے اخذ کی جا رہی ہے۔ مثلاً علم کی تعریف کارل پاپر سے لی جا رہی ہے یا امام غزالی سے؟ اگر تو کارل پاپر سے لی جا رہی ہے اور علم سے مراد سائنسی علم لیا جا رہا ہے تو یقیناً علم اور ایمان میں ایک ایسی مطلق دوئی ہے جس کو کبھی کسی صورت ختم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر علم کی تعریف اپنی کلامی روایت سے لی جائے گی تو بحث کا پورا دروبست تبدیل ہو جائے گا اور علم و ایمان میں تفریق برقرار رہتے ہوئے ان کے درمیان تعلق کا پورا ایک نیا سیاق و سباق سامنے آ جائے گا۔ دراصل ماقبل تصریح اور تحدید کے بغیر علم اور ایمان کو قطعی طور پر الگ قرار دینا ہماری روایت میں پائے جانے والی اس بحث اور اس کے حاصلاتی موقف سے عدم واقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ علم اور ایمان کے مباحث علمِ عقیدہ اور کلام ہی سے متعلق ہیں یعنی ہماری روایت میں اگر کوئی اس کو علمی مبحث کی حیثیت سے زیر بحث لایا ہے تو وہ متکلمین کا ہی گروہ ہے۔ ان کے ہاں اس بحث کے کیا مقدمات اور نتائج ہیں ان سے واقفیت بہم پہنچانا ضروری ہے' ورنہ بہت دور رس فکری لغزشیں سرزد ہو سکتی ہیں۔

ہمارے روایتی کلامی موقف سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ علم اور ایمان میں ایک امتیاز کے ہونے کے ساتھ ساتھ ایک تعلق بھی ہے جو ماورائی وحدت کو ظاہر کرتا ہے۔ حق کا ظہور اسی ماورائی وحدت میں ہوتا ہے یعنی ان میں امتیازات کے باوجود مشترکات بھی ہیں جہاں پر یہ ایک ہو جاتے ہیں۔ علم اور ایمان کا کسی درجہ پر بھی ایک نہ ہو سکنا باطل کے باطل ہونے کا سبب ہے۔ باطل اسی لیے تو باطل ہے کہ وہ کوئی حُجت و بُرہان نہیں رکھتا اور حقیقت کے بالکل غیر مطابق ہے۔ باطل نہ تو انسان کی شعوری ساخت سے کوئی مناسبت رکھتا ہے اور نہ خارجی حقیقت سے۔ علم اور ایمان کی اس ایک گونہ یکجائی کو اگر تسلیم نہ کیا جائے تو احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی کوئی ٹھوس بنیاد باقی نہیں رہتی۔ جدیدیت کے اثر سے بنیادوں کے ٹھوس نہ ہونے کے ہم قائل ہو چکے ہیں۔ اب علم کبھی قطعی نہیں ہوتا اور ایمان بس انسانی جذبہ اور ارادے کا اظہار ہے۔ یعنی ایک act of will ہے جس میں اصل چیز انسانی ارادہ ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایمان کا ارادہ تو کسی قضیہ یا مفروضہ کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔ کسی خاص قضیے یا مفروضے پر ایمان کا ارادہ اور باقی قضایا کو باطل قرار دینا' اس کی بنیاد کیا ہو گی؟ یعنی اس کا تعین کیسے ہو گا کہ کیا حق ہے اور کیا باطل؟ کیا اس کا تعین انسانی ارادہ ہی کرے گا؟ بعض حضرات اس کا جواب ہاں میں دیتے ہیں اور اسی کو انسان

کے لیے آزمائش اور بنائے امتحان قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کا خطرناک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عقیدہ یا ایمان کے لیے کوئی معروضی بنیاد نہیں رہتی اور یہ صرف انسان کا ارادی فیصلہ رہ جاتا ہے۔

بعض لوگ اس نتیجہ کو قبول کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں لیکن جب گفتگو کی جائے اور پوچھا جائے کہ اس موقف کا لازمی نتیجہ یہی ہے تو اس تلازم کے رشتے کا انکار آپ کس بنیاد پر کر رہے ہیں تو کوئی جواب نہ پاتے ہوئے اِدھر اُدھر کی کہنے لگتے ہیں اور کوئی واضح موقف اختیار نہیں کر پاتے' یا یہ کہنے لگتے ہیں کہ بہت سے دلائل کا مجموعی اثر انسان پر یہ ہوگا کہ اس کے لیے کسی ایک خاص قضیہ پر ایمان کا ارادہ کرنا آسان ہو جائے۔ یہ بات اگرچہ قرینِ صواب ہے لیکن ان کے موقف کے مطابق دلائل تو علم کے دائرے کی چیز ہیں' علم کبھی قطعی نہیں ہوتا اور ایمان اور علم میں ایسی دوئی یا تفریق ہے جس کو کسی درجہ یا سطح پر بھی ختم نہیں کیا جا سکتا' تو بات پھر بالآخر انسانی ارادے پر ہی آ کر ختم ہوتی ہے۔ بعض لوگ تو سرے سے ایمان کے محتوی (content) کے حوالے سے دلائل کی اہمیت ہی کے انکاری ہیں اور ایمانی چھلانگ (leap of faith) کے قائل ہیں۔ بعض حضرات دلائل کی اہمیت کے قائل تو ہیں مگر ان کو یقینی اور قطعی نہیں سمجھتے بلکہ probable اور ترجیحی قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی محتوی یا قضیہ پر قطعی یا یقینی دلائل قائم ہو جائیں تو پھر اسی کو مان لینا یا اس پر ایمان لانا ضروری ہو جائے گا اور اگر ایسا ہو جائے تو پھر انسان مکلّف کس بات کا ہوگا یا پھر اس کا امتحان کیا رہ جائے گا؟ اس صورت میں تو اس کے پاس ایمان نہ لانے کی گنجائش ہی نہیں رہے گی۔ یہ محض ایک مغالطہ ہے اور اس بحث کو روایتی کلامی تناظر میں نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ کسی قضیہ پر یقینی دلائل کا قائم ہو جانا اور نفس کا اس کو مان لینا اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا دو بالکل الگ مظاہر ہیں۔ انسان صرف عقل تو ہے نہیں' جبلتیں' جذبات اور خواہشات اس کے خمیر میں گندھی ہوئی ہیں۔ ان سب کو حق کے تابع کر دینا ہی تو انسان کا امتحان ہے۔ بہرحال ایمان اور علم کے معانی جب تک اپنے روایتی علوم سے اخذ نہ کیے جائیں اور اس تناظر میں ان کے بیچ ما بہ الامتیاز اور ما بہ الاشتراک کا صحیح تعین نہ ہو جائے اس طرح کے مغالطوں سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔

آیئے اس مسئلے کو امام غزالی کے کلام سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امام صاحب کے حوالے سے اس مبحث کو سمجھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نہ صرف متکلّمین بلکہ صوفیاء کے بھی امام ہیں۔ مجمع البحرین ہونے کی حیثیت سے آپ کی بات کی وقعت و اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ اس میں ایک اور تناظر بھی ہے کہ حضراتِ صوفیاء کی باتوں سے کچھ ایسا تاثر پیدا ہوتا ہے یا ان کے اقوال سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے ہاں فکر و نظر اور انسانی عقل و شعور کی حرکت کی تنقیص کی جاتی ہے۔ نارسائی اور ناطاقتی کو عقل و شعور کی ماہیت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے اور ان میں موجود قبولیت کے مادہ پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کو کچھ حضرات عدم قطعیت اور عدم معروضیت کے مابعد جدید موقف سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور علم میں قطعیت اور جزم کے نہ ہونے پر صوفیانہ روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ صوفیاء کی وہ باتیں فی نفسہٖ درست ہیں لیکن ان کا محل اور سیاق و سباق بالکل مختلف ہے۔ وہاں تقابل وجدان' باطنی اذعان و کشف اور عقل و علومِ عقلیہ کے بیچ میں ہے۔ صوفیاء کے ہاں چونکہ باطن پر زیادہ توجہ

ہے اس لیے وہ ان پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ صوفیاء کے ہاں نظر و فکر سے معروضی علم حاصل ہوتا ہے لیکن وہ ایک مرتبہ وجود تک محدود ہے۔ کشف و وجدان کی رسائی اگلے مراتب تک بھی ہے۔ اس بحث کا تعلق ان کی جودیات یا علم الوجود سے ہے جو اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہاں نظر و فکر یا دلائل عقلیہ کی اہمیت کا انکار نہیں بلکہ وہ عرفان و کشف کو ایک بڑا دائرہ فرض کرتے ہوئے نظر و فکر کو اس میں ایک چھوٹے دائرے کی حیثیت دیتے ہیں اور اس طرح اس کی محدودیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب' امام غزالی نے اپنی کتاب ''المستصفی من علم الاصول'' کے شروع میں ایک طویل مقدمہ منطق پر لکھا ہے اور کہا ہے کہ کتاب کو سمجھنے کے لیے اس مقدّمہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ امام صاحب ''الفصل الثانی فی دعامة الحد'' میں کسی بھی شئے کی حد (تعریف تام) پر بحث کرتے ہیں۔ علم کی حد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک مشترک اسم ہے' اس کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے اور ہر ایک کی حد اسی حساب سے مقرر کی جائے گی۔ علم کی بہت سی تعریفات بیان کی گئی ہیں لیکن امام صاحب کہتے ہیں کہ علم کی کوئی حد تام مقرر کرنا مشکل ہے' اس لیے ایک اسلوب یہ ہو سکتا ہے کہ ایجابی راہ پر چلنے کے بجائے سلبی طریقے سے علم کو بیان کیا جائے' یعنی یہ بتایا جائے کہ علم کیا کیا نہیں ہے' کیونکہ علم کو کچھ اور معانی کے ساتھ ملتبس کر دیا جاتا ہے حالانکہ درحقیقت وہ ان سے مختلف ہے۔

علم جو ہے وہ ارادہ' قدرت اور باقی تمام صفاتِ نفس سے واضح طور پر متمیز ہے۔ اسی طرح علم نہ شک ہے اور نہ ظن ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علم' شک' ظن اور وہم انسانی نفس اور قضیہ خبریہ کے درمیان تعلق کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک قضیہ کا حصول انسانی نفس میں ہو اور اس کے درست اور غلط ہونے کے امکانات برابر ہوں تو اسے شک کہا جاتا ہے۔ اگر غلط ہونے کے امکانات زیادہ ہوں تو وہم کہلاتا ہے اور اگر درست ہونے کے غالب امکان ہوں تو ظنِ غالب۔ ان میں سے کوئی بھی علم نہیں ہے بلکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ: العلم عبارة عن امرٍ جزمٍ لا تردّد فیھا ولا تجویز یعنی علم قطعی اور یقینی امر ہے' اس میں شک اور امکان کا کوئی گزر نہیں۔ (یہاں آپ علم کی جدید تعریف کہ ''علم کبھی قطعی نہیں ہوتا'' اور اس تعریف میں ایک واضح نسبتِ تضاد ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ہمارے روایتی تصوّرِ علم کو epistemology of certitude (ایقانی علمیت) کہا جا سکتا ہے جبکہ جدید تصوّرِ علم epistemology of doubt and probabilities (ریبی علمیت) ہے' اس لیے بعض اہلِ نظر کا یہ کہنا ہے کہ اس وقت کا ایک بڑا مسئلہ علمیاتی بحران epistemological crisis کا ہے۔)

چنانچہ ارادہ' قدرت اسی طرح باقی صفاتِ نفس' ظن' شک اور وہم سے علم کا متمیز ہونا تو واضح ہے' لیکن امام صاحب کہتے ہیں کہ علم اور اعتقاد (امام صاحب اعتقاد کا لفظ استعمال کرتے ہیں مگر وہ ایمان ہی کے معانی میں ہے) میں قربت کی وجہ سے لوگوں کو ایک التباس ہو جاتا ہے کہ یہ ایک ہیں حالانکہ یہ ایک نہیں ہیں۔ ہاں ان میں مشترکات ضرور ہیں۔ ان کے مابین ما بہ الاشتراک یہ ہے کہ دونوں میں ایسے قضیہ جس میں کسی بات کی خبر دی جا رہی ہو' کا نفسِ انسانی میں حصول سو فیصد ہوتا ہے' یعنی دونوں میں نفس کی جانب سے قطعیت اور یقینیت پائی جاتی

ہے۔ اسی لیے معتزلہ اس التباس کا شکار ہوئے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور انہوں نے اس التباس کی بنیاد پر دونوں کو ایک قرار دے دیا۔

ان دونوں میں ایک فرق تو یہ ہے کہ اعتقاد خلافِ واقعہ یا خلافِ حقیقت بھی ہوسکتا ہے یا کہہ لیں کہ بلا دلیل بھی ہوسکتا ہے' لیکن علم مطابقِ معلوم ہوتا ہے (یہاں معلوم سے مراد خارجی شئے ہے نہ کہ اس کا ذہنی تصوّر)۔ یعنی اعتقاد تو مقلد کو بھی حاصل ہوتا ہے لیکن اس کو ان معتقدات کا عالم نہیں کہا جا سکتا۔ مقلد ایمان یا اعتقاد کے محتوی کو تلقین یا تقلید سے حاصل کر لیتا ہے اور اس پر وہ جازم بھی ہوتا ہے' اسے نہ کوئی شک ہوتا ہے نہ تردّد اور نہ احتمالِ نقیض ہوتا ہے لیکن وہ صاحبِ علم نہیں ہوتا۔

علم اور جہل میں بھی یہ فرق ہے کہ جہل میں بھی نفس کی جانب سے قطعیت اور یقین پایا جاتا ہے لیکن وہ معلوم کے خلاف ہوتا ہے۔ ان معنوں میں اعتقاد از قسم جہل (اصطلاحی معنوں میں) ہے کہ معلوم کے تغیر سے اعتقاد میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی' جبکہ علم معلوم کے تغیر سے لازماً متغیر ہوتا ہے' کیونکہ علم ہے ہی کشف و انشراح۔ یہ بنیادی طور پر علم و ایمان کا مابہ الامتیاز ہے۔ اس سے پہلے ہم ان کا مابہ الاشتراک متعین کر چکے ہیں اور وہ ہے دونوں کا نفس کی جانب سے قطعی ہونا۔

اسی طرح ایمان یا اعتقاد ارادی ہوتا ہے جبکہ علم ارادی نہیں ہے۔ معلوم کے تغیر سے اگر علم میں تبدیلی آتی ہے (کیونکہ علم معروض یا معلوم کا ایک اعتبار سے کشف و انشراح ہے) تو علم تو ارادی نہ ہوا۔ ہاں خارج یا معلوم میں تغیر سے ایمان میں تغیر واقع نہیں ہوتا۔ امام غزالی اس نہج پر ایمان اور علم کے درمیان امتیاز کو واضح کرتے ہیں' کیونکہ ان میں التباس کا امکان تھا' لیکن یہ امتیاز نہ ان میں مشترکات کی نفی کرتا ہے اور نہ یکجائی کے امکان کو رد کرتا ہے۔

ایمان اور علم کے تعلق اور یکجائی کی بحث اصلاً اس مبحث سے متعلق ہے کہ کیا مقلد کا ایمان قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ متکلمین نے اس کو الگ سے موضوعِ بحث بنایا۔ بہت سی آراء اس ضمن میں ہمارے سامنے آتی ہیں' لیکن جمہور کا موقف یہی ہے کہ ایک مقلد کا ایمان قابلِ قبول تو ہو جائے گا لیکن جو مقلد دلیلِ اجمالی بھی نہیں رکھتا وہ گنہ گار ہوگا۔ مقلد سے مراد یہ ہے کہ جو عقائد کو اپنے بڑوں یا پچھلوں کی تقلید کرتے ہوئے مان لیتا ہے' وہ ان پر کامل یقین رکھتا ہے اور کسی قسم کا کوئی شک اس کو نہیں ہوتا' لیکن اپنے اس ایمان کے لیے وہ کسی دلیلِ اجمالی یا تفصیلی کا حامل بھی نہیں ہوتا۔ کوئی بھی سادہ اور مجمل دلیل اگر انسان اپنے عقیدہ کی مبادیات کے اثبات کے لیے رکھتا ہو تو یہ دلیل اجمالی ہے' اور اگر ان پر وارد ہونے والے شبہات کا مکالمے کی صورت میں جواب دینے کی قدرت بھی رکھتا ہو تو یہ دلیلِ تفصیلی ہے۔ متکلمین اہلِ سُنّت کے ہاں دلیلِ تفصیلی فرضِ کفایہ ہے اور دلیلِ اجمالی فرضِ عین۔ اس فرضِ عین کو اگر آپ ترک کر دیں گے تو آپ کا ایمان قابلِ قبول تو ہوگا لیکن آپ گنہ گار ہوں گے۔ یہ جو بحث ہے یہ علم اور ایمان کے تعلق سے براہِ راست متعلق ہے' یعنی ہم سے مطالبہ یہ ہے کہ ایمان کو علم سے مؤید کیا جائے۔ گویا علم کمالِ ایمان کی شرط ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے علم اور ایمان کے درمیان ممکنہ تعلقات پر غور فرمائیے۔ مثلاً علم اور ایمان میں

جزئیت یا کلیت کا تعلق بھی نہیں ہے۔ یعنی علم ایمان کا جزء ہو یا ایمان علم کا۔ اسی طرح ان کے درمیان رشتۂ تعلیل بھی نہیں ہے کہ ایمان علم کی علت ہو یا علم ایمان کی۔ ایک اور ممکنہ تعلق شرط اور مشروط کا ہے۔ شرط دو طرح کی ہوتی ہے‘ شرطِ صحت اور شرطِ کمال۔ علم اور ایمان میں شرطِ صحت کا تعلق تو ہو نہیں سکتا (علم کا ایمان کے لیے شرطِ صحت اور شرطِ کمال ہونے میں متکلمین میں اختلاف رہا ہے۔ جمہور کا موقف تو شرطِ کمال ہونے کا ہی ہے‘ لیکن مثلاً امام السنوسی جو کہ ایک بڑے متکلم تھے‘ کا موقف یہ ہے کہ علم ایمان کے لیے شرطِ صحت ہے یعنی علم اور ایمان کی یکجائی کے بغیر ایمان قابلِ قبول بھی نہیں ہے) کہ شرط و مشروط میں باہمی تعلق یکطرفہ لزوم کا ہوتا ہے اور اذا فات الشرط فات المشروط۔ شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں مشروط کا نہ ہونا لازمی ہے۔ ایک تعلق رہ جاتا ہے اور وہ ہے شرطِ کمال کا۔ یعنی کمالِ ایمان کا تصوّر بغیر علم کے نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں نفس ایمان کا تصوّر اس کے بغیر ممکن ہے (یعنی مطلق ایمان تو قابلِ قبول ہوگا اور ان شاء اللہ آخرت میں باعثِ نجات ہوگا‘ لیکن ایمان میں کمال بغیر علم کے ساتھ اس کی یکجائی کے ممکن نہیں۔ اب یہ علم جن دلائل سے مؤید ہوگا وہ ظاہری و باطنی‘ انفسی و آفاقی‘ عقلی و وجدانی ہر دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔ یہ بات ہم دیکھ چکے ہیں کہ امام غزالی علم کو کشف و انشراح سے تعبیر کرتے ہیں)۔

شرط خارج از ماہیت بھی ہوتی ہے یعنی علم ایمان کی ماہیت میں داخل نہیں ہے مگر علم کے ساتھ یکجائی کے بغیر کمالِ ایمان کا حصول بھی ممکن نہیں۔ گویا علم اور ایمان کا اجتماع مطلوب ہے اور یہی کمالِ ایمان ہے۔ یعنی ہم اللہ کو علیٰ وجہ البصیرہ مانتے ہیں اور اسی کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر علم اور ایمان ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ مثلاً: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ﴾ (الروم:۵۶) تو یہاں ان کا مطلب ایک دوسرے سے فرق ہے اور ان امتیازات کی وضاحت ہم پہلے کر آئے ہیں۔ مگر بہت سے مقامات پر جہاں ان کا ورود الگ الگ ہوا ہے وہاں کبھی علم سے مراد ایمان ہوتا ہے اور کبھی ایمان سے مراد علم۔ مثلاً: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ (القصص:۸۰) اور ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ﴾ (فاطر:۲۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کلامی روایت کی رو سے علم اور ایمان کو جمع کرنے کے ہم مکلف ہیں‘ چاہے یہ اجتماع دلیلِ اجمالی کی سطح پر ہی ہو۔ حضرات متکلمین اس پر آیت ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (محمد:۱۹) سے بھی استدلال فرماتے ہیں کہ اس میں یہ جاننے کا حکم فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔

آخر میں سعید فودہ صاحب کی کتاب ’’بحوث فی علم الکلام‘‘ سے استفادہ کرتے ہوئے اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ شیخ نے ایک مقام پر اس بارے میں مختصر مگر جامع بحث کی ہے جس سے کلامی سیاق و سباق میں علم اور اعتقاد کے تعلق کی تمام جہات اور جملہ مواقف سامنے آجاتے ہیں۔ آگے جو ہم مبحث بیان کر رہے ہیں اس کو ترجمانی اور استفادہ کہنا مناسب ہوگا۔ اس بحث کا بنیادی سوال یہ ہے کہ مقلد کے دل میں جو ایمان کے محتویات (contents) پائے جاتے ہیں ان پر علم کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اگر علم کے مفہوم میں دلیل کو لازماً شامل کیا جائے تو مقلد کے ایمانی محتویات کو علم نہیں کہا جا سکتا‘ لیکن اگر دلیل کو علم کی ماہیت میں شامل نہ سمجھا جائے تو پھر یہ علم ہیں۔ بعض علماء نے اس دوسرے موقف کو اختیار کیا ہے‘

کیونکہ ان کے نزدیک غور وفکر اور دلیل سے مقصود صحیح مفاہیم تک پہنچنا ہے' اور نہ صرف پہنچنا بلکہ ان سے ایسا جزمی اور یقینی تمسک اختیار کرنا کہ جانب مخالف کا احتمال تک نہ ہو اور ان کے آگے سرِ تسلیم خم بھی ہو۔ فرض کریں کہ ایک مقلد جس کو فکرِ سلیم حاصل ہے اس کو یہ تمام امور حاصل ہو گئے ہیں اگرچہ وہ دلیل نہ رکھتا ہو تو اُس کو عالم ہی کہا جائے گا۔ اس بات میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ 'دلیل سے جاہل' کو عالم کیسے کہا جا سکتا ہے' کیونکہ علم اساسی طور پر ادراکِ جازم ہے جو واقعہ کے مطابق ہو۔ ہاں علم کا کمال یہ ضرور ہے کہ دلیل اس کی مؤید ہو۔ اس موقف کے مطابق صحیح العقیدہ مقلد کے پاس اتنا علم ہے کہ اس کے اسلام میں دخول کے لیے کافی ہو اور اس دخول کو صحیح سمجھا جائے اور آخرت میں وہ نجات کا مستحق بھی ہو۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہم ایمان کے قبول کرنے اور علم کے مفہوم میں فرق کرتے ہیں۔ ایمان میں قطعیت درکار ہے مگر دلیل کے ساتھ۔ اس موقف میں دلیل کو علم کی ماہیت میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس پر اہلِ سُنّت کے اس موقف کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے کہ مقلد کا ایمان قابلِ قبول تو ہو گا لیکن اس قبولیت سے اس کے ذمے جو دلیل واجب ہے (دلیلِ اجمالی) وہ ساقط نہیں ہو گی۔

اہلِ سُنّت کے جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ علم موجب (لازمی سبب) کے بغیر نہیں ہوتا۔ موجب حواس بھی ہو سکتے ہیں' عقلی نظر اور غور وفکر بھی اور نقلی مقدمات پر اعتماد سے بھی علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس موقف کی رو سے ایک مجرد تصور جو چاہے واقعہ کے خلاف بھی ہو اور قطعیت بھی رکھتا ہو' کو علم نہیں کہا جا سکتا۔ علم قرار دیے جانے کے لیے دلیل سے استمداد ضروری ہے۔ دلیل علم کی ماہیت کا جزء ہے۔ علم کے تین خصائص ہیں:

(۱) جزم یعنی یقینی اور قطعی ہو۔

(۲) مطابقۃ یعنی واقعہ کے مطابق ہو۔

(۳) موجب یعنی اس کا کوئی سبب اور دلیل ہو۔

جزم اور مطابقت پر تو تمام لوگ متفق ہیں کہ یہ علم کی ماہیت میں شامل ہیں (ہماری دینی روایت میں تمام لوگ اس بات پر متفق رہے ہیں۔ اب جدید دور میں ہمارے نظریۂ علم کو بیان کرتے ہوئے نہ جزم کو ضروری قرار دیا جاتا ہے اور نہ مطابقت کو۔ یہ ٹھیک ہے کہ اگر اس موقف کو اختیار کرتے ہوئے کہا جائے کہ فلاں فلاں زمانی اور عصری حاجتوں کے پیشِ نظر ہم اسی موقف کو اختیار کر رہے ہیں اور اس کے یہ دلائل ہیں اور اس سے یہ فوائد حاصل ہوں گے تو ٹھیک ہے اس پر پھر الگ سے بات کی جا سکتی ہے' لیکن اس بات کو پیش اس طرح سے کر دیا جاتا ہے کہ یہ ہمارا نظریۂ علم ہے اور علم درحقیقت یہی ہوتا ہے)۔ البتہ یہاں موجب اور دلیل کا مسئلہ محلِ نزاع ہے۔

اب جو لوگ اعتقاد کے لیے علم کو شرط قرار دیتے ہیں اور علم کی ماہیت میں دلیل کو شامل کرتے ہیں ان کے نزدیک مقلد کا ایمان باطل ہے۔ جو حضرات دلیل کو علم کی ماہیت میں شامل نہیں سمجھتے لیکن علم کو اعتقاد کی شرط قرار دیتے ہیں تو ان کے اس موقف کے مطابق بھی مقلد کا اعتقاد بالکل صائب ہے۔ اس نظریہ کی رو سے علم اور اعتقاد کی دوئی ہی متصور نہیں ہے۔ جمہور علمائے اہلِ سُنّت کا کہنا یہ ہے کہ مقلد کا اعتقاد صحیح ہے لیکن اس پر دلیل یعنی دلیلِ اجمالی واجب ہے۔ اگر وہ اپنے عقیدہ کے لیے دلیل فراہم نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہو گا۔

حاصل بحث:

اب تک کی بحث سے وہ سیاق و سباق اچھی طرح واضح ہو گیا ہو گا جس سیاق و سباق کے ضمن میں ہماری روایت میں ایمان اور علم کے درمیان مشترکات اور امتیازات کی بات کی جاتی ہے۔ ہم اس بات سے واقف ہیں کہ جدیدیت اور اس کے مابعد جدیدی نتائج نے علم، حقیقت اور وجود کے تمام روایتی مباحث سے ایک بڑا انحراف کیا ہے اور جزم و قطعیت سے انفس و آفاق ہر دو کو نا آشنا بنا دیا ہے، کیونکہ قطعیت اور جزم کی کل بِنا (اس کو ہر طرح کے ماورائی منبع سے کاٹ کر) انسانی نفس پر رکھ دی گئی تھی۔ انسانی نفس اس بوجھ کو کسی حد تک تو سہار سکتا تھا کہ اس کو عقل و شعور کی نعمت سے نوازا گیا تھا، جس کے ذریعے کچھ کلی حقائق کا ادراک ممکن ہے، اور وحی کے ذریعے بتائے گئے تفصیلی حقائق اور اعمال کی قبولیت کی صلاحیت بھی اس میں ودیعت کر دی گئی تھی، اگر وہ وحی کی کمک حاصل کرنے پر آمادہ ہو، لیکن کُل کا کُل بوجھ ہی اس پر لاد دیا جائے یہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ چنانچہ جو نتائج سامنے آنے تھے وہ آئے، وہ نتائج جن کو ہم سب بھگت رہے ہیں، اور ہم جس دنیا میں زیست کرتے ہیں وہ انہی نتائج کی تشکیل دی ہوئی ہے۔ اس سب کے باوجود اگر ہم کسی ایسے مبحث کو موضوع بناتے ہیں جس کو ہماری روایت میں اس کے متخصّصین نے موضوع بنایا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کو صرف جدیدیت کے علمی دروبست میں ہی رکھ کر زیرِ بحث لایا جائے گا اور اخذِ موقف کا عمل بھی وہیں سے ہو گا؟ کیا اس کو یہ کہہ کر پیش کیا جائے گا کہ ہمارا موقف یہ ہے یا ہمارا تصوّر و نظریہ علم یہ ہے؟ کیا ان مباحث کو جو ہماری روایت کی داخلی علمی جدلیات میں بھی زیرِ بحث رہے ہیں اور جن کے نتیجے میں ایک موقف بھی ہمارے سامنے آتا ہے بالکل درخورِ اعتناء نہیں سمجھا جائے گا؟ یعنی جو کچھ بچے کھچے علمی مواقف ہمارے پاس رہ گئے ہیں ان کو جدیدیت سے لڑتے ہوئے نادانستگی میں جدیدیت ہی کی شرائط پر تشکیل دے دیں گے اور استعماری جدیدیت کے ان عزائم کی تکمیل کا باعث بنیں گے کہ تمام علمی مواقف کو مغرب کی علمی جدلیات میں رکھ کر ہی سمجھا جائے اور سب اسی میں ضم ہو جائیں (1)۔

ایک بات یہ کی جاتی ہے کہ ہمارے علمی مواقف کا عصری تقاضوں سے مطابقت رکھنا ضروری ہے۔ یہ بات محض ناسمجھی اور لاعلمی کا مظہر ہے۔ اپنے موقف کو عصری طرزِ اظہار میں پیش کرنے کی صلاحیت تو یقیناً مطلوب ہے، لیکن عصری شرائط پر اپنے موقف کی تشکیل اپنے تشخص اور اپنی روایت سے دستبرداری کا دوسرا عنوان ہے۔ اگر دیکھا جائے تو "عصری تقاضوں" کا جو عصری مطلب ہے اس کے حساب سے اسلام بھی عہدِ جدید سے کسی قسم کی کوئی مطابقت نہیں رکھتا اور اسلام پر تجدّد کے تیشے اس کو عصرِ حاضر کے مطابق بنانے کے لیے چلائے جاتے رہے ہیں۔ ہاں علمی بحث و مباحثے میں اپنے زمانے کی تعریفات و اصطلاحات کے مطابق گفتگو کرنا یقیناً بعض موقعوں پر

(1) روایت کی طرف واپسی کی آوازیں یوں تو بہت سے فلسفیوں نے بھی اٹھائی ہیں، لیکن ان کے ہاں اس کا سبب یہ ہے کہ جب کوئی معروضی، ٹھوس اور کُلی اساسات انسانی علم و عمل کے لیے نہیں ہوتیں تو جدیدیت کو روایت پر فوقیت دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لیے روایت اور روایتی علوم کو پھر سے زندہ کیا جائے اور ان کو جدید علم و عمل کے ڈسکورس میں جگہ دی جائے۔ لیکن ہم جب یہ بات کرتے ہیں تو اس کا بالکل ایک اور مطلب ہوتا ہے۔

اور بعض اعتبارات سے ضروری ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ پہلے موضوع کی تحدید کر دی جائے اور اصطلاحات کے معانی کے ماخذ کا بھی تعین کر لیا جائے تا کہ خلطِ مبحث کا امکان نہ ہو اور اس گفتگو اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والے موقف کو اپنی روایت کا نمائندہ موقف یا حرفِ آخر نہ سمجھ لیا جائے۔ علمی موقف کی عصری تشکیل بلاشبہ ایک ضرورت ہے لیکن اس ضرورت کا تعلق محتوی (content) سے کم (محتوی کے صرف متغیرات والے پہلو سے ہے، ثوابت سے نہیں۔ ثوابت و متغیرات کا تعین اور ان کی تحدیدات کی وضاحت ان علوم کے متخصّصین ہی کی ذمہ داری ہے، نہ کہ ہر خاص و عام کی) اور اسلوب، اصطلاحات اور طرزِ اظہار سے زیادہ ہے۔

یہ بات بھی اکثر کی جاتی ہے کہ علم تو ہوتا ہی مشترک ہے اور آپ جو اس مسئلے میں روایتی موقف بیان کر رہے ہیں اس کی جدید علمی ڈسکورس میں کوئی جگہ نہیں ہے اور شاید اس کو اب سمجھنا بھی ناممکن ہے۔ اس پر عرض یہ ہے کہ علم کا بِالقُوّۃ (potentially) مشترک ہونا ضروری ہے نہ کہ بالفعل (actually)۔ یعنی اس میں اگر مشترک ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو تو وہ پھر علم نہیں کہلا سکتا۔ اس کا واقعی طور پر مشترک ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر ہر علمی موقف کا بالفعل مشترک ہونا ضروری قرار دے دیا جائے تو کوئی قطعی اور ٹھوس بات کی ہی نہیں جا سکتی اور علم اور علمی مواقف ہمیشہ تغیر کا شکار رہیں گے۔ اب یہی بات کی جاتی ہے اور اس مسلسل تغیر کو قابلِ تعریف سمجھا جاتا ہے اور اس کو ایک قدر کی حیثیت دی جاتی ہے۔ ہمارے کچھ لوگ بھی اس کے لیے دلائل فراہم کرتے رہتے ہیں، لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہماری علمی روایت سے یہ بات کسی قسم کی کوئی مناسبت نہیں رکھتی[1]۔

بارِ دگر عرض ہے کہ جدید تصوّراتِ علم کو موضوع بنانا اور ان کو سمجھنا اور اس ڈسکورس میں گفتگو کرنے کے قابل ہونا (بالفعل گفتگو کے لیے ان کی اصطلاحات اور ڈسکورس کو برتنا یہ بہر حال ایک اختلافی مسئلہ ہے) یقیناً وقت کی ایک ضرورت ہے۔ اسی طرح جدید علم اور اس کے نظری اور علمی حاصلات کو ایک نظاماتی تناظر میں یا بالفاظِ دیگر کلی تناظر میں دیکھنا یا دیکھنے کی صلاحیت پیدا کرنا یا جدید علم اور سسٹم کے تلازمات کو جاننا بلاشبہ بہت اہم ہے۔ لیکن یہ سب اگر اپنی روایت اور علمی مواقف کی قربانی کی قیمت پر ہو تو افسوسناک ہے اور جدیدیت کی مرادات کی تکمیل ہی کا بندوبست ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ہمارے علمی مواقف جن کا تعلق براہِ راست متنِ الٰہی اور سُنّتِ نبی سے نہیں ہے بلکہ ہمارے روایتی نظری اور اصولی علوم سے ہے وہ تو خود ہدایت اور زمان و مکان کے جدلیاتی تعامل کے نتیجے میں سامنے آتے ہیں، تو ان پر اصرار کی اور ان کے بارے میں کسی تبدیلی کے روادار نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

---

(۱) علم کا اب معرفتِ وجود سے زیادہ ایجاد و تخلیقِ وجود سے تعلق ہے۔ تمام علوم اور اس کے حاصلات کو پہلے اس کام میں کھپایا گیا یعنی علم کا استعمال ایک نئی دنیا تشکیل دینے کے لیے اور پھر اس تشکیل دی ہوئی دنیا اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والے نظام کی تفہیم ہی اب علم کے مقاصد رہ گئے ہیں۔ نفس کی داخلی ہم آہنگی، نفس اور خارج (کائنات اور انسان) کے مابین ہم آہنگی اور نفس اور خدا کے درمیان نقطۂ تعلق و اتصال کی یافت جو روایتی علوم کے دیگر مقاصد کے ساتھ ساتھ بنیادی اور اصل مقاصد تھے، اب علمی منظرنامے سے مکمل طور پر غائب ہو چکے ہیں۔

عرض یہ ہے کہ یہ بات جزوی طور پر تو درست ہے کہ ہمارے کچھ روایتی نظری اصولی علوم عصری تقاضوں ہی کے نتیجے میں سامنے آتے رہے ہیں' لیکن اس بات کو مکمل طور پر مان لینا بہت خطرناک فکری و عملی نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن وسُنّت کی تفہیم کے اصول بھی انہی علوم میں بیان ہوتے ہیں۔ عقیدہ کو تنزیہ کی اصل پر قائم رکھنے کے اصول بھی یہیں بیان کیے گئے ہیں۔ بہت سی تحریفات وتعبیرات کا دروازہ بھی انہی کے ذریعے بند کیا گیا ہے۔ اگر ان کو مکمل طور پر زمانی ومکانی جدلیاتی تعامل کا نتیجہ قرار دے دیا جائے تو پھر ایک طرف متن ہوگا اور دوسری طرف انفرادی انسانی دماغ۔ اور پھر جو تشریحاتی غارت گری ہوگی اس سے ہم سب واقف ہیں اور اس کے بہت سے نمونے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان علوم میں ثوابت ومتغیرات کی ایک فہرست ہے اور ان میں امتیاز پایا جاتا ہے لیکن ان کا تعین ان علوم کے متخصّصین کریں گے یا جدید فکر وفلسفہ کے فارغین؟ ظاہر ہے کہ یہ کام ان متخصّصین ہی کا ہے۔ اگر وہ عصری علوم اور صورتحال سے صحیح واقفیت نہیں رکھتے کہ اس کے بغیر متغیرات کا صحیح تعین نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی بنیادی معرفت کے حصول کی کاوش کریں۔ اسی طرح عصری فکر وعلوم کے ماہرین کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو آگاہ کرنے اور واقفیت بہم پہنچانے کی کوشش کریں۔ ثوابت بہرحال ہدایت اور امت کے اجتماعی فہم سے اخذ کردہ کچھ اصول ہیں۔ ان کو اگر عہدِ جدید کے جدید اور بظاہر'روایت پسند' مفکّروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا تو کچھ نہیں بچے گا۔

ضمیمہ

اساس التقدیس: الفصل الثانی والثلاثون (بتیسویں فصل)

فی انّ البراھین العقلیۃ اذا صارت معارضۃ لظواھر النقلیۃ فکیف یکون الحال فیھا

(اس بات کے بیان میں کہ اگر قطعی عقلی دلائل نقل کے ظواہر سے ٹکرا رہے ہوں تو کیا معاملہ ہوگا)

یہ امام رازی کے اس قانون کلی فی تاویل المتشابہات کا بیان ہے جس پر ان کو بہت تنقید کا نشانہ بنایا گیا کہ اس قانون میں یہ عقل کو نقل پر مقدم رکھتے ہیں۔ حالانکہ فصل کے عنوان سے بھی یہ بات بالکل واضح ہے اور ذیل میں دیے گئے فصل کے ترجمہ سے بھی' ان شاء اللہ' یہ بات مزید واضح ہوجائے گی کہ نقل کے ثبوت کے لیے تو عقل کی حاجت ہے۔ ان معنوں میں عقل یقیناً نقل سے پہلے ہے' لیکن بعد از ثبوت مسئلہ عقل ونقل کے تقدّم وتاخر کا نہیں ہے بلکہ ظنیت اور قطعیت کا ہے۔ قطعی دلیل چاہے عقلی ہو چاہے نقلی اس کے مقابلے میں دلیل اگر ظنی ہو ترجیح قطعی کو ہی دی جائے گی۔ دو قطعیات میں تعارض تو ناممکن اور غیر متصوّر ہے۔ جو حضرات اس تعارض کو ممکن سمجھتے ہیں ان کو اس کی کوئی ٹھوس مثال پیش کرنی چاہیے۔ (از مترجم)

ترجمہ: جان لو کہ جب کچھ قطعی عقلی دلائل کسی شئے یا بات کو ثابت کر رہے ہوں مگر پھر کچھ ایسے نقلی دلائل سامنے آئیں جو بظاہر اس کے خلاف ہوں تو اس صورتحال میں چار ہی امکانات پائے جا سکتے ہیں:

(۱) ہم عقل اور نقل ہر دو کی تصدیق کر دیں۔ لیکن اس سے دو متناقض باتوں کا بیک وقت صحیح ہونا ماننا پڑے گا اور

ظاہر ہے کہ یہ محال ہے۔

(۲) ہم دونوں کو ہی باطل قرار دے دیں۔ اس سے نقیضین کا بیک وقت غلط ہونا لازم آئے گا۔ یہ بھی محال ہے (جس طرح اجتماعِ نقیضین (law of non contradiction) محال ہے اسی طرح ارتفاعِ نقیضین (law of excluded middle) بھی ناممکن ہے)۔

(۳) تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہم ظواہر نقلیہ کی تصدیق کر دیں اور عقلی ظواہر کو باطل قرار دے دیں۔ یہ بھی باطل ہے، اس لیے کہ نقل کے صحیح ہونے سے ہم تب ہی واقف ہوسکتے ہیں جب ہم عقلی دلائل کے ذریعے کائنات کے بنانے والے، اس کی کچھ صفات اور معجزہ جو رسول کے سچے ہونے کی دلیل ہے، اس دلیل کی صدقِ رسول پر دلالت کو نہ جان لیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی جان لیں کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے معجزات کا ظہور ہوا ہے۔ اگر ہم قطعی عقلی دلائل پر بھی تنقید کو روا رکھیں تو عقل قابلِ اعتماد اور اس کے نتائج قابل قبول نہ رہیں گے۔ اگر معاملہ ایسا ہو تو یہ اصول بھی غلط ثابت ہو جائے گا (کہ نقل کی اصل کو عقلی دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے)۔ یہ اصول اگر صحیح نہ ہو تو نقلی دلائل غیر مفید ہو جائیں گے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ اگر نقل کے ظواہر کو ثابت کرنے کے لیے قطعی عقلی دلائل پر بھی اعتراض وارد کرنے کو گوارا کر لیا گیا تو عقل و نقل دونوں ہی نہ بچیں گے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ باطل ہے۔

(۴) جب ان تین صورتوں کا غلط ہونا ثابت ہو گیا تو ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ ہم قطعی عقلی دلائل کے مقتضیات کو تو درست تسلیم کریں اور نقل کے ظواہر کو یا تو ہم نادرست قرار دیں (یعنی اگر وہ سنداً صحیح نہ ہو) یا یہ کہیں کہ یہ ہیں تو صحیح لیکن ان سے ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔ پھر اگر ہم ان نصوص (متشابہات) کی تاویل کو جائز سمجھیں تو ہم ان تاویلات کی تفصیلات کو بھی بیان کر سکتے ہیں اور اگر تاویل جائز نہ ہو تو ان کے معانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کر دیا جائے گا۔

یہ وہ قانون کلی ہے جس کی طرف متشابہات کے معاملے میں رجوع کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے[1]۔

❁❁❁

---

(۱) اسی لیے امام غزالی نے اپنی کتابوں میں بہت سی جگہوں پر نقل صریح جو متن اور سند دونوں اعتبارات سے صحیح ہو، کے عقل سے تعارض کو ناممکن قرار دیا ہے، کیونکہ علم اور علم (یعنی قطعیات) کا آپس میں تعارض نہیں ہوسکتا۔ مثلاً امام صاحب اپنی کتاب 'قانون التاویل' میں فرماتے ہیں کہ ''منقول اور معقول کی بحث میں متوسط طبقہ وہی ہے جو دونوں کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا ہے، شرع اور عقل کے درمیان تعارض کا منکر ہے اور شرع کو حق قرار دیتا ہے۔ جس نے عقل کو جھٹلایا اس نے شرع کو جھٹلایا۔ عقل ہی کے ذریعے شرع کے صدق کو جانا جاسکتا ہے۔ قطعی عقلی دلیل ہی اگر صحیح نہ ہو تو نبی اور متنبی (نبوت کا جھوٹا مدعی) کے درمیان فرق نہیں کیا جاسکتا...''

نصوصِ شرعیہ کی رُو سے

تشریحِ دین کی اہلیت واستحقاق

ڈاکٹر حافظ محمد رشید ارشد☆

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ’’اُمّتِ وسط‘‘ بھی قرار دیا ہے‘ جس کی تفسیر میں اہلِ تاویل نے یہ بیان کیا ہے کہ ختمِ نبوت کے تقاضے کے طور پر رہتی دنیا تک دین کی دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری اِس اُمّت کے اَفراد کو ادا کرنی ہے۔ یہ مفہوم اُن احادیثِ مبارکہ سے بھی ماخوذ ہے جن میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ ’’پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت‘‘ یا جن میں اُمّت کے اُن اَفراد کو خیرِ اُمّت قرار دیا گیا ہے جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔ اس حوالے سے تعلیم وتعلّم کا میدان ہو یا اجتہاد واستنباط کا دائرہ یا دعوت وتبلیغ اور خدمت دین کا میدان ہو‘ بنیادی بات یہ ہے کہ انسان ہر اس شعبے میں کام کرے جس کی اہلیت اس میں پائی جاتی ہو۔ آپ جو کام کر رہے ہیں کیا آپ اس کے اہل ہیں؟ یہ بہت اہم سوال ہے۔ ہر دور میں یہ سوال رہا ہے کہ کسی بھی علم یا کسی بھی فن میں کس شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ کلام کرے؟ ایک پرانا محاورہ چلا آ رہا ہے: لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ ’’ہر فن کے لیے کچھ لوگ مخصوص ہوتے ہیں‘‘۔ اور ایک شعر بھی ہے:

خلق اللّٰہ للحروب رجالا وخلقنا لقصعة وثرید

’’اللہ تعالیٰ نے جنگوں کے لیے کچھ لوگ پیدا کیے ہیں جبکہ ہمیں تو تھالیوں اور ثرید یعنی کھانے پینے کے لیے پیدا کیا ہے۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کو مختلف کاموں کے لیے خلق کیا ہے‘ کچھ انسانوں کو جنگوں کے لیے‘ کچھ لوگوں کو تھالیوں اور ثرید کے لیے‘ یعنی کچھ لوگ جواں مرد ہوتے ہیں‘ لڑنے والے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ کھانے پینے والے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر آدمی کا ایک فن ہوتا ہے‘ اس میں وہ مہارت رکھتا ہے‘ جبکہ ایک اور چیز ہے جسے ہمارے ہاں General knowledge یا Common sense کہتے ہیں‘ اس کی بات الگ ہے مگر مہارت کسی ایک فن میں ہی ہوگی۔ ایک لطیفہ ہے کہ Common sense is not so common۔ ایک ہے Common sense‘ ایک ہے General sense اور ایک ہے General knowledge‘ یہ ایک الگ بحث ہے کہ آدمی بعض چیزوں کے بارے میں کوئی نہ کوئی تاثر‘ کوئی نہ کوئی رائے رکھتا ہی ہے‘ لیکن علمی اور

☆ اسسٹنٹ پروفیسر‘ شعبہ فلسفہ‘ جامعہ پنجاب‘ لاہور۔ پاکستان rarshadpk@gmail.com

اصولی طور پر مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کا حق کیسے ہے؟ ظاہر ہے یہ حق اس علم وفن کے ماہر ہی کو حاصل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک بہت خوبصورت بات فرمائی ہے: وإذا تكلم المرء في غير فنه أتى بالعجائب ''جب آدمی اپنے فن کے علاوہ دوسرے فنون میں دراندازی کرے گا' دخل در معقولات کرے گا تو پھر اس سے عجیب وغریب گفتگو ہی سرزد ہوگی''۔ تو یہ جو اہلیت کا سوال ہے یہ ہمیشہ سے اٹھایا گیا' جیسا کہ تفسیر بالرائے ایک موضوع ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ اور ہمارے دیگر اکابرین کو پڑھیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کا ایک مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ خواہش نفس سے تفسیر کی جائے اور پہلے ہی سے ایک بات طے کر لی جائے' پھر اپنی ہوا اور خواہشات کے تحت اپنے نظریات کے مطابق ڈھالتے ہوئے قرآن مجید کی تفسیر کی جائے۔ یہ ظاہر ہے اللہ کی آیتوں کو توڑنا' مروڑنا ہے اور یہ قابلِ مذمت تفسیر بالرائے ہے۔ چاہے ایسا کرنے والے کے پاس تفسیر کی ظاہری صلاحیت موجود ہو' لیکن اصل میں اس کی نفسی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ تفسیر بالرائے کی دوسری قسم یہ ہے کہ بغیر علم اور بغیر علمی اہلیت کے تفسیر کی جائے۔ یہ بھی خطرناک شے ہے اور بعض اوقات انسان کلامِ الٰہی کی غلط تعبیر کر کے خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے ''اصولِ اہلیت'' کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اہلیت کی یہ شرط تفسیر کے علاوہ شرح حدیث' فقہ اور دیگر علوم میں بھی لاگو رہے گی۔

قحطِ علم قیامت کی نشانی ہے

''اشراط الساعۃ'' کی بہت ساری احادیث میں آتا ہے کہ قربِ قیامت کے دور میں علم اٹھا لیا جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی:

((اِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَاَيَّامًا ' يَنْزِلُ فِيهَا الجَهْلُ' وَيُرْفَعُ فِيهَا العِلْمُ ' وَيَكْثُرُ فِيهَا الهَرْجُ' وَالهَرْجُ: القَتْلُ)) (صحیح البخاری' ح:۷۰۶۴)

''قیامت سے پہلے کچھ ایسے دن آئیں گے' جن میں جہل کا نزول ہوگا (ہر طرف جہل کا غلبہ ہوگا) اور جس میں علم کو اٹھا لیا جائے گا اور بہت فتنہ اور قتل وغارت پھیل جائے گی۔''

ایک روایت میں ہے:

((مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ: اَنْ يَقِلَّ العِلْمُ ' وَيَظْهَرَ الجَهْلُ' وَيَظْهَرَ الزِّنَا 'وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ' وَيَقِلَّ الرِّجَالُ' حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَاَةً القَيِّمُ الوَاحِدُ)) (صحیح البخاری' ح:۸۱)

''قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ علم ٹھہر جائے گا' جہل پھیل جائے گا' زنا عام ہو جائے گا' عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور مردوں کی تعداد کم ہو جائے گی' یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی کفالت ونگرانی کے لیے ایک شخص دستیاب ہوگا۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ' وَلٰكِنْ يَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ

الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا)) (صحیح البخاری، ح: ١٠٠)

''بے شک اللہ تعالیٰ علم کو ایسے نہیں اٹھائے گا کہ بندوں کے سینوں سے اسے نکال ہی دے، بلکہ وہ علم کو اٹھائے گا علماء کو اٹھا کر، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہ بچے گا تو عوام، جاہل لوگوں کو اپنا بڑا مان لیں گے، پھر ان جاہل سرداروں سے مسئلے پوچھے جائیں گے، پس وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

یہاں قلّتِ علم سے قلّتِ علماء مراد ہے، اسی طرح قلّتِ علم سے قلّتِ فہم بھی مراد ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ لوگوں کے پاس معلومات تو ہوں گی، لیکن رسوخ فی العلم اور تفقّہ سے محروم ہوں گے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ''فیض الباری'' میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فإنه يكون كثيرًا كمًا وقليلًا كيفًا كما نشاهد في زماننا.

''علم کمیت کے اعتبار سے تو بہت زیادہ ہو جائے گا لیکن کیفیت اور پختہ جانکاری کے حوالے سے علم کم ہو جائے گا جیسا کہ ہم اپنے زمانے میں مشاہدہ کرتے ہیں۔''

آخری دور کے بارے میں ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں:

((إِنَّهُ لَتُنْزَعُ عُقُولُ أَهْلِ ذٰلِكَ الزَّمَانِ وَيُخَلَّفُ لَهُ هَبَاءٌ مِنَ النَّاسِ يَحْسِبُ أَكْثَرُهُمْ أَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ، وَلَيْسُوا عَلٰى شَيْءٍ)) (مسند احمد)

''اُس زمانے کے لوگوں کی عقلیں چھن جائیں گی اور اس زمانے میں لوگوں میں سے ہلکے (فہم والے) لوگ رہ جائیں گے، ان میں سے اکثر سمجھتے ہوں گے کہ وہ بھی کسی چیز (دلیل یا دین) پر ہیں، حالانکہ وہ کسی شے پر نہ ہوں گے۔''

نااہل لوگوں کی قیادت وسیادت

نااہل لوگوں کی قیادت وسیادت امت کے لیے ایک آزمائش ہے، چنانچہ حدیث مبارکہ میں نااہل لوگوں کی پیشوائیت اور قیادت کو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا:

((سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ، يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ، وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ)) قيل: وما الرويبضة؟ قال: ((الرَّجُلُ التَّافِهُ يَتَكَلَّمُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ)) (سنن ابن ماجہ، ح: ٤٠٣٦)

''لوگوں پر ایسے سال آئیں گے جو دھوکے والے ہوں گے، ان میں جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے گا، خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن کہا جائے گا اور ان سالوں میں رویبضہ کلام کرے گا''۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ رویبضہ کیا ہے؟ فرمایا: ''ہلکا اور کم تر شخص امورِ عامہ میں کلام کرے گا۔''

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ:

((اِنَّ اَمَامَ الدَّجَّالِ سِنِينَ خَدَّاعَةً))

''بے شک دجال سے پہلے دھوکہ دہی کے سال ہوں گے۔''

دجال‘ دجل سے ہے اور اس سے پہلے بھی دھوکے کے ادوار چل رہے ہوں گے۔ اور ایسا نہیں ہوگا کہ دجال یکدم کہیں سے برآمد ہو جائے گا‘ بلکہ پورا ماحول اس کے لیے تیار ہوگا‘ پورا سٹیج سیٹ ہوگا۔ اس میں ایک بڑا Receptor ہے‘ ایک بڑا دھوکا دینے والا دجال سامنے آئے گا۔ مسند احمد کی اس روایت میں ''الرویبضہ'' کی صفت یوں بیان کی گئی ہے:

((الْفُوَيْسِقُ يَتَكَلَّمُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ))) (مسند احمد‘ ح: ۱۳۲۹۸)

''ایک بہت چھوٹا سا فاسق شخص عوام کے معاملات میں کلام کرے گا۔''

ایک اور روایت میں ''رویبضہ'' کی تعریف یوں کی گئی ہے:

((مَنْ لَا يُؤْبَهُ لَهُ)) (المعجم الکبیر للطبرانی‘ ح: ۱۲۵)

''وہ شخص جس کی کوئی حیثیت نہیں‘ کوئی مقام نہیں۔''

یعنی ایک آدمی جیسا تیسا بھی ہے وہ اپنے معاملات میں فیصلے کر رہا ہے یا اپنے گھر والوں کے معاملات میں الٹے سیدھے تصورات قائم کر رہا ہے تو اُس کا یہ جہل مرکب اُس کی ذات اور اس کے گھر والوں تک محدود ہے‘ لہٰذا اس میں اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ایک شخص Public domain میں آئے اور اپنی نااہلی کے باوجود قوم سے کلام کرے‘ ان کے معاملات سے متعلق گفتگو کرے اور انہیں مشورے دے اور ترغیب دلائے تو یہ بہت خطرناک ہے۔ ایسے نااہل‘ داعی‘ متکلّمین اور لیڈر بہت خطرناک ہیں اپنی آخرت کے حوالے سے بھی اور دوسرے لوگوں کو مبتلائے آزمائش کرنے کے حوالے سے بھی۔ احادیث میں ایسوں کو گمراہ کن امام و رہنما قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا حذیفہ ؓ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! ہم جہالت اور برے حالات میں تھے‘ اللہ نے آپ کے ذریعے ہمیں خیر سے متعارف کرایا‘ کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! پوچھا گیا: یارسول اللہ! اس شر کے بعد کوئی خیر ہوگا؟ فرمایا: ہاں! خیر ہوگا‘ لیکن اس میں دھواں ہوگا۔ پوچھا: یارسول اللہ! دھویں کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: ((قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ)) ''ایسے لوگ ہوں گے جو میری ہدایت کے بغیر ہدایت تلاش کریں گے‘ تم ان سے اچھے برے ہر طرح کے اعمال دیکھو گے''۔ پوچھا: یارسول اللہ! کیا اس کے بعد کوئی شر کا دور ہوگا؟ فرمایا: ((نَعَمْ‘ دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ‘ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا)) ''ہاں‘ جہنم کے دروازوں پر کھڑے داعی ہوں گے‘ جو اُن کی بات مانیں گے وہ انہیں جہنم میں دھکیل دیں گے''۔ پھر پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ذرا ان کے اوصاف بتائیے۔ فرمایا: ((هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا‘ وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا)) ''وہ ہمارے جیسے چہرے بشرے کے ہوں گے اور ہماری جیسی گفتگو کریں گے''۔ یعنی ہماری زبان میں بات کریں گے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جیسے ہمارا discourse ہے وہ بھی ویسی ہی دینی اور

قرآن وسنت کی باتیں کر رہے ہوں گے۔ یعنی یہ جو دوزخ کے داعی ہیں یہ کوئی پاپ سٹارز نہیں ہیں‘ یہ کوئی کھلے ملحدین نہیں ہیں‘ agnostic یا sceptic نہیں ہیں۔ یہ بظاہر اچھی باتیں کر رہے ہیں‘ ہماری جیسی زبان بول رہے ہیں۔ پھر جب صحابی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ ایسی صورت میں پھر کیا کرنا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ)) ’’مسلمانوں کی جماعت سے جڑے رہو‘ اس کے امام سے متعلق رہو‘‘۔ اور پھر جب پوچھا گیا کہ اگر کوئی جماعت نہ ہو‘ کوئی پیشوا نہ ہو؟ تو فرمایا کہ: ((فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذٰلِكَ.)) ’’ان تمام جتھوں اور گروہوں سے علیحدہ ہو جاؤ‘ چاہے تمہیں کسی درخت کی جڑ کھا کر یا اس کو چوس کر‘ اس کو چبا کر اپنی زندگی گزارنی پڑے‘ یہاں تک کہ تمہیں موت آ جائے‘‘۔ (صحیح بخاری‘ ح:۳۶۰۶)

اس حدیث میں بغیر اہلیت کے لوگوں کی رہنمائی کرنے والوں کو جہنم کا داعی بتایا گیا ہے جو بہت قابل حذر بات ہے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَغَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُنِي عَلَى أُمَّتِي)) ’’دجال کے علاوہ مجھے کچھ اور چیزوں کا اپنی اُمّت کے بارے میں اندیشہ ہے‘‘۔ تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی‘ تو سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے نبی! اپنی اُمّت پر دجال کے علاوہ کن لوگوں کے بارے میں آپ کو خدشات لاحق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَئِمَّةً مُضِلِّينَ)) ’’گمراہ کرنے والے امام‘ پیشوا۔‘‘ (مسند احمد‘ ح:۲۱۲۹۶)

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں چند دوسری نشانیوں کے ساتھ گمراہ کن پیشواؤں کا بھی ذکر آتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> ((وَإِنَّمَا اَخَافُ عَلٰى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّينَ‘ وَإِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ‘ وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ‘ وَحَتّٰى تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ‘ وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي كَذَّابُونَ ثَلَاثُونَ‘ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ‘ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي‘ وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ)) قال لابن عيسى: ((ظاهرين)) ثم اتفقا- ((لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ‘ حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللهِ)) (سنن ابی داؤد‘ ح: ۴۲۵۲)
>
> ’’مجھے اپنی اُمّت کے بارے میں جس چیز کا اندیشہ ہے وہ گمراہ کرنے والے پیشوا ہیں‘ اور جب میری اُمّت میں تلوار نکال دی جائے گی تو قیامت تک داخل نیام نہ ہو سکے گی۔ اور قیامت قائم نہ ہو گی یہاں تک کہ میری اُمّت کے کچھ قبائل مشرکین سے جا ملیں گے اور میری اُمّت کے کچھ قبائل بتوں کی پوجا شروع کر دیں گے۔ اور عنقریب میری اُمّت میں تیس بڑے جھوٹے پیدا ہوں گے‘ ان میں سے ہر ایک کو یہ زعم ہو گا کہ وہ نبی ہے‘ جبکہ درحقیقت میں آخری نبی ہوں‘ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ میری اُمّت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا‘ مخالفین اس گروہ حق کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے‘ یہاں تک کہ اللہ کا امر آ جائے۔‘‘

یہاں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ پیشگوئیوں والی احادیث میں گمراہ کن پیشواؤں کا ذکر آرہا ہے‘ یہ دراصل نااہل لوگ ہیں‘ جو بغیر علمی یا اخلاقی اہلیت ولیاقت کے لوگوں کے معاملات میں کلام کریں گے اور ناجائز طور پر لوگوں کی رہنمائی کے منصب پر فائز ہو کر ان کی گمراہی میں اضافہ کریں گے۔ اب یہ جو نشانی ہے اس دور میں بچشمِ سر دیکھی جا سکتی ہے۔

اتھارٹی کا بحران

اس وقت جو بحران (crisis) ہے‘ وہ اتھارٹی کا بحران ہے‘ یعنی قانونی حیثیت کا مسئلہ (Legitimization problem) ہے۔ اس کا آغاز نوآبادیاتی دور (Colonial period) میں بڑی تعداد میں ہو گیا۔ اگر ہم ایک کیس سٹڈی کے طور پر برصغیر ہی کو دیکھ لیں تو ہمارا معاشرہ ایک روایتی معاشرہ تھا‘ مگر انحطاط اور زوال کا شکار تھا اور زوال بھی ہمہ گیر تھا۔ ہمارے اندر کچھ ایسی اخلاقی‘ علمی خرابیاں آگئی تھیں جن کی وجہ سے ہم colonize ہونے کے لیے بالکل تیار تھے۔ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا اور ہم colonize کیوں ہوئے؟ ہمارا موضوع یہاں یہ ہے کہ اتھارٹی کا بحران کب سے آیا۔ کیونکہ دورِ غلامی سے پہلے جیسا تیسا ہمارا معاملہ تھا‘ ہمارا ایک authority کا نظام تھا‘ حکمران اور علماء تھے۔ اسی طرح قضاۃ کا نظام تھا اور احکام کا نفاذ تھا اور چل رہے تھے‘ اگرچہ اس میں کمزوریاں اور کوتاہیاں بھی تھیں۔ لیکن یہاں پر جب انگریز آیا تو اس نے ہمارے ہر structure کو تباہ کر دیا اور زیادہ تر لوگوں کو اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ نوآبادیاتی نظام (Colonialis m) نے ان کو کتنا بڑا دھچکا پہنچایا ہے۔ انہوں نے مسلم اُمّہ کو ایسا dent ڈال دیا ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ کو decolonize ہوتے ہوئے ۷۵-۷۰ سال ہو چکے‘ لیکن ابھی تک ہم اس کے اثر سے نہیں نکل سکے: ؎

اُس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!

یعنی انگریز نے کوشش کر کے اس کی روایتی‘ ذہنی اور روایتی سیاسی قیادت دونوں کو تباہ کر دیا:

﴿قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ﴾ (النمل: ۳۴)

’’(ملکہ سبا نے) کہا: بے شک جب بادشاہ (غاصبانہ طور پر) کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد کرتے ہیں اور یہاں کے عزت والوں کو ذلیل کرتے ہیں۔‘‘

سیاست میں انہوں نے یہ کیا کہ جو اُن کی پرانی درجہ بندی (hierarchy) تھی اس کو توڑ دیا اور وہ لوگ جو ان کے سائیس تھے‘ ان کے گھوڑے دھلانے والے‘ ان کی مٹھی چاپی کرنے والے تھے‘ ان کی خوشامدیں کرنے والے تھے ان کو سر پر بٹھا دیا۔ اسی طریقے سے جو علماء اور روایتی خانقاہیں تھیں‘ ان کو ختم کر دیا‘ اوقاف اپنے قبضہ میں کر لیے۔ اسی طرح خانقاہوں کے ساتھ جو سارے اوقاف (e ndowments) تھے وہ ختم کر دیے اور پھر

جعلی مشائخ اور گدی نشینوں کا ایک پورا طبقہ پیدا کیا اور وہ لوگ آج تک ہم پر مسلّط ہیں۔ جس طرح سیاست میں جعلی رہنما ہم پر مسلّط ہیں‘ اسی طرح جعلی روحانیت یا تصوّف جو مزاروں اور گدی نشینوں والی ہے‘ جہاں ہر طرح کا استحصال جاری ہے‘ وہاں بھی یہی لوگ مسلّط ہیں۔ یہ ایک پورا موضوع ہے کہ ان لوگوں نے کیسی کیسی غداریاں کی ہیں اور پھر کتنی بڑی بڑی جاگیریں ان کو دی گئیں۔ تو اس کے نتیجے میں ہمارا authority کا نظام disturb ہو گیا اور پھر معاملات وہی ہوئے کہ: ع ’’گلے میں جو آئیں وہ تانیں اڑاؤ!‘‘ پھر جس کے گلے میں جو تان آئی‘ اڑاتا رہا اور ہر آدمی اپنی جگہ گویا مجتہد بن بیٹھا۔

اس پوری صورت حال میں علماء مقاومت کرتے رہے اور اپنی جدّوجُہد جاری رکھی۔ مگر لوگ علماء کے حوالے سے عجیب باتیں کرتے رہے کہ یہ ہو گیا‘ وہ ہو گیا۔ لیکن اگر تھوڑا سا بھی انصاف سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کم از کم برصغیر کے علماء کتنا سخت چنا ثابت ہوئے ہیں‘ کس طرح انہوں نے اس دینی تراث کو بچایا ہے‘ کس طرح اس روایت کو محفوظ کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دین کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے۔ اب یہ کسی کا دعویٰ نہیں کہ اس میں کوتاہی ان سے نہیں ہوئی‘ کوئی کمی نہیں ہوئی یا کچھ چیزوں سے انہوں نے صرفِ نظر نہیں کیا‘ لیکن بہرحال انہوں نے پوری جرأت کے ساتھ یلغار کا مقابلہ اور دین و مذہب اور اس کی روایت کا تحفظ کیا۔ ایسی صورتِ حال میں عموماً نئی نئی آوازیں آنی شروع ہو جاتی ہیں‘ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا‘ کئی بہروپیے پیدا ہوئے جنہوں نے علمی روایت سے ہٹ کر دین کی ترجمانی شروع کی۔ جیسے کہ آپ جانتے ہیں کہ ایسے مواقع پر کئی چیزیں ہوتی ہیں‘ کچھ لوگ ہوتے ہیں‘ ان کی کچھ اُفتادِ طبع ہوتی ہے‘ اس سے مجبور ہو کر اور کچھ حالات کے جبر سے اور بعض مقتدر قوتوں کے مفادات کی وجہ سے حقیقت کے بجائے جعل کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے جب یہ تینوں چیزیں جمع ہوتی ہیں‘ تو پھر نئی نئی آوازیں برآمد ہوتی ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں ایک نیا نبی (نبی کاذب) پیدا ہوا‘ پھر اسی طریقے سے انکارِ حدیث کا فتنہ پیدا ہوا‘ تو اُسی دور میں بہت سے معاملات یہاں پر سامنے آئے۔ لہٰذا مخلص اہل علم نے اس اہم دینی مسئلے کی طرف از سرنو توجہ کی کہ دین اور تعبیر و تفہیم دین میں کلام کرنے کا اہل کون ہے اور کس کو یہ حق حاصل ہے کہ دین کے مسائل میں کلام کرے۔

سیادت کے حق دار اہلِ علم ہیں

دین کی تفہیم اور تعبیر کس کی معتبر ہو گی اور کس کی نہیں‘ تو اس ضمن میں قرآن کریم کی اصولی رہنمائی یہ ہے:

﴿فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾﴾ (النحل)

’’اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں ان سے پوچھ لو۔‘‘

اس آیت کا سیاق وسباق کے مطابق مطلب تو یہ ہے کہ جو اہل ذکر ہیں‘ یعنی علمائے اہلِ کتاب‘ ان سے پوچھ لو کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی رسالت کی حقانیت کے بارے میں جانتے ہیں‘ اس لیے کہ ان کے پاس ساری پیش گوئیاں موجود ہیں۔ لیکن اصول تفسیر کی رُو سے ان الفاظِ قرآنی کی رہنمائی عام ہے‘ کہ ہمیں اہلِ علم سے ہی رہنمائی

لینی ہے۔ مسلمانوں میں ہمیشہ سے یہ طے رہا کہ اہل الذکر وہ ہیں جو دینی علم میں بھی پختہ ہیں اور جن کا کردار اور جن کا تقویٰ بھی مسلّم ہے۔ لیکن نوآبادیاتی دور میں جب مسلمانوں کے نظم حکومت کے ساتھ ان کا مذہبی اور علمی نظم بھی درہم برہم ہو گیا اور لوگوں کو ایک خاص طرح کی آزادی مل گئی' تو انہوں نے نئی نئی آوازیں برآمد کیں' اپنی اُپچ نکالی' مسلمانوں کی علمی اور مذہبی روایت پر نقب کی اور اسے نشانے پر رکھا۔ مقتدر قوتوں نے بھی اپنے مفادات کے لیے ان کو ابھارا' جس کے نتیجے میں ایک غیر روایتی مذہبی قیادت نام نہاد سکالرز' ریسرچ سکالرز اور مفکرین وغیرہ کی ایک پوری breed (نسل) سامنے آئی۔ بڑے فخر سے بیان ہوتا ہے کہ جناب یہ روایتی مولوی نہیں ہے' بلکہ یہ تو بڑے جدید سکالر ہیں۔

نام کے فرق کے ساتھ یہ معاملہ ہر دور میں سامنے آیا ہے اور خاص طور پر جب زوال ہوتا ہے تو اس میں اس طرح کی چیزیں برآمد ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی بہت سے جدید مفکّرین سامنے آئے اور انہوں نے کلام کیا۔ اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ زندقہ کا شکار ہو کر کلام کر رہے ہوں' لیکن چونکہ اس کا معاملہ نیت سے متعلق ہے' جس کو جاننے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے' لہٰذا ہم کسی کی نیت پر بات نہیں کرتے' تاہم اہلیت کا سوال بہرحال اٹھایا جائے گا۔ اور یہ بالکل genuine سوال ہے کہ Who speaks for Islam ? یعنی اسلام یا دینی موضوعات کے بارے میں کون کلام کرے گا؟ کس کو اس بارے میں گفتگو کا حق حاصل ہے؟ تو اہل الذکر ہی ہیں' جن کو گفتگو کرنی چاہیے۔ پختہ کار اور تربیت یافتہ علمائے کرام ہی کا منصب ہے کہ وہ دین کی تشریح و تعبیر میں کلام کریں۔ اب اس دور میں معاملہ یہ ہو گیا ہے کہ وہ لوگ کہ جو دینی علم میں پختہ نہیں ہیں' بلکہ دین کا باقاعدہ علم انہوں نے حاصل بھی نہیں کیا' وہ دینی معاملات میں رائے زنی کرنے لگے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ٹیکنوکریٹ ہوں' ٹیکنیکل علوم' مثلاً طب' کمپیوٹر سائنس' اکاؤنٹنگ یا کوئی بھی جدید علم انہوں نے حاصل کیا ہو' مگر دینی علوم سے ناواقف ہیں' تو ایسے لوگوں کو دین کے معاملے میں کلام کا حق حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو چاہیے کہ دین کے معاملے میں وہ عوام کی رہنمائی کے منصب پر خود کو نہ فائز کریں' کیونکہ یہ کام عالم دین کا ہے نہ کہ کسی عام آدمی کا۔

عالم کی اصطلاح ایک اضافی اصطلاح ہے

سمجھ لیجیے کہ عالم بھی ایک اضافی اصطلاح ہے' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝٧٦ ﴾ (یوسف)

''ہر عالم سے بڑا ایک عالم ہوتا ہے۔''

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں عمدہ جملہ لکھا ہے:

فوق كل ذي علم' رفعه الله بالعلم مَن هو أعلم منه حتى ينتهي العلم إلى الله تعالى

''ہر علم والا جسے اللہ نے علم کے ذریعے بلندی دی ہے کے اوپر ایک اور علم والا ہے' یہاں تک علم کلی کی انتہا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اَقدس پر ہوتی ہے۔''

دین کے بہت سارے علماء آج کل موجود ہیں‘ پھر علمائے سلف موجود ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی عالم ہیں‘ بلکہ اُن کے پاس جو علم ہے وہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے‘ وہ علم ہمارے اوسان اور گمان سے بڑا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ العلیم ہے‘ جو سب کچھ جانتا ہے اور سارا علم اُسی ذاتِ بابرکات سے پھوٹتا ہے۔ لہٰذا ’’عالم‘‘ کی اصطلاح ایک اضافی اصطلاح ہے۔ جب ہم علومِ دین کی طرف آئیں تو ہم جانتے ہیں کہ سب ایک سطح پر نہیں ہوتے‘ علماء کے بہت سے مراتب ہیں۔ بعض عالم دین ایسے ہیں جنہوں نے عمومی طور پر علم دین کی تحصیل کی ہے‘ لیکن بعض نے کچھ چیزوں میں اضافی طور پر تخصیص کے ساتھ سیکھا ہے۔ کسی نے تفسیر میں زیادہ محنت کی‘ بڑے بڑے اساتذہ سے پڑھا‘ اب یہ کہا جائے گا کہ یہ تفسیر کے عالم ہیں۔ کسی نے حدیث میں‘ کسی نے علم الکلام میں‘ کسی نے فقہ میں‘ کسی نے علوم آلیہ‘ مثلاً منطق‘ صرف ونحو‘ بلاغت اور علم بدیع وغیرہ میں تخصص کیا ہے۔ تو دین کے عمومی معاملات میں عام علمائے کرام سے رہنمائی لینا کافی ہے‘ لیکن کسی خاص میدان میں رہنمائی کے لیے اس میدان کے متخصص سے رہنمائی درکار ہو گی۔

اب ایک سوال یہ بھی ہے کہ عالم کا مصداق کون ہے‘ یعنی جس نے اگرچہ کسی شعبے میں تخصص نہ کیا ہو‘ مگر عمومی اعتبار سے اس پر عالم کا اطلاق کیا جائے‘ تو جس کے پاس درسِ نظامی کی سند ہے کیا وہی عالم ہے؟ تو یہاں اصل بات یہ ہے کہ کیا آپ نے باقاعدگی سے کئی سال لگا کر اساتذہ سے دین سیکھا ہے؟ آپ اساتذہ کے پاس گئے ہیں‘ ان سے سیکھا ہے اور ان سے کتب پڑھی ہیں؟ آپ نے ان کی صحبت اٹھائی ہے اور انہوں نے آپ کی تربیت کی ہے اور انہوں نے آپ کو درس وتدریس اور تعلیم وارشاد کی اجازت دی ہے؟ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ مختلف علماء کے پاس لوگ جاتے تھے‘ ان علماء کی ملازمت اختیار کرتے تھے‘ ان کے ساتھ رہتے تھے۔ پھر وہ ان کو مختلف علوم کی اجازت دیتے تھے‘ مخصوص کتابوں کی اجازت بھی دی جاتی اور دیگر علوم کی اجازت بھی دی جاتی تھی۔ ہمارے بہت سارے اکابر اسی طرح علم حاصل کرتے تھے۔ اس طرح کا نظام تو اب نہیں ہے‘ بس درسِ نظامی کی سند ہی ایک طرح سے اجازت ہے۔ تو اب بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے باقاعدہ علم دین کی تحصیل کی ہے‘ پھر انہیں اساتذہ کی طرف سے چاہے روایتی شخصی اجازت یا درسِ نظامی کی سند کے ذریعے اجازت دی گئی ہو‘ تو اُن ہی کا یہ کام ہے کہ وہ دین پر کلام کریں اور عوام کو بھی چاہیے کہ ان ہی علماء سے رجوع کیا کریں۔ آپ ایک عطائی کے ہتھے چڑھ گئے تو آپ کی صحت چلی جائے گی‘ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آپ کو ایک غلط انجکشن لگا دیا یا کچھ اور دے دیا‘ تو اس میں اگرچہ نقصان کا اندیشہ ہے‘ مگر یہ زیادہ سے زیادہ صحت کا نقصان ہے‘ جبکہ دینی معاملات میں ہم اگر غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ جائیں تو ہمارا ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے: ’’نیم حکیم خطرۂ جان‘ نیم مُلّا خطرۂ ایمان‘‘۔ نیم حکیم یعنی نااہل طبیب‘ ڈاکٹر کا معاملہ یہ ہے کہ یہاں تو جان کا خطرہ ہے‘ لیکن ؏ ’’یہ جان تو آنی جانی ہے‘ اس جان کی کوئی بات نہیں!‘‘ اس کے مقابلے میں سب سے زیادہ اہمیت تو مقاصدِ دین کی ہے‘ سب سے اوپر حفظِ دین ہے‘ حفظِ ایمان ہے‘ اس کے بعد حفظِ جان ہے۔ چونکہ نیم مُلّا خطرۂ ایمان ہے‘ وہ آپ کے ایمان کو زائل کر سکتا ہے‘ تو یہ بات

اہم ہے اور ہمیں اسے اہمیت دینی چاہیے۔ یعنی جو کلام کرنے والے ہیں ان کو بھی اہمیت دینی چاہیے اور جو عوام ان سے استفادہ کر رہے ہیں ان کو بھی یہ سوال اٹھانا چاہیے کہ آپ کون ہیں اور آپ کی نسبت کس سے ہے؟

اِسناد کی ضرورت و اہمیت

دین کے معاملے میں گفتگو کرنے والے سے یہ کہنا کہ آپ کون ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی علمی حیثیت کیا ہے' آپ کے اساتذہ کون ہیں اور آپ نے کس سے سیکھا ہے؟ اصطلاح میں اسے اسناد کہتے ہیں۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لَمْ يَكُوْنُوْا يَسْاَلُوْنَ عَنِ الْاِسْنَادِ' فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ قَالُوْا : سَمُّوْا لَنَا رِجَالَكُمْ' فَيُنْظَرُ اِلٰى اَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيْثُهُمْ' وَيُنْظَرُ اِلٰى اَهْلِ الْبِدْعَةِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيْثُهُمْ)) (مقدمه صحيح مسلم)

''فتنوں کے پیدا ہونے سے پہلے سند کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا' جب فتنہ رونما ہوا تو حضرات اہلِ علم حدیث بیان کرنے والوں سے کہنے لگے کہ اپنے اساتذہ کا نام بتاؤ! تفتیش کرنے کے بعد صرف اہل السنۃ رواۃ کی روایت قبول کرتے اور اہل بدعت کی روایت رد کرتے تھے۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْاِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ، وَلَوْ لَا الْاِسْنَادُ لقال مَن شَاءَ مَا شَاءَ (مقدمه صحيح مسلم)

''اسناد دین میں سے ہے' اگر یہ اسناد نہ ہوتی تو کوئی شخص جو چاہتا' وہ کہہ گزرتا۔''

اسی طرح سند اور نسبت کے متعلق دیگر ائمہ کے اقوال ہیں' وہ گویا اس دین کا جو علمی مزاج ہے اس کو define کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک جملہ عام ہے کہ یہ مت دیکھو کون کہہ رہا ہے' یہ دیکھو کہ کیا کہا جا رہا ہے؟ یہ بات محدود معنوں میں ٹھیک ہے! ایک حدیث بھی ہے کہ:

((الكَلِمَةُ الحِكْمَةُ ضَالَّةُ المُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا))

(سنن الترمذی' ح: ۲۶۸۷)

''دانائی کی بات مؤمن کی گمشدہ متاع ہے وہ جہاں بھی اسے پائے اس کا دوسروں سے بڑھ کر حق دار ہے''۔

تو یہ بات اس حد ٹھیک ہے' جیسے کہ ہمارے ہاں اس طرح کی ضرب المثل بھی ہے کہ:

خذ الحكمة من أفواه المجانين

''حکمت کی بات چاہے مجنون یعنی دیوانے کی زبان سے کیوں نہ ہو لے لو۔''

مگر یہ بات محدود معنوں میں تو ٹھیک ہے' مگر دین کا معاملہ زیادہ نازک ہے' اس لیے دین کے معاملے میں' اصول دین کے معاملے میں خاص طور پر ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ کیا کہا جا رہا ہے اور کون کہہ رہا ہے؟ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ کیا کہا جا رہا ہے' کیونکہ کلام میں جو زور پیدا ہوتا ہے وہ متکلم سے پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہا جائے کہ

"اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں" یا "رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے" تو اس کی الگ حیثیت ہوگی اور جب ہم کہیں کہ امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ یہ فرما رہے ہیں' تو اس کی الگ حیثیت ہوگی۔ اسی طرح جب ہمارے سامنے بات آجائے کہ امام اشعری رحمہ اللہ یہ کہہ رہے ہیں' یہ امام ماتریدی رحمہ اللہ کہہ رہے ہیں' یہ امام غزالی رحمہ اللہ کہہ رہے ہیں' یہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کہہ رہے ہیں۔ تو ان سب کے بلند علمی درجات ہیں' ان کے مقام و مرتبے سے بات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ بہت سے بڑے شاعر ہیں' جب ان کی کوئی غلطی نکالتا ہے کہ فلاں جگہ آپ نے قاعدے کی خلاف ورزی کی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ میاں قاعدہ واعدہ کیا ہوتا ہے؟ قاعدے تو ہمارے کلام سے متعین ہوں گے' ہمارے کلام سے لغت بنے گی' کلام سے قواعد منضبط ہوں گے۔ تو یہ بات اہم ہے کہ کون کہہ رہا ہے' اسی بات کی طرف ہمیں توجّہ دینی چاہیے۔

اکابر کو چھوڑ کر چھوٹوں سے علم حاصل کرنا

ماقبل ایک حدیث ہمارے سامنے آئی تھی جو قلّتِ علم کے بارے میں تھی' اب ایک اور حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں' جو علم کے چھوٹے پن کے بارے میں ہے:

((اِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ ثَلَاثَةً : اِحْدَاهُنَّ أَنْ يَلْتَمِسَ الْعِلْمَ عِنْدَ الْأَصَاغِرِ))

(المعجم الكبير للطبراني' ح: ۹۰۸)

"قیامت کی تین نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ علم چھوٹوں سے لیا جائے گا۔"

اب یہ چھوٹے کون ہیں' کیا عمر میں چھوٹے ہیں یا علم میں چھوٹے ہیں' مرتبے میں چھوٹے ہیں یا احترام میں چھوٹے ہیں؟ تو عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں: الأصاغر أهل البدعة "چھوٹے لوگ اہل بدعت ہیں"۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک قول منقول ہے:

((لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا أَخَذُوا الْعِلْمَ عَنْ أَكَابِرِهِمْ وَعَنْ عُلَمَائِهِمْ وَأُمَنَائِهِمْ' فَإِذَا أَخَذُوهُ مِنْ أَصَاغِرِهِمْ وَشِرَارِهِمْ هَلَكُوا)) (الآداب الشرعية والمنح المرعية)

"لوگ برابر خیر پر رہیں گے جب تک کہ وہ علم اپنے اکابر' علماء اور امانت دار لوگوں سے لیتے رہیں گے' پھر جب وہ اپنے چھوٹوں اور شریر لوگوں سے علم حاصل کرنا شروع کر دیں' تو ہلاک ہو جائیں گے۔"

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فأما صغيرٌ يؤدّي إلى كبيرِهم فهو كبير. (التخريج الصغير والتحبير الكبير)

"پس جب کوئی چھوٹا بڑوں کی طرف دوسروں کی رہنمائی کر دے تو وہ کبیر ہے۔"

یہ بہت اہم جملہ ہے کہ ایک دور کے رہنے والے علماء بھی ایک مرتبے کے نہیں ہوتے۔ ان میں سے کچھ بڑے علماء ہوتے ہیں جو سینئر علماء ہوتے ہیں اور کچھ جونیئر علماء ہوتے ہیں۔ پھر اسی طرح وہ جنہوں نے ابھی نیا نیا علم کے راستے میں قدم رکھا ہے' سب کے الگ درجات ہیں۔ ان میں سے نچلے درجے کے حضرات جب دعوت

دیتے ہیں تو اپنے سے نہیں جوڑتے بلکہ اپنے اساتذہ اور اپنے بڑوں سے جوڑتے ہیں۔ یہی ایک درست طریقہ اور سند ہے اور یہی دین کی روایت ہے۔ ابراہیم الحربی رحمہ اللہ ایک بڑے بزرگ ہیں' وہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ماقبل ذکر کردہ قول کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَنَّ الصَّغِيرَ إِذَا اَخَذَ بِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَالصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فَهُوَ كَبِيرٌ. (شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة للالكائی)

''اگر کوئی چھوٹا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' صحابہؓ اور پھر تابعینؒ سے باتیں لے کر بیان کرے تو وہ بڑا ہے۔''

تو اس تشریح سے معلوم ہوا کہ یہاں کبیر سے مطلب عمر میں بڑا ہونا یا صغیر سے عمر کا چھوٹا ہونا مراد نہیں ہے' بلکہ اصل میں علمی برتری اور مقام مطلوب ہے۔ کوئی شخص عمر میں چھوٹا ہے لیکن اس کا علمی شجرہ صحیح ہے اور وہ درست ترتیب سے مصادرِ شریعت کو برت رہا ہے تو وہ بڑا ہے۔ اور اگر کوئی بڑی عمر کا شخص ہے اور بظاہر بڑا صاحبِ علم بھی ہے' لیکن وہ بس اپنی عقل ہی کو معیار بنائے رکھتا ہے اور لوگوں کو اسلاف سے نہیں جوڑتا' اپچ نکالتا ہے' نئی نئی باتیں کرتا ہے' سنن یعنی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' ارشادات اور افعال' اسی طرح صحابہ کرامؓ سے روایات کو چھوڑ دیتا ہے تو ایسا شخص چھوٹا ہے۔ اسی مضمون کی مزید وضاحت امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

وان لناس بخير ما اخذوا العلم من اكابرهم ولم يقصم الصغير على الكبير' فاذا قام الصغير على الكبير فقد (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة' للالكائي' ص:۱۰۰)

''لوگ خیر پر رہیں گے جب تک علم اپنے بڑوں سے لیں گے اور چھوٹے بڑوں پر مسلّط نہیں ہوں گے۔ اور جب چھوٹے بڑوں پر مسلّط ہو جائیں (بڑوں کے سر پر سوار ہو جائیں' بڑوں کو dictate کرنا شروع کر دیں) تو پھر لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔''

اس قول کا مقصد یہ ہے کہ لوگ خیر پر رہیں گے جب ان کے پاس علم ان کے بڑوں کی طرف سے آتا رہے گا' جب علم ان کے چھوٹوں کی طرف سے آنے لگے گا تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ جب چھوٹا اپنے بڑوں سے کہنے لگے کہ آپ کو کیا پتا' آپ کیا جانتے ہیں؟ تو یہاں سے وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ آج آپ دیکھتے ہیں کہ دنیاوی علم میں بھی اب یہ ہو رہا ہے کہ جو نئی نسل ہے وہ اب یہ سمجھتی ہے کہ ہم ٹیکنالوجی کے لحاظ سے زیادہ literate ہیں۔ وہ اپنے باپ دادا کا مذاق اڑاتے ہیں کہ اباجی کو' داداجی کو تو موبائل کا استعمال کرنا ہی نہیں آتا' ان کو تو پتا ہی نہیں کہ message کیسے کرتے ہیں' ان کو تو پتا ہی نہیں کہ facebook کیسے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال دی ہے' لیکن یہ ہر علم میں ہو گیا ہے کہ نئے نئے لوگ آ رہے ہیں' کچھ لوگ الیکٹرانک میڈیا میں آ رہے ہیں۔ پھر وہاں سے سٹار بن رہے ہیں اور پھر وہ بڑے بڑے علماء کے منہ کو آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو تو پتا ہی کچھ نہیں ہے' یہ تو اپنے اپنے گوشوں میں بیٹھے ہیں' اصل تو ہم ہیں۔ اور انہیں دعویٰ ہے کہ ہمیں اصل مسائل کا ادراک ہے اور آپ لوگ نہیں جانتے' آپ تو اگلے زمانوں کے لوگ ہیں۔ آپ یہ پرانے لوگ اپنی باتیں اپنے تک رکھیے' اب

ان باتوں کا خریدار کوئی نہیں۔ تو یہ بہت خطرناک صورت حال ہے‘ کیونکہ اس میں اہلیت کا معاملہ یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے‘ جو ایک بڑی مصیبت ہے۔ ایک صاحب ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کے پاس گئے اور ان کو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں‘ ان سے پوچھا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے؟ کیا آپ کو کوئی مصیبت آئی ہے؟ کہنے لگے:

((لَا وَلٰكِنِ اسْتُفْتِيَ مَنْ لَا عِلْمَ لَهُ وَظَهَرَ فِي الْإِسْلَامِ أَمْرٌ عَظِيمٌ))

(جامع بيان العلم وفضله‘ ح: ۲۴۱۰)

”نہیں‘ لیکن ایسے لوگوں سے فتویٰ طلب کیا جا رہا ہے جن کے پاس کوئی علم نہیں ہے اور یہ اسلام میں بہت بڑا حادثہ ہے جو ظاہر ہو گیا ہے“۔

یہی حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض فتویٰ دینے والے ایسے بھی ہیں جو چوروں سے زیادہ اس کے حق دار ہیں کہ ان کو قید کیا جائے۔ آپ اندازہ کیجیے کہ امام اس زمانے کی بات کر رہے ہیں جو آج سے بہت بہتر تھا اور اگر آج امام ہوتے تو پتا نہیں کیا کہتے۔ یہاں تو جس کو گفتگو کرنی آتی ہے‘ جو بول بچن ہے‘ جس کو لفاظی کرنی آتی ہے‘ جو لسّان ہے‘ اُس کا سکہ چلتا ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن پر رسول اللہ ﷺ نے بھی تشویش ظاہر فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا:

((اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى هٰذِهِ الْأُمَّةِ مُنَافِقٌ عَلِيمُ اللِّسَانِ))

(شعب الايمان‘ ح: ۱۶۶۴)

”مجھے اس اُمّت پر سب سے زیادہ خوف اُس منافق کے معاملے میں ہے جو عالمِ لسان ہے۔“

عالم اللسان کا مطلب ہے کہ علم کی باتیں اور روایتیں اس کی نوکِ زبان پر تو ہیں‘ لیکن اس کے دل میں اس علم کا کوئی اثر ہے نہ اُس کے عمل پر اُس کا کوئی اثر ہے۔ اُس کا دل علم کی حقیقت اور خشیت سے خالی ہے جب کہ اس کا عمل تقویٰ اور اطاعت سے خالی ہے۔ تو اب ایسے لوگوں کا دین یا افرادِ دین کو کوئی فیض نہیں پہنچ پارہا‘ بلکہ اُلٹا یہ کسی ضرر ہی کا باعث بنتے ہیں۔

اب یہاں ایک مسئلہ تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اکابرین چلے جاتے ہیں‘ ان کی نیابت کی اہلیت نہ رکھنے والے لوگ ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ پھر جب یہ مشہور ہو جاتے ہیں تو لوگ انہیں شیخ الکل بنا لیتے ہیں اور زندگی کے ہر معاملے میں‘ دین کے ہر شعبے میں ان سے سوالات کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ یہ معاملہ اکثر تو عوام کے ساتھ پیش آتا ہے‘ مگر بعض بھلے مخلصین بھی اس trap میں آ جاتے ہیں‘ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دین کے ہر معاملے میں کلام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور پھر وہی صورت حال پیش آ جاتی ہے:

((فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا)) (صحيح البخاری‘ ح: ۱۰۰)

”پھر ان سے دینی مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے‘ پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

قاسم بن محمد رحمہ اللہ کا ایک قول ہے کہ:

لأن يعيش الرجل جاهلا خير من أن يقول على الله ما لا يعلم

یعنی یہ بات کہ آدمی جاہل رہ جائے‘ اس سے بہتر ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کرے جو وہ نہیں جانتا۔

جو قرآن مجید نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا چیزیں حرام کی ہیں‘ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

﴿وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾﴾ (البقرۃ)

’’اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں وہ بات کہو جو تم نہیں جانتے۔‘‘

یہ بہت بڑا گناہ اور حرام ہے۔ پھر اسی طرح سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٤﴾﴾ (الانعام)

’’اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے تاکہ لوگوں کو بغیر علم کے گمراہ کر دے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

یہ بہت خطرناک اور افسوس ناک بات ہے‘ جبکہ بدقسمتی سے اس دور میں یہ trends اور رویے بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔

دلیل کے قبول ہونے کے لیے اس کا معیاری ہونا ضروری ہے

آج کل یہ جملہ زبان زدِ عام ہے کہ فلاں آدمی اپنی ہر بات کی دلیل دیتا ہے‘ حالانکہ صرف دلیل کا ہونا کافی نہیں بلکہ دلیل کا معیاری ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ شرک کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤﴾﴾ (الاحقاف)

’’میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی اور مضمون منقول لاؤ اگر تم سچے ہو!‘‘

یہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے‘ وہ ان الفاظ کی شرح میں فرماتے ہیں:

’’مطلب یہ ہے کہ دلیل نقلی کے لیے ضروری ہے کہ اصل منقول عنہ کا قابل تقلید ہونا ثابت ہو اور سند اس تک متواتر یا متصل موجود ہو‘ خواہ وہ منقول عنہ کسی نبی کی کتاب ہو یا ان کا زبانی قول ہو۔‘‘

یعنی کوئی الہامی کتاب لے آؤ اور دکھا دو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے‘ اللہ نے یہ کتاب نازل کی ہے‘ اس میں یہ بات آئی ہے یا کسی نبی کی کوئی زبانی روایت جو چلی آ رہی ہے۔ یہ بات اہم ہے کہ یا تو اللہ کی کتاب میں تذکرہ ہوگا یا کسی رسول کا قول ہوگا‘ ورنہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ چنانچہ آج کل ہمارے لیے یہ رہنما اصول ہے کہ کتاب اللہ یا رسول اللہ ﷺ کے ارشادات جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تواتر سے ہم تک پہنچے ہیں ان میں کوئی ایسی بات ہوگی یا اس کی کوئی بنیاد ہوگی۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہم ہر چیز کو دلیل کے طور پر اور ثبوت کے طور پر قبول نہیں کریں گے۔

معلومات کی بہتات کی آفت

اس دور میں ایک اور آفت لاحق ہے اور وہ عمومی طور پر یہ ہے کہ ہر چیز میں بہت زیادہ excess زیادتی‘ بہت زیادہ بڑھوتری ہوئی ہے۔ چونکہ اس عہد کے بہت سے عنوانات قائم کیے گئے‘ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ: Age of excess ہے‘ ہر چیز کی excess بہتات ہے۔ ایک فتنہ لسان ہے کہ کلام بہت زیادہ ہو رہا ہے‘ گفتگو بہت زیادہ ہو رہی ہے۔ ایک بڑے صاحبِ علم یہ بات کہتے ہیں کہ اس دور کا سب سے بڑا فتنہ گفتگو کا فتنہ ہے۔ اب کلام کے لیے سوشل میڈیا آ گیا ہے اور یہ بالکل ایک personalize شے ہے۔ ہر ایک کے پاس اپنا ایک ذاتی medium ہے۔ مثال کے طور پر facebook ہے‘ twitter ہے‘ پھر اس کے بعد youtube ہے جہاں کوئی بھی شخص چینل بنا سکتا ہے‘ اس کے لیے بس اس کے پاس ایک کیمرہ اور ایک موبائل ہونا چاہیے۔ اگر اس موبائل میں کیمرہ ہے‘ تو اس میں مختلف clips بنا کر‘ دنیا کے ہر معاملے‘ ہر فیلڈ اور ہر موضوع پر بے تکلف کلام کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس پر کوئی پکڑ نہیں ہے‘ یعنی کسی مارتے ہوئے کا ہاتھ تو آپ روک سکتے ہیں‘ بولتے ہوئے کی زبان کو تو نہیں روک سکتے‘ جو اس کے منہ میں آئے گا بولتا چلا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِیَّاکُمْ وَکَثْرَةَ الْحَدِیثِ عَنِّي، فَمَنْ قَالَ عَلَيَّ فَلَا یَقُولَنَّ اِلَّا صِدْقًا، وَمَنْ تَقَوَّلَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) (مسند احمد‘ ح: ۲۲۵۳۸)

’’مجھ سے حدیث بہت زیادہ روایت کرنے سے بچو‘ پس جو بھی میرے بارے کوئی بات بیان کرے (یا مجھ سے کوئی بات منسوب کرے) وہ ہرگز ہرگز کوئی بات نہ کرے سوائے سچائی کے‘ اور جو کوئی ایسی بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔‘‘

ان الفاظ سے ہمارا استدلال یہ ہے کہ کثرت میں غلطی کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے‘ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے احتیاط کی تعلیم دیتے ہوئے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

انفرادیت پسندی کا فتنہ

ایک اور فتنہ جو عام ہوا ہے‘ وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو شوق چرایا ہے کہ نئی نئی باتیں نکالنا‘ Novelty پیدا کرنا۔ بہت سے لوگ ہیں جو اس فتنے کا شکار ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے تو روایتی دین بھی حاصل کیا ہے‘ ان میں بھی یہ چیز پیدا ہو گئی ہے کہ اگر ہم وہی روایتی باتیں کرتے رہے جو سب کر رہے ہیں...... تو کیوں نہ ہم کچھ نیا پیش کریں۔ یہ نیا پیش کرنے کا جذبہ شہرت اور نام و نمود کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے‘ چنانچہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ایک مضمون لکھا‘ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ علماء اور مصلحین کے کیا فتنے ہیں؟ ان میں سے ایک یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ شہرت کی خواہش اور ہردلعزیزی۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہردلعزیزی کا فتنہ کہ مجھے کوئی اپنی جگہ نکالنی ہے‘ بڑوں کی باتیں کرتے رہیں تو اس سے کیا ہوگا؟ اس سے تو لگے گا کہ ان کا اپنا تو کوئی دماغ ہے ہی نہیں‘ کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے‘ چنانچہ پھر وہ اس کے لیے نئی نئی چیزیں نکالتے ہیں۔ اسی لیے بعض علماء یہ کہتے

ہیں کہ لوگوں میں انفرادیت کی جوخواہش ہے کہ انسان شریعت کے معاملے میں اپنی عقل سے گفتگو کرے‘ اس سے ہمارے بڑے بچتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تین جلیل القدر شاگرد ہیں: امام ابویوسف‘ امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ‘ ان کو یہ بات پسند نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی باتیں کریں‘ بلکہ انہوں نے اپنے استاذ کے علوم کو منتقل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے علوم زیادہ تر ان کے شاگردوں کے ذریعے منتقل ہوئے۔ یہ جلیل القدر شاگرد اپنے استاذ کے علوم کا انتساب اپنی طرف کر سکتے تھے اور ان پر اپنا نام لگا سکتے تھے‘ لیکن انہوں نے اپنے اساتذہ کے علوم کو ان کے حوالے سے نشر کرنے کا اہتمام کیا۔

اسی طرح فلسفے کے میدان میں ایک بہت بڑا فرد ہے افلاطون‘ یہ اتنا بڑا شخص ہے کہ ایک بڑا امریکن فلاسفر White Hadak or Alfred North Whitehead یہ کہتا تھا کہ مغرب کا فلسفہ کیا ہے؟ وہ تو بس ایسا لگتا ہے کہ افلاطون پر کسی نے حاشیے لکھے ہیں‘ افلاطون کے dialogues ہیں‘ مگر حسن کی بات یہ ہے کہ اس کے ان ڈائیلاگ میں وہ اپنے استاد سقراط کے مکالمے نقل کرتا ہے۔ اسی طرح ہماری روایت میں بھی مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کتنے بڑے آدمی تھے‘ کتنے بڑے عارف تھے‘ کتنے بڑے شاعر تھے‘ مگر ان کے غزل کے دیوان کا نام ’’دیوانِ شمس‘‘ ہے۔ اور کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ شمس تبریزی رحمہ اللہ کی غزلیں ہیں‘ حالانکہ وہ مولانا رومی رحمہ اللہ کی اپنی غزلیں ہیں‘ مگر اس میں انہوں نے ’’دیوانِ شمس‘‘ کا عنوان قائم کیا۔ ہمارے قریب کے دور کے مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ ہیں‘ انہوں نے تفسیر لکھی اور اس تفسیر کا نام ’’تفسیر مظہری‘‘ رکھا جو دراصل انہوں نے اپنے شیخ حضرت مرزا مظہر علی جانِ جاناں رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا۔ تو یہ بات بہت اہم ہے کہ نئی نئی باتیں نکالنا قابلِ تحسین نہیں ہے۔ سیدنا علی بن حسین زین العابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لیس ما لا یعرف من العلم‘ إنما العلم عرف و تواتر علیه الألسنة

یعنی ’’وہ چیزیں جو پہچانی نہیں جاتیں‘ نئی نئی ہیں‘ اچھوتی ہیں‘ وہ علم میں سے نہیں ہیں‘ بلکہ علم تو وہ ہے جو معروف ہے‘ جو جانا پہچانا ہے اور جو زبانوں پر تواتر سے چلا آ رہا ہے۔‘‘

اسی طرح ابراہیم بن ابی عبلہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

من حمل شاذ العلم حمل شراً کثیرا

’’جو شاذ علم اٹھائے پھرتا ہے (یا جو شاذ علم کا career بنتا ہے) گویا وہ بہت بڑا شر اپنے اوپر لیے پھرتا ہے۔‘‘

بہر حال‘ یہ انفرادیت پسندی اور نیا پیش کرنے کا ایک شوق ہے جس نے اس دور میں بہت سے لوگوں کو خراب کیا ہے۔

اجتہاد اور اس کی اہلیت وصلاحیت

اگر ہم بغور جائزہ لیں تو قرآن وسُنّت کی تعلیمات میں کامل مہارت اور نصوص کی باریکیوں سے انتہائی واقفیت کے بعد ہی کسی کے اندر وہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے‘ جو پیش آمدہ مسائل میں رہنمائی کا کام سرانجام دے سکے۔ چنانچہ نئے پیش آنے والے مسائل میں انفراداً اور اجتماعاً صحیح فیصلہ کرنے کی استعداد اور صلاحیت واہلیت ہی

اجتہاد کہلاتا ہے۔ اب یہاں ایک اور امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ قرآن کریم کا متن چونکہ قطعی الدلالہ ہے' جبکہ احادیث مبارکہ ساری کی ساری قطعی الدلالہ نہیں ہیں' تو اجتہاد کے لیے سب سے پہلے تو روایات کا ثبوت تک پہنچانا بہت ضروری ہے' لیکن جب احادیث ٹھیک ہوں' ان کی اسنادی حیثیت پر کوئی کلام نہ ہو تو پھر دوسرا درجہ نصوص سے استنباط کرنا ہے۔ اسی طرح احادیث کی صحت کا ثبوت اور نصوصِ دینیہ قرآن و حدیث سے استنباط' یہ دونوں اجتہادی امر ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کام کون کرے گا؟ ظاہر ہے یہ کام علمائے کرام ہی کریں گے اور علماء نے یہ کام ہمیشہ سے کیا ہے۔ ماضی میں اہلِ علم' ان نصوص کی شرح اور استنباط کرتے آئے ہیں اور یہ بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کسی صاحب سے سہو نہ ہوا ہو' کوئی غلطی نہ ہوئی ہو' کوئی تساہل نہ ہوا ہو۔ مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ آج لوگ اٹھیں اور کہیں کہ پرانے لوگوں نے بھی یہ باتیں کی تھیں تو ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے۔ یہاں پر بھی اہلیت کی بات ہوگی' یہ ہر آدمی کا کام نہیں ہے کہ وہ اٹھے اور اجتہاد کرنا شروع کر دے۔ علامہ اقبال اجتہاد کے بہت زیادہ شائق تھے اور یہ ان کا بڑا محبوب موضوع تھا' خطبات میں بھی انہوں نے پورا ایک باب "The Principle of Movement in the Structure of Islam" شامل کیا اور اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ ''اسلام میں اجتہاد کی تحریک کے اصول''۔ لیکن علامہ اقبال بھی ایک جگہ پر یہ کہتے نظر آتے ہیں: ؎

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

علامہ اقبال یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ رفتگاں' یعنی جو دنیا سے جا چکے ہیں ان کی اقتدا' عالم کم نظر کے اجتہاد کی تقلید سے بہتر ہے۔ علامہ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ ان کے زمانے میں اجتہاد اور تجدید کا آوازہ بہت لگ رہا تھا اور اس کا نتیجہ بہت بھیانک ہے۔ علامہ کا ایک اور شعر بھی ہے: ؎

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

آج بھی آپ دیکھ لیں کہ جو نئے متجدد و محقق ہیں' ان کو اصلاً متحقق کہنا زیادہ بہتر ہے' یہ کوشش کر رہے ہیں کہ مغرب کو کسی طرح Islamize کر لیں' اسلام کو Westernise کر لیں۔ حالانکہ ان لوگوں کے اندر اجتہاد کی کوئی صلاحیت کا سرے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' بلکہ ان کا کردار بھی مشکوک ہوتا ہے۔ بہر حال' اجتہاد کے لیے اہلیت بہت ضروری ہے۔ یہاں ایک بات کی طرف توجہ کی ضرورت ہے' یہ جو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ' وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ)) (صحیح البخاری' ح:۷۳۵۲)

''جب حاکم یا قاضی فیصلہ کرتا ہے اور اجتہاد کرتا ہے اور پھر صحیح رائے تک پہنچ جاتا ہے' تو اُس کے لیے دوہرا اجر ہے' اور اگر وہ فیصلہ کرتا ہے' اس میں اپنی پوری کوشش کرتا ہے اور چوک جاتا ہے تو اس کے لیے اکہرا اجر ہے۔''

پیچھے ہم نے حدیث میں دیکھا تھا کہ اہل' علمائے کرام جب اُٹھ گئے تو نااہلوں کو لوگوں نے پیشوا بنا لیا۔ اب یہ جو حدیث میں آیا کہ اجتہاد میں درست فیصلہ کرنے والے کو دوہرا اجر ملے گا اور خطا کرنے والے کو اکہرا اجر ملے گا' تو

اس کا انحصار بھی اہلیت پر ہے۔ ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وانما یُؤجر الحاکِم اِذا اخطأَ اِذا کَانَ عَالما بِالِاجْتِهادِ فاجتهد وَاَمّا اِذا لم یکن عَالما فَلَا (فتح الباری)

''جب حاکم اجتہاد کے لائق عالم ہو پھر وہ اجتہاد کرے تو اُسے خطا پر اَجر دیا جائے گا اور جب کہ وہ عالم نہ ہو تو وہ اجر کا حق دار نہیں ہے۔''

چنانچہ یہ بہت اہم بات ہے کہ وہ حاکم جس کو خطا پر اجر دیا جائے گا' یہ وہ ہے جو اجتہاد کا علم و اہلیت رکھتا ہو' اور جو عالم ہی نہیں ہے تو اُس کے اجتہاد کی کوئی وقعت ہی نہیں ہے' بلکہ اس کو اجتہاد کی اجازت ہی نہیں ہے' تو وہاں اجر کا کیا سوال ہے۔ پھر علامہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

((اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: قَاضِيَانِ فِي النَّارِ وَقَاضٍ فِي الْجَنَّةِ. قَاضٍ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ ' وَقَاضٍ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ مُتَعَمِّدًا فَهُوَ فِي النَّارِ' وَقَاضٍ قَضَى بِغَيْرِ عِلْمٍ فَهُوَ فِي النَّارِ)) (مستدرک حاکم)

''قاضی تین ہوتے ہیں: دو قاضی تو دوزخ میں جائیں گے اور ایک قاضی جنت میں ہوگا۔ ایک قاضی وہ ہے جو حق کو پہچانتا ہے اور اُسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو وہ جنت میں جائے گا' اور ایک قاضی وہ ہے جو حق کو جانتا ہے لیکن جان بوجھ کر ناحق فیصلہ کرتا ہے یہ دوزخ میں جائے گا' اور تیسرا قاضی وہ ہے جو بغیر علم کے فیصلہ کرتا ہے یہ بھی دوزخ میں جائے گا۔''

یہاں دیکھیں کہ تیسرے قاضی کے فیصلے کے درست یا غلط ہونے کے بارے میں بات نہیں کی گئی' بلکہ اُس کی اہلیت پر بات کی گئی کہ وہ بغیر علم کے فیصلے کر رہا ہے تو اُسے دوزخ کی وعید سنائی گئی۔ یہ وہ قاضی ہے جو نہ رشوت لے رہا ہے' نہ جان بوجھ کر غلطی کر رہا ہے اور نہ ہی اس کی نیت میں خرابی ہے' بلکہ وہ یہ کام بالکل نیک نیتی سے کر رہا ہے' لیکن اُس کے پاس علم کی کمی اور اہلیت کا فقدان ہے' جس کی وجہ سے اس کا سارا کام غلط قرار دے دیا گیا۔ لہٰذا صرف نیک نیتی کافی نہیں ہے' بلکہ کسی دینی امر میں گفتگو کرنے کے لیے مطلوبہ اہلیت و صلاحیت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مخلصین دین کی بات کر رہے ہیں' احادیث کے بارے میں کلام کر رہے ہیں اور کوئی بری نیت نہیں ہے' کوئی mal intention نہیں ہے' لیکن محض صحیح نیت' صحیح علم کا قائم مقام نہیں ہے۔ چنانچہ بغیر اہلیت کے جو رائے دی جائے وہ بہر حال تفسیر بالرائے الفاسد کہلائے گی اور تفسیر بالرائے المذموم ہی کہلائے گی۔ اجتہاد کے بارے میں امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انما یُؤجر الْمُجْتَهد اِذا کَانَ جامع الآلة الِاجْتِهاد فَهُوَ الَّذِي نعذره بالْخَطَأ بِخِلَافِ الْمُتَکَلّف فیخاف عَلَیْهِ (فتح الباری)

''مجتہد کو اس صورت میں اجر دیا جائے گا کہ جب وہ آلۂ اجتہاد کا جامع ہو' (اجتہاد کے لیے جو بھی tools درکار ہیں' وہ اس کے پاس موجود ہیں) اجتہاد میں خطا ہونے پر ایسے ہی شخص کا عذر قبول کیا جائے گا'

برخلاف متکلّف کے کہ اس پر تو عذاب کا اندیشہ ہے۔‘‘

امام خطابی رحمہ اللہ کے قول میں متکلّف کا لفظ آیا ہے‘ جو ہمارے علمی ورثے کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی چیز کے بارے میں سوال پوچھا گیا‘ جو واضح نہیں تھی‘ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ)) (صحیح البخاری)

’’ہمیں تکلف سے روکا گیا ہے۔‘‘

متکلّف وہ ہے کہ جسے علم وفہم کچھ بھی نہیں ہے‘ معلوم کچھ نہیں ہے‘ نہ اس نے علوم سیکھے‘ نہ زبان آتی ہے‘ نہ اس کو طریقہ استنباط کا کچھ پتا ہے‘ لیکن بس اپنی Gut feeling (چھٹی حس) سے یا حالات کو دیکھ کر ایک feeling سے یا اپنی طرف سے کوئی بات نکال کر کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے اکہرے ثواب کا کیا سوال‘ بلکہ ڈر ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اسے آخرت میں دُرّے لگیں۔ متکلف کی عام عادت یہ ہے کہ اس سے چاہے پوچھا نہ جائے پھر بھی آگے بڑھ کر جواب دینے کی کوشش کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ:

((لَا يَقُصُّ اِلَّا أَمِيرٌ أَوْ مَأْمُورٌ أَوْ مُخْتَالٌ))(سنن ابی داؤد‘ ح: ۳۶۶۵)

’’کسی اہم معاملے میں گفتگو نہیں کرے گا سوائے امیر یا اُس کی طرف سے مامور یا کوئی متکبر شخص۔‘‘

وعظ یا دینی بات نہیں کرے گا مگر یا تو حکمران جو اتھارٹی رکھتا ہے یا وہ جسے حکمران مامور کرتا ہے‘ جبکہ اولوالامر میں حکمران اور علماء دونوں شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کسی اتھارٹی پر نہیں ہے‘ نہ دینی اتھارٹی ہے اور نہ ہی سیاسی اتھارٹی پر‘ لیکن اس کے باوجود پیشوائی جتلا رہا ہے تو یہ متکلّف ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ:

((لَا يَقُصُّ عَلَى النَّاسِ اِلَّا أَمِيرٌ أَوْ مَأْمُورٌ أَوْ مُرَاءٍ))(مسند احمد‘ح: ۶۶۶۱)

’’لوگوں میں وعظ و بیان نہ کرے مگر یا تو امیر یا اُس کا مقرر کردہ کوئی شخص یا شیخی خور۔‘‘

یہ تیسرا آدمی دکھاوا کرنے والا ہے یا شیخی خور ہے‘ show off کرتا ہے‘ تو کہا کہ کوئی آدمی خود سے آگے بڑھے تو یہ بھی اچھی بات نہیں ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے:

((مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهُ عَلَى مَنْ اَفْتَاهُ)) (سنن ابی داؤد‘ح: ۳۶۵۷)

’’جس شخص کو کسی دوسرے نے بغیر علم کے فتوی دے دیا (اور اس سے کوئی غلط کام ہو گیا) تو اس کا گناہ غلط فتویٰ دینے والے کو ہوگا۔‘‘

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اہلیت کا سوال عموماً ہر موضوع میں پیدا ہوتا ہے‘ مگر دین کی بات بہت زیادہ حساسیت کی حامل ہے۔ اس لیے یہ سوال دین کے ہر موضوع میں پیدا ہوگا‘ احادیث اور احادیث فتن اور اشراط السّاعۃ میں بھی پیدا ہوگا کہ آپ جو ان موضوعات پر کلام کر رہے ہیں‘ ٹھیک ہے آپ صحافی ہوں گے‘ آپ دانشور ہوں گے‘ آپ بیوروکریٹ ہوں گے‘ آپ نام نہاد مفکّر ہوں گے‘ آپ جدید معنوں میں intellectual ہوں گے۔ آپ نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں اور دوسری چیزوں میں بہت کارنامے انجام دیے ہوں گے۔ لیکن یہ آپ کی فیلڈ نہیں ہے۔ یہاں آپ کو گفتگو کرنے کی اجازت نہیں ہے‘ یہاں آپ کے لیے خاموشی ہی بہتر ہے۔

علم دین معتبر اساتذۂ فن سے حاصل کیا جائے

اہلیت کے ساتھ یہ سوال بھی اہم ہے کہ آپ نے دین کا علم کہاں سے حاصل کیا‘ کن کن اساتذہ سے رجوع کیا اور کیا سیکھا؟ یہ سوال اس لیے اہم ہے کہ علم دین سینہ بسینہ منتقل ہوا ہے اور یہی اس کا معتبر ذریعہ ہے۔ ہوسکتا ہے کسی شخص نے ماہر اساتذہ کی نگرانی کے بغیر محض اپنے ذاتی مطالعے سے علم حاصل کیا ہو‘ مگر وہ زیادہ معتمد ذریعہ نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا امکان ہے کہ Self taught لوگ ہوتے ہیں اور خود سے کتابیں پڑھ پڑھ کر بہت اچھی استعداد بھی پیدا کر لیتے ہیں‘ لیکن بہر حال‘ یہ معاملہ خطرناک ہے۔ اس موضوع کے اعتبار سے امام شاطبی رحمہ اللہ نے ’’الموافقات‘‘ کے شروع میں کچھ مقدمات لکھے ہیں‘ وہ سارے پڑھنے چاہئیں‘ لیکن خاص طور پر مقدمہ نمبر بارہ میں انہوں نے اس بحث کو موضوع بنایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ علم کے حصول کا سب سے زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ محققین سے لیں۔ ساتھ ساتھ وہ ایک سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا بغیر معلّم کے علم حاصل ہو سکتا ہے؟ امکان تو اس کا بہر حال موجود ہے اور ہوسکتا ہے‘ مگر علم کو معلّم ہی سے لینا چاہیے‘ کیونکہ یہ زیادہ محفوظ راستہ ہے۔ اسی طرح اگر آپ بڑے علماء سے علم لیں‘ تو پھر بھی یہ سوال رہے گا کہ علماء کو بھی تو عصمت حاصل نہیں ہے‘ بر بنائے طبع بشری ایک بڑے عالم سے بھی چوک ہوسکتی ہے‘ کیونکہ ہر عالم کی ضلات ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہاں بھی دونوں باتیں صحیح ہیں‘ لیکن بہر حال علم کو معلّم ہی سے لینا چاہیے۔

چنانچہ دوسرے سوال کے جواب میں وہ کچھ ہدایات ارشاد فرماتے ہیں کہ محقق عالم کون ہے اور اس کی تفصیل میں وہ فرماتے ہیں: اَلْعَمَلُ بِمَا عَلِمَ ’’اپنے علم پر عامل ہو‘‘۔ تفصیل میں لکھتے ہیں کہ عالم معلّم کے قول و فعل میں مطابقت ضروری ہے اور اگر ان میں تضاد ہو تو یہ اس لائق نہیں ہے کہ اس سے علم حاصل کیا جائے اور نہ اس لائق کہ اس کی پیروی کی جائے۔ دوسری شرط بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: أَنْ يَكُونَ مِمَّنْ رَبَّاهُ الشُّيُوخُ فِي ذٰلِكَ الْعِلْمِ ’’معلّم نے اس علم کے شیوخ اور ماہرین سے ملازمت رکھی ہو اور ان سے علمی تربیت پائی ہو۔‘‘ تفصیل میں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور سیرت کے کچھ واقعات سے استشہاد کیا ہے۔ تیسری شرط عملی اور اخلاقی تربیت کے متعلق ہے‘ فرماتے ہیں: الِاقْتِدَاءُ بِمَنْ أَخَذَ عَنْهُ وَالتَّأَدُّبُ بِأَدَبِهِ ’’معلّم نے اپنے اساتذہ کی اقتدا کی ہو اور ان سے آداب سیکھے ہوں۔‘‘

اس کے بعد انہوں نے محققین اہلِ علم سے اخذِ علم کے دو طریقے بیان کیے ہیں:

وَإِذَا ثَبَتَ أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ أَخْذِ الْعِلْمِ عَنْ أَهْلِهِ‘ فَلِذٰلِكَ طَرِيقَانِ: أَحَدُهُمَا: الْمُشَافَهَةُ ‘ وَهِيَ أَنْفَعُ الطَّرِيقَيْنِ وَأَسْلَمُهُمَا.

’’جب یہ ثابت ہو چکا کہ علم اہل لوگوں سے حاصل کرنا چاہیے تو اس کے دو طریقے ہیں‘ ان میں پہلا طریقہ تو بالمشافہ علم حاصل کرنا ہے‘ اور یہ دونوں طریقوں میں سے بہتر اور محفوظ تر طریقہ ہے۔‘‘

اس کے بعد انہوں نے کچھ احادیث و آثار سے اپنی بات کو محقق کیا ہے۔ پھر دوسرے طریقے کی طرف رہنمائی

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوسرا طریقہ مصنّفین کی کتابوں اور مُدوّنات کا مطالعہ ہے جو کچھ شرطوں کے ساتھ فائدہ مند ہے۔ پہلی شرط کے مطابق آپ بتاتے ہیں کہ پہلے انسان کو چاہیے کہ جس میدان کی کتب کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے‘ اس کی ابتدائی باتیں سیکھ لے اور اس میدان کی علمی اصطلاحات سے واقفیت پیدا کرلے۔ اب یہ جو واقفیت ہے یہ کہاں سے آئے گی؟ فرماتے ہیں: وذلك يحصل بالطريق الأول‘ ومن مُشَافَهَةِ الْعُلَمَاءِ.
’’یہ حصولِ علم کے پہلے طریقے یعنی علمائے کرام سے بالمشافہ حاصل ہوگی‘‘۔ اب یہ بات خاصی اہم ہے یعنی کتابوں سے علم حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کا سارے کا سارا انحصار کتابوں کے مطالعے پر ہو‘ بلکہ ابتدائی علم تو آپ کو بہرحال اساتذۂ کرام ہی سے حاصل کرنا ہے تاکہ مزید مطالعے کے لیے آپ کی بنیادیں مضبوط ہوسکیں۔ لہٰذا سب سے بہتر تو یہ ہے کہ بالمشافہ ملیں‘ یعنی براہِ راست (direct) اساتذہ سے لیں‘ یہ بہترین طریقہ ہے۔ البتہ دوسرے درجے میں کتابوں سے بھی لیا جاسکتا ہے۔ لیکن کتابوں سے لینے کی بھی کچھ احتیاطیں ہیں‘ ان کو برتنے کی ضرورت ہے۔ تو جن حضرات کو بھی اس موضوع سے شغف ہے تو وہ امام شاطبی رحمہ اللہ کی کتاب ’’الموافقات‘‘ کے مقدمات میں سے خاص طور پر بارہ نمبر مقدمہ کو دیکھ لیں۔

پاپائیت کا الزام اور اس کی حقیقت

بہرحال‘ خلاصہ یہ ہے کہ ہر علم میں یا ہر ڈسپلن میں کلام کرنے کے لیے یا کوئی رائے رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ اہلیت درکار ہوتی ہے۔ جبکہ آج کل دین کے معاملے میں کئی لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہاں تو بس Free for all والا معاملہ ہے‘ کوئی بھی شخص کوئی بھی بات کرسکتا ہے۔ اور اگر کہیں کسی کو توجہ دلائی جائے اور بتایا جائے کہ آپ کو اس حوالے سے گفتگو کرنے کا حق نہیں ہے یا آپ کے اندر اہلیت نہیں ہے‘ تو جھٹ سے ایک بات کہی جاتی ہے کہ یہ تو پاپائیت ہے اور آپ دین میں پاپائیت قائم کر رہے ہیں۔ اگر پاپائیت سے مراد کوئی ایسی کلاس یا کوئی ایسی شخصیت ہے جس کو عصمت کا مقام حاصل ہو یا جس کو روح القدس گائیڈ کرتے ہوں‘ جو ہر طرح کی غلطی اور کوتاہی سے پاک ہو اور اس کا کہا گویا خدا کا کہا ہو‘ اور اُس کی بات کا انکار کرنا یا اُس کی بات پر کوئی سوال اٹھانا یا اُس کی بات پر کوئی اعتراض کرنا یا اس کی بات کے بارے میں کوئی اشکال کسی کے ذہن میں پیدا ہونا ناجائز ہو‘ تو ان معنوں میں تو پاپائیت اسلام میں نہیں ہے۔ مگر اس طعنے سے اہلیت کی شرط ختم نہیں کی جاسکتی‘ خواہ معاملہ دین کا ہو یا کسی اور دنیوی فیلڈ کا ہو اہلیت بہرحال شرط ہے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ یہ پاپائیت کی اصطلاح ایک توہین آمیز اصطلاح (derogative term) اور یہ اصطلاح پروٹسٹنٹس فرقے کی طرف سے سامنے لائی گئی تھی۔ چونکہ کیتھولک ازم (Catholicism) میں پوپ کا ایک خاص مرتبہ ہے اور اس کے وہ اوصاف ہیں جو ماقبل بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی کیتھولکس یہ سمجھتے ہیں کہ پوپ ملہم اور انسپائرڈ (Inspired) ہے یعنی اس پر الہام ہو رہا ہے‘ القا ہو رہا ہے‘ مقدّس روح (Holy ghost) یا ہولی اسپرٹ (Holy spirit) پوپ کی رہنمائی کرتی ہے۔ اس طرح پوپ کو تقریباً ایک بے خطا ہستی سمجھا جاتا ہے۔ مگر اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ مقام و مرتبہ صرف انبیاء علیہم السلام

کو حاصل ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ (appointed) ہوتے ہیں اور معصوم ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام مفترض الطاعۃ ہوتے ہیں یعنی ان کی اطاعت فرض ہوتی ہے' ارشادِ ربانی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی' اُس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ اے نبی! آپ ملول ہوتے ہیں کہ یہ آپ کی توہین و تضحیک کر رہے ہیں اور آپ کی بات کو قبول نہیں کر رہے ہیں' تو فرمایا:

﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳﴾ (الانعام)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ آپ کو تھوڑی جھٹلاتے ہیں بلکہ یہ ظالم لوگ تو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔''

لہٰذا نبی کی بات گویا اللہ کی بات ہوتی ہے:

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

بہرحال' اسلامی تعلیمات کی رو سے ''عصمت'' خاصۂ نبوت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیّین بھی ہیں اور خاتم المعصومین بھی ہیں۔ اہل تشیّع کے ہاں جو تصوّرِ امامت ہے اس میں بھی عصمت پائی جاتی ہے اور یہ عصمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔ وہ بارہ ائمہ کے بارے میں عصمت کے قائل ہیں۔ ان کے ہاں کل تعداد معصومین کی ویسے تو اور بھی زیادہ ہے' لیکن چودہ ہستیوں کو وہ بڑے معصومین مانتے ہیں۔ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں' پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور پھر بارہ ائمہ ہیں۔ البتہ اہل السنۃ کا معاملہ یہ نہیں ہے' بلکہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی جو اہل السنۃ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل البشر ہیں' تمام نبیوں کی اُمتوں میں سے بھی کوئی غیر نبی شخص سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبے کا نہیں ہے' ان کو بھی عصمت کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپؓ نے بھی یہ کہہ دیا کہ اب وحی کا دروازہ بند ہو گیا ہے' اگر میں تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق چلاؤں تو میری بات مانو اور اگر میں اس سے انحراف کروں تو میری بات تم نے نہیں ماننی۔ یہ انتہائی اہم بات ہمارے سامنے ایک اشکال کی صورت میں سامنے آئی جو حقیقت بھی ہے کہ اسلام میں کوئی پاپائیت نہیں ہے۔ لیکن یہ بات کہ کوئی درجہ بندی (hierarchy) ہی نہیں ہے' کوئی مراتب ہی نہیں ہیں' تو یہ بات بھی انتہائی خلافِ حقیقت ہے۔

دنیا میں کوئی بھی سماج ایسا نہیں ہوتا جو classless ہو۔ کارل مارکس نے ایک کلاس لیس سوسائٹی کا خواب دیکھا تھا اور پھر مزید آگے بڑھ کر ایک سٹیٹ لیس سوسائٹی کا خواب بھی دیکھا کہ سٹیٹ بھی جھڑ (wither away) جائے گی اور کلاسز (classes) ختم ہو جائیں گی۔ یہ کارل مارکس کا خواب ہی تھا اور خواب ہی رہا' کیونکہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ دنیا میں مراتب ہوتے ہیں' درجہ بندیاں ہوتی ہیں۔ اور مزید یہ کہ بحیثیت مسلمان ہم تو یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ درجہ بندیاں نہ صرف یہ کہ دنیا میں ہیں اور رہیں گی بلکہ آخرت میں بھی ہوں گی' یعنی جنت بھی

کوئی سپاٹ مقام نہیں ہے' جنت کے بھی مراتب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مطلع فرمایا ہے کہ جو نچلی جنت والے ہوں گے وہ اعلیٰ درجے کے جنت والوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے تم آسمان میں کوئی بہت دور کے ستارے کو دیکھتے ہو۔ اسی طرح سے جہنم بھی ایسا نہیں ہے کہ وہ کلاس لیس ہے' اس کے بھی درجات ہیں' یعنی جس طرح جنت کے درجات ہیں' ایسے ہی جہنم کے بھی درجات ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ درجہ بندی جس طرح ہر میدان میں ہے اسی طرح علمی دنیا میں بھی ہے' چنانچہ ہمارے یہاں درجہ بندی کی بنیاد مطلوبہ اہلیت ہے۔ علمائے دین میں سے جو حضرات مطلوبہ اہلیت کے حامل ہیں تو انہیں اتھارٹی حاصل ہے کہ وہ دین کی تعلیمات کی تشریح کریں اور ان میں کلام کریں۔ جس طرح آپ دنیا کے ہر علم میں اتھارٹی اور hierarchy کو قبول کرتے ہیں اسی طرح دین میں بھی آپ کو یہ مراتب قبول کرنے چاہئیں۔ ذرا سا غور کریں تو یہ بات انتہائی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ دینی علم میں اتھارٹی کے نظام کو تو آپ گالی دیتے ہیں اور ''پاپائیت'' کی توہین آمیز اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اگر یہ پاپائیت ہے تو پھر یہ بتائیے کہ طبعیات (Physics) میں پاپائیت کیوں ہے؟ فلکیات (Astronomy) میں کیوں ہے؟ کیمیا (Chemistry) میں کیوں ہے؟ ریاضی (Mathematics) میں' نفسیات (Psychology) میں' عمرانیات (Sociology) میں پاپائیت کیوں ہے؟ یعنی جس معنیٰ میں آپ دینی علم میں اتھارٹی کے نظام کو پاپائیت کہتے ہیں' اس طرح کی ''پاپائیت'' تو آپ ہر ڈسپلن میں مانتے ہیں۔ اور جب کوئی بھی آدمی کوئی کلام کرتا ہے یا کوئی کتاب لکھتا ہے یا کوئی مقالہ (article) لکھتا ہے' تو پہلے اس سے آپ اس کی اسناد (credentials) پوچھتے ہیں کہ آپ کہاں سے پڑھے ہیں' آپ کی کیا اہلیت و قابلیت ہے؟ تو اسی اصول کو دین کے معاملے میں کیوں تسلیم نہ کیا جائے؟

بہر کیف' اصل بات یہ ہے کہ جس طرح مختلف شعبہ ہائے زندگی میں یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ جو جس شعبے سے وابستہ ہے اور اس میں اسے مہارت ہے' اسے اس کے لیے اہل سمجھا جاتا ہے کہ اسے یہ حق ہے کہ وہ اس کے متعلق کلام کرے اور اس کے متعلق اپنی رائے پیش کرے۔ اسی طرح یہ اصول' دین کے متعلق بھی تسلیم کیا جائے گا کہ اس میں بھی وہ لوگ گفتگو کریں گے جو اصحابِ علم ہیں' اس سے وابستہ ہیں اور جنہوں نے اپنی زندگیاں اسے سمجھنے اور سمجھانے میں صرف کی ہیں' کیونکہ اُن ہی کے اندر اس کی اہلیت و استعداد ہے۔ ظاہر بات ہے یہ ایک معقول رویہّ ہے کہ ہر صاحب فن کو اپنے فن کے متعلق کلام کرنے کا حق دیا جائے' اور ایسے لوگوں کو جنہیں کسی فن کی مبادیات بھی پتا نہ ہوں انہیں یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ رائے زنی کریں اور اپنی طرف سے بلا سوچے سمجھے گفتگو کریں۔ اور جب یہ اصول ایسے شعبوں میں جن کا تعلق دُنیوی معاملات سے ہے' تسلیم کیا گیا ہے تو دین کا معاملہ تو ہر لحاظ سے بڑا نازک ہے' اس لیے یہاں تو اسی اصول کی پیروی عقلی اور شرعی دونوں اعتبار سے بھی ضروری ہے' اسے پاپائیت قرار دینا محض جہالت و نادانی ہے۔

❀❀❀

مباحثِ عقیدہ (۱۳)

مؤمن محمود

خطبہ مسنونہ کے بعد!

﴿وَلَوۡلَاۤ اِذۡ دَخَلۡتَ جَنَّتَکَ قُلۡتَ مَا شَآءَ اللّٰہُ ۙ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۚ اِنۡ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنۡکَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾﴾ (الکھف)

''اور جب تُو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تُو نے یوں کیوں نہ کہا: ماشاء اللہ! (یعنی یہ سب اللہ کے فضل وکرم سے ہے۔) اللہ کے بدون کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں۔ اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد میں کم ہوں۔''

اَسماءِ حسنیٰ اور ان کے احوالی نتائج

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے صفت ارادہ کے حوالے سے کچھ باتیں عرض کی جا چکی ہیں اور امید ہے کہ آج صفت ارادہ کی بحث ہم اختتام اور تکمیل تک پہنچا ئیں گے۔ میں نے ابتداء میں امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتاب ''المقصد الاسنیٰ فی شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ'' کا ذکر کیا تھا۔ اس میں وہ جس اسم کو بھی لے کر آتے ہیں اور اس کی شرح بیان کرتے ہیں تو ساتھ یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس اسم کے مقابل انسان کے اندر کیا عبودی احوال پیدا ہونے چاہئیں اور عبودیت کے کون کون سے مظاہر اس کے جوارح سے ظاہر ہونے چاہئیں۔ اگر اللہ قادر ہے (صفتِ قدرت کے مطابق)' اللہ مرید ہے (صفتِ ارادہ کے مطابق)' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ارادے کے بغیر دنیا میں کچھ ہوتا نہیں تو اس کے نتیجے میں کیا احوال ہیں جو ایک بندۂ مومن اور ایک مسلمان میں پیدا ہونے چاہئیں۔ سورۃ الکہف کی مذکورہ بالا آیت کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ اس آیت میں صفتِ قدرت اور صفتِ ارادہ کو جمع کیا گیا ہے۔ اس آیت میں باغ والوں کے قصے کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے جو نیک ہے وہ دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَلَوۡلَاۤ اِذۡ دَخَلۡتَ جَنَّتَکَ قُلۡتَ مَا شَآءَ اللّٰہُ﴾

''اور جب تُو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تُو نے یوں کیوں نہ کہا: ماشاء اللہ! (یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے۔)''

اس میں صفتِ مشیت کا بیان ہے اور ﴿لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۚ﴾ میں صفتِ قدرت کا بیان ہے کہ اگر تم باغ میں داخل ہوئے تو تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ماشاء اللہ' جو چاہا اللہ نے اور اللہ کے سوا کوئی قوت نہیں ہے' کوئی قدرت نہیں ہے کوئی مدد نہیں ہے' کوئی توفیق نہیں ہے۔ علماء نے کہا کہ دوسرا جو باغ والا ہے جو خدا سے زیادہ اپنے آپ پر اعتماد کرتا ہے' وہ جو باتیں کر رہا ہے گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ان دو صفات پر یا تو ایمان نہیں رکھتا یا اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کی ان دوصفات کو ماننے کے نتیجے میں جو احوال پیدا ہونے چاہئیں وہ اس کے اندر پیدا نہیں ہوئے۔ آگے وہ کہے گا: ﴿ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ ﴾ ''ہائے میری شامت! کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔'' ﴿ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ کا مطلب ہے کہ جو ہوا اللہ کی مشیت اور قدرت کے ساتھ ہوا۔ یہ ارادہ اور قدرت کا بیان ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو اللہ کے نبی ﷺ نے ''کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ'' (جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ) قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ)) (جامع ترمذی) کہ نہ کوئی حرکت ہے نہ کوئی قوت ہے' مگر اللہ کی توفیق' اللہ کی مدد' اللہ کی مشیت' اللہ کے ارادے اور قدرت کے ساتھ۔ یہی بات اللہ کے نبی ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمائی:

((اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ ' وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ ' وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَیْتَ ' وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ)) (صحیح البخاری)

یعنی ''اے اللہ! جسے تُو عطا کردے اُس سے روکنے والا کوئی نہیں' اور جس سے تُو روک لے اسے دینے والا کوئی نہیں' اور تیری قضا کو ردّ کرنے والا کوئی نہیں ہے' اور شان والے کو اُس کی شان تیرے مقابلے میں نفع نہیں دیتی''۔ یہ جو عبودی احوال ہیں ان کے نتیجے میں انسان ہر قسم کے عُجب اور تکبر سے پاک ہو جاتا ہے۔ یعنی ''مَاشَاءَ اللّٰہُ'' اور ''لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' اگر حال بن جائے تو وہ شخص کیونکر اپنے نیک اعمال اور اپنے اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر عجب میں گرفتا رہو گا! وہ اپنے اعمال' قوت اور قدرت پر نگاہ نہ ڈالے گا' بلکہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مشیت اور اُس کی قدرت کا مشاہدہ کرے گا۔ یقیناً ایسا شخص جو واقعی اس عقیدے کو اپنا حال بنا چکا ہو اور واقعی یہ عقیدہ اس کے وجود میں ڈھل چکا ہو تو ایسا شخص عجب اور تکبر سے پاک ہو جائے گا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ارادے اور قدرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی خیر تمہارے پاس ہے اسے اپنی قوت اور اپنے ارادے کا نتیجہ نہ دیکھو۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ﴾ (النحل:۵۳)۔ ''جو بھی تمہیں نعمت ملے گی وہ اللہ کی طرف سے ہے''۔ اور یہی بات پہلے ہم نے ارادے کے بیان میں دیکھی تھی کہ ہمارے پاس ذاتی کچھ بھی نہیں ہے۔ یعنی اگر ہمارا ارادہ اور وجود ذاتی ہوتا تو ہر وقت ہوتا۔ یہ اگر عدم کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عرضی ہے' کہیں سے ملا ہے۔ اور ذاتی کسی اور کے پاس ہے۔

مخلوق کے پاس ذاتی (intrinsic) صرف عدم ہے

علماء نے کہا کہ ہمارے پاس ذاتی کوئی وجودی شے نہیں ہے بلکہ صرف سلبیات ہیں۔ یعنی ہمارے پاس کسی شے کا نہ ہونا ذاتی ہے۔ اگر علم وجودی شے ہے تو اس کے مقابلے میں عدمی شے جہل ہے اور یہ ہمارا ذاتی ہے یعنی کچھ بھی نہیں ہے۔ جہل تو عدم کا نام ہے۔ یعنی اگر ہم نے کہنا ہے کہ ہمارے پاس ذاتی کچھ ہے تو وہ جہالت ہے۔ اگر اللہ قادر ہے تو ہمارے پاس عجز ہے یعنی ہمارے پاس قدرت کا عدم ہے۔ فقر اور احتیاج ہمارا ذاتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے کمال' غنیٰ اور صمدیت ذاتی ہیں۔ انسان جب ان صفات کو کامل طور پر اللہ کے لیے مانتا ہے تو پھر ان صفات کی اپنے اندر سے نفی بھی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے بالکلیہ ارادے کی نفی کر دے گا بلکہ امام غزالیؒ

فرماتے ہیں کہ اب ارادہ کرتے وقت اپنے ارادے پر بھروسہ نہیں کرے گا۔ یہ اگلا عبودی حال ہے جو صفتِ ارادہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ ’’المرید‘‘ ہے اور اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا تو میں جو ارادہ اور مشیت کرنے لگا ہوں وہ اس وقت تک قابل عمل نہیں ہوسکتی جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارادہ اور مشیت نہ ہو تو میں اپنے ارادے اور مشیت میں بھی اللہ سے توفیق کا طلب گار رہوں گا۔ بہرحال ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ کا مطلب یہ نہیں کہ تم ارادہ اور مشیت چھوڑ دو‘ بلکہ مفہوم یہ ہے کہ اپنے مشیت اور ارادے پر اعتماد نہ کرو‘ بھروسہ اور توکّل نہ کرو‘ بلکہ اللہ سے توفیق کے طلب گار رہو۔

مسنون دعا ہے: ((اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))(سنن ابی داوٗد) ’’اے اللہ! اپنے ذکر اور شکر اور بہترین طریقے پر عبادت کرنے میں میری اعانت فرمائیے۔‘‘ پھر اسی طرح ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ کا یہی مفہوم ہے۔ ’’اِيَّاكَ نَعْبُدُ‘‘ کا مطلب ہے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کریں گے‘ لیکن یہ دعویٰ اپنے اندر ایک معمولی سا زعم رکھتا ہے کہ ہم کر سکتے ہیں عبادت۔ یعنی ہمارے اندر قوت ہے قدرت ہے کہ ہم تیری عبادت کرسکیں۔ اس کے اندر تکبّر اور عُجب کی جو بُو آرہی تھی امام صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ’’اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ‘‘ سے دُور کردی گئی۔ یعنی ہم تیری ہی عبادت کریں گے لیکن تیری عبادت کرنے پر خود قدرت نہیں پاتے جب تک تو مدد نہ کردے۔ لہٰذا تیری عبادت کرنے پر تجھ ہی سے مدد کے طلب گار ہیں۔ پھر امام صاحب فرماتے ہیں کہ اسی سے توکّل پیدا ہوتا ہے۔ توکّل یہ جان لینے کا نام ہے کہ کائنات میں اللہ کی مشیت اور ارادے کے سوا کسی کی مشیت اور ارادہ نہیں ہے‘ اور کائنات میں ضرر اور نفع پہنچانے کی قدرت اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہ جان لینا اور اس کا حال بن جانا توکّل ہے۔ جیسے تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں کہ اللہ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہونے کا یقین۔ یہی بات اگر حال بن جائے تو اسی کو توکّل کہتے ہیں۔ بہرحال یہ سارے احوال اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ارادے سے پیدا ہورہے ہیں۔ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ارادے کو مان لینے سے یہ احوال پیدا ہونے چاہئیں۔

عقیدہ پورے آدمی کا تقاضا کرتا ہے

اگر یہ مان لینا محض دماغ کی کسی کونے میں بند نہ ہو بلکہ یہ انسان کے شعور‘ اس کی طبیعت اور اس کی شخصیت میں ڈھل چکا ہو تو یقیناً یہ احوال پیدا ہوجائیں گے۔ عقیدے کو صرف مان لینا کافی نہیں ہے کہ ہم نے سن لیا کہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے اور روزمرہ میں ہم نفع کی نسبت اُدھر بھی کررہے ہوں‘ اِدھر بھی کررہے ہوں‘ اور ہمارا دل اُدھر بھی اٹکا ہو‘ اِدھر بھی اٹکا ہو یعنی ہر وادی میں ہم گھوم رہے ہوں تو یہ توکّل نہیں ہے۔ یہ بس عقیدہ ہے جس کی وجہ سے ہم مسلمان قرار پائیں گے اور اللہ نے چاہا تو نجات بھی ہوجائے گی‘ لیکن اس عقیدے کے جو ثمرات پیدا ہونے چاہئیں وہ نہیں ہورہے ہوں گے۔

صفتِ قدرت اور صفتِ ارادہ کے بارے میں ہم نے جتنی بھی بات کی ہے اس کا مقصود یہ تھا کہ انسان جان لے کہ اس کائنات میں اصل ارادہ‘ مشیت‘ اور قدرت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کو جان لینے کے بعد واقعی ایک بندہ مومن یا ایک مسلمان بہت امن اور سکون میں ہوجاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جو شرک نہیں کرتے وہ امن کی

حالت میں ہیں:

﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾ (الانعام)

’’تو (ہم دونوں) فریقین میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو تو (بتاؤ)! یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی طرح کے شرک سے آلودہ نہیں کیا وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی راہ یاب ہوں گے۔‘‘

کیونکہ وہ ایک خدا پر ایمان لائے اور وہ جانتے ہیں کہ اس کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ (التوبة)

’’آپؐ کہہ دیجیے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہیں آسکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا مولا ہے‘ اور اللہ پر ہی توکّل کرنا چاہیے اہلِ ایمان کو۔‘‘

﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ﴾

’’اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائے‘ تو کوئی نہیں ہے اس کو دُور کرنے والا سوائے اللہ کے۔ اور اگر وہ ارادہ کر لے آپؐ کے ساتھ بھلائی کا تو اُس کے فضل کو لوٹانے والا کوئی نہیں۔ وہ پہنچاتا ہے اس (فضل) کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہے۔‘‘

بہرحال یہ سب باتیں ہمیں پیشِ نظر رکھنی چاہئیں کہ ہماری یہ ساری بحث محض دماغی ایکسرسائز بن کر نہ رہ جائے اور ایسا نہ ہو کہ ہم یہ باتیں صرف معلومات کی سطح پر دماغ میں جمع کر لیں اور ان کو وجودی حال میں نہ ڈھالیں۔ علم اور معلومات میں فرق ہے۔ جو صحیح علم ہوگا وہ یقیناً حال بن جائے گا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ انسان بہت سی چیزیں رٹ لے‘ یاد کر لے‘ لیکن ان چیزوں کا اُس کی زندگی‘ احوال‘ طبیعت‘ ذہن پر کوئی عمل دخل نہ ہو۔ ہمیں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے۔

لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰهُ

صفتِ ارادہ کا ایک اہم مبحث ہے: لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہ ۔ اس کا یہ معنی بھی درست ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی کا قانون نہیں ہوگا‘ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی کی حکمرانی نہیں ہوگی۔ اللہ کے سوا کسی کو شریعت دینے کا مختار نہیں مانا جائے گا‘ اللہ کے سوا کسی کے سامنے جھکا نہیں جائے گا۔ حاکمِ حقیقی بھی وہی ہوگا۔ یہ معانی یقیناً ثابت ہیں۔ یعنی یہ بھی دین کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے۔ جیسے سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ﴾ (الانعام: ۱۱۴)

’’کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حَکم ڈھونڈوں؟ اور وہی تو ہے جس نے تمہاری طرف ایک بڑی مفصل کتاب نازل کی ہے۔‘‘

یعنی کیا ہم اللہ کے سوا کسی کو فیصلہ کرنے والا بنالیں‘ حالانکہ اُس نے ہم پر ایک کتاب مفصّل نازل فرمادی ہے! اللہ نے

قانونِ مفصّل دے دیا ہے۔ تو گویا اب اللہ کے سوا حکم کوئی نہیں بنے گا' اللہ کے قانون کے سوا کسی اور قانون کی طرف مراجعت نہیں ہوگی۔ یہ معنی بالکل درست ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن یہاں ہم جو معنی بیان کرنے جا رہے ہیں وہ اس معنی میں نہیں ہے۔ ''لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہُ'' یا ''لَا حُکْمَ اِلَّا مِنَ اللّٰہِ''۔ اس عبارت کو محب اللہ بہاری نے اپنی کتاب ''مُسلّمِ الثّبوت'' میں ذکر کیا ہے جو فقہ حنفی کی مشہور کتابوں میں سے ایک ہے۔ یہ اُن کی اصطلاح ہے' جو اور لوگوں نے بھی استعمال کی ہے۔ ''لَا حُکْمَ اِلَّا مِنَ اللّٰہِ'' یا ''لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہُ''، یعنی حکم اللہ ہی کی طرف سے آتا ہے اور حاکم اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس بحث کو تحسین اور تقبیح عقلی کی بحث کہتے ہیں۔

لیکن جس عنوان کے تحت یہ بحث آ رہی ہے وہ ''لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہُ'' ہے۔ یہ ہمارے اور معتزلہ کے درمیان مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ یعنی معتزلہ ''لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہُ'' کے قضیے کو مانتے نہیں ہیں۔ اہلِ سُنّت کہتے ہیں: لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہُ' اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ صفت ارادہ کی بحث کے ضمن میں ایسے آتا ہے کہ اللہ قبیح شے پر قادر ہے یا نہیں ہے؟ (نعوذ باللہ!) لیکن اس سے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ برائی کی تعریف کیا ہے۔ یہاں سے یہ بحث اٹھی کہ کیا انسان اپنی عقل کے ذریعے کسی شے کی ایسی برائی جان سکتا ہے جو جاننے کے نتیجے میں اس کا مکلّف بھی بن جائے اور وہی معیار اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے بھی ہو جائے اور وہ بھی اسی معیار کی پیروی کرے؟ تو ''لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا اصلاً مطلب ہوتا ہے کہ چیزوں کو اچھا اور برا کہنے کا اختیار کس کے پاس ہے؟ یعنی حاکم کا مطلب ہے: چیز پر حکم لگانے والا۔ حکم لگانا اس کا فعل ہے کہ اچھا ہے یا برا ہے' حسین ہے یا قبیح ہے۔ اخلاقی قدر دینے کا اختیار کس کے پاس ہے؟ کیا یہ عقل کے پاس ہے یا یہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے؟ یعنی ''لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا مطلب ہے کہ کون فیصلہ کرے گا کہ یہ عمل اچھا ہے اور یہ عمل برا ہے۔ اس فیصلے کا اختیار کس کے پاس ہے؟ اللہ کے پاس یا اللہ سے ماورا کوئی معیار ہے جس سے پتا چل جائے گا کہ چیز اچھی بھی ہے اور بری بھی ہے۔ اس کو کہتے ہیں: تحسین اور تقبیح۔

فائدے اور کمال کا ادراک عقل کر سکتی ہے

عموماً اہلِ سُنّت کا مسلک یہ ہے کہ تحسین اور تقبیح کو اگر تم اس معنی میں لو کہ ایک چیز میرے لیے مفید ہے یا نہیں' تو اس معنی میں عقلی ہے یعنی اس کو عقل جان سکتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ پکا ہوا کھانا میرے لیے اچھا ہے یا برا ہے؟ تو تجربے اور عقل کے نتیجے سے معلوم ہو جائے گا کہ پکا ہوا کھانا میرے لیے زیادہ مفید ہے اور یہ میری مصلحت کے مطابق ہے۔ کوئی شے میرے لیے مفید ہے یا نہیں' یہ تو عقل جان سکتی ہے۔ اس مسئلہ میں اہلِ سُنّت اور معتزلہ کا اختلاف نہیں ہے کہ کوئی شے مفید ہے یا نہیں؟ میری طبیعت کے موافق ہے یا نہیں؟ میرے لیے اس میں مصلحت ہے یا نہیں؟ یہ سب باتیں عقل سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ یہ بھی عقل پتا چلا سکتی ہے کہ میرے لیے صفت کمال کیا ہے؟ یعنی کس شے سے میرے وجود' میری صلاحیتوں اور میری صفات میں ترقی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جیسے صفتِ علم ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ صفت اچھی ہے' اس سے میرے نفس میں بڑھوتری ہوتی ہے اور میرا نفس کمال پاتا ہے تو میرے لیے یہ صفت کمال ہے۔ اور جہالت صفت نقص ہے۔ جاہل ہونا اچھی بات نہیں۔ یہ بھی عقل پتا چلا سکتی ہے۔ اہلِ سُنّت نے کہا کہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ ذہن میں رکھیے کہ وہ شے میرے لیے مفید ہے

یا غیر مفید ہے‘ مضر ہے‘ یا وہ شے میرے لیے کمال ہے یا نقص ہے ۔ یہ دونوں چیزیں عقل پتا چلا سکتی ہے ۔ اس میں اختلاف نہیں ہو رہا‘ یہ تحسین اور تقبیح عقلی کا مسئلہ نہیں ہے ۔ تو پھر محل نزاع کیا ہے؟

تحسین و تقبیح عقلی کے مسئلے میں اصل محل نزاع

یہ بات بہت اہم ہوتی ہے کہ جب بھی آپ کسی مسئلے پر گفتگو کر رہے ہوں تو پہلے محل نزاع طے کریں ۔ ہماری اکثر بحثوں میں ایک اِدھر کی بات کر رہا ہوتا ہے اور دوسرا اُدھر کی کر رہا ہوتا ہے اور محل نزاع کا پتا ہی نہیں چل رہا ہوتا ہے‘ یعنی جھگڑا کس بات پر ہے! اس کو کہتے ہیں ’’تحریر محل نزاع‘‘ یعنی پہلے طے کر لو کہ محل نزاع کیا ہے ۔ تحریر کا مطلب ہے کہ اچھے طریقے پر اس کی وضاحت کر دی جائے ۔ اس کو ’’تقریر مسئلہ‘‘ بھی کہتے ہیں ۔ یعنی مسئلہ کی تقریر تو کرو‘ بتاؤ مسئلہ کیا ہے ۔ بہرحال محل نزاع یہ ہے کہ کیا عقل کسی شے کا ایسا حسن اور ایسا قبح معلوم کر سکتی ہے جو اس میں اس طرح کا ذاتی ہو کہ کسی بنانے والے کے بنانے سے پیدا نہیں ہوا بلکہ اُس کا ذاتی حسن ہو ۔ اور اس ذاتی حسن کو معلوم کرتے ہی میں اس حسین شے‘ اچھی صفت کا مکلّف ہو جاتا ہوں اور قیامت میں مجھے اس پر ثواب یا عقاب ہو گا ۔ یعنی آپ نے عقل کے ذریعے معلوم کیا کہ سچ بولنا اچھا ہے ۔ اس حد تک تو سب کو معلوم ہو سکتا ہے کہ سچ بولنا مفید ہے اور میرے لیے صفت کمال ہے ۔ یہ محل نزاع نہیں تھا ۔ محل نزاع یہ ہے کہ سچائی کی صفت کا حسن اُس کا ذاتی ہے جو اللہ کے بنائے بغیر اس میں ہے؟ لہٰذا جو شخص اس صفت کو معلوم کر لے گا وہ اس صفت کا مکلّف ہو جائے گا ۔ اور مکلّف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اس سے پوچھا جائے گا اور اسے جزا اور سزا دی جائے گی ۔ یہ وہ محل نزاع ہے ۔ یعنی ایسا حسن و قبح ذاتی ہے جس پر قیامت میں ثواب اور عقاب بغیر نبی کے آئے مترتب ہو جائے؟

اشاعرہ کا موقف

اس میں اشاعرہ کا موقف یہ ہے کہ ایسا حسن و قبح ذاتی نہیں ہوتا کہ جو اس سے الگ نہ ہو سکے‘ جو کسی بنانے والے کے بغیر ہو‘ لہٰذا جب ذاتی نہیں ہے تو پھر معلوم کرنے سے انسان مکلّف بھی نہیں ہو گا جب تک شریعت نہیں آئے گی ۔ شریعت آ کر بتائے گی‘ اوامر و نواہی سے پتا چلے گا کہ یہ امر اچھا ہے ۔ اس معنی میں اچھا ہے کہ اس پر قیامت میں ثواب ملے گا اور اس معنی میں برا کہ اس پر قیامت میں عقاب ہو گا ۔ یہ صرف نبی کے بتانے سے معلوم ہو گا ۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس شے کو اچھا بنایا ہے تو اُس نے کسی معیار کو فالو نہیں کیا کہ چیز پہلے سے اچھی تھی تو اللہ نے کہا کہ چلو اچھی چیز کو بناؤ‘ بلکہ اللہ کے بنانے سے اچھا ہوا ۔ ’’لَا حَاكِمَ اِلَّا اللّٰه‘‘ کا مطلب ہے کہ چیزوں میں ذاتی حسن و قبح نہیں ہے بلکہ اللہ نے ان کو اچھا کیا ہے تو وہ اچھے ہو گئے ہیں ۔ اللہ کے حکم لگانے سے وہ شے اچھی بنی ہے ورنہ فی نفسہ اپنی ذات میں وہ نہ اچھی تھی نہ بری تھی ۔ تو پھر کون حاکم ہوا؟ عقل یا شریعت؟ شریعت حاکم ہو گئی ۔ شریعت سے مراد اللہ کا حکم ہے اور شارع صرف اللہ ہے ۔ رسول اللہ ﷺ شارع ہیں‘ لیکن مجازی ۔ یعنی وہ شارع حقیقی کا حکم بتاتے ہیں ۔ حقیقی شارع صرف اللہ ہے ۔ شریعت دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے اور رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے نمائندے ہیں‘ لہٰذا آپ اس معنی میں شارع مجازی ہیں کہ آپ ﷺ شارع حقیقی کا قول نقل فرماتے ہیں ۔

بہرحال اہل سُنّت کا موقف واضح ہوا کہ چیزوں میں حسن وقبح ذاتی نہیں ہے کہ عقل اگر اسے معلوم کر لے تو اس کے نتیجے میں صاحب عقل یعنی انسان اس کا مکلّف بن جائے اور وہ قیامت کے دن جزا وسزا کا مستحق قرار پائے۔ ایسا حسن وقبح ذاتی نہیں ہے‘ لیکن پہلے دو معنی میں جن کے بارے میں مَیں نے کہا کہ محل نزاع نہیں ہیں ان معانی میں اہل سُنّت کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے۔ لیکن اس پر قیامت میں ثواب وعقاب مترتب نہیں ہوگا جب تک رسول آ کر نہ بتا دے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل) ’’اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیں۔‘‘ اور کہتے ہیں کہ قرآن میں پڑھ لو جتنے لوگ بھی جہنم میں جائیں گے ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس رسول آئے تھے یا نہیں؟ وہ سب اقرار کریں گے کہ آئے تھے۔ ’’اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ‘‘ کتنی ہی بار قرآن میں آیا ہے اور ہر دفعہ وہ جواب میں کہیں گے: بَلٰی کہ آئے تھے رسول۔

معتزلہ کا موقف

اس کے مقابلے میں معتزلہ کے ہاں ’’لَا حَاكِمَ اِلَّا اللّٰهُ‘‘ کا وہ مطلب نہیں ہے جو ہم نے اہلِ سُنّت اشاعرہ کا بیان کیا۔ ان کے ہاں حسن وقبح ایک ایسا معیار ہے جو ماورائے خدا ہے‘ یعنی وہ ذاتی ہے۔ حسن وقبح اشیاء میں اس طرح ذاتی ہے کہ خدا کے بنانے سے نہیں ہوا۔ اور اس معیار پر انہوں نے خدا پر بھی کچھ چیزیں واجب کی ہیں۔ ان کے نزدیک عقل حاکم ہے۔ اسی لیے ان کو کہا جاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ rationalist یعنی عقلیت پرست تھے۔ یہاں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے ہاں عقل کی کیا حیثیت ہے کہ عقل خدا پر حکم لگا سکتی ہے اور خدا پر بھی کچھ چیزیں اس کے نتیجے میں واجب ہوسکتی ہیں۔ یعنی خدا کو بھی عقل ایک اخلاقی معیار دے سکتی ہے کہ آپ کو یوں کرنا اور یوں نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے خدا پر بہت سی چیزیں واجب کی ہیں۔ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ حسن وقبح ایک ماورائی تصوّر ہے اور وہ اتنا ماورا ہے کہ خدا سے بھی ماورا ہے اور خدا بھی حسن وقبح کے ان تصوّرات کو فالو کرتا ہے‘ لہٰذا حسین اُسے ہی قرار دیتا ہے جو ذاتی طور پر حسن کا حامل ہوتا ہے۔ خدا کے کہنے سے کوئی شے اچھی نہیں بن جاتی بلکہ وہ پہلے ہی سے اچھی ہوتی ہے۔ لہٰذا خدا اُسے اچھا کہتا ہے اور جو بری شے ہے خدا اُسے برا کہتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بری شے اس لیے بری ہے کہ خدا نے برا کہا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ بری شے اس لیے بری نہیں ہے کہ خدا نے برا کہا ہے بلکہ وہ پہلے بری تھی لہٰذا خدا نے اسے برا کہا۔ جب انہوں نے عقل کو حاکم بنایا کہ اصلاً حاکم عقل ہے لہٰذا عقل کے نتیجے میں انہوں نے حسن وقبح کے معیارات بنا لیے تو انہوں نے کہا کہ اللہ بھی فلاں فلاں کام نہیں کر سکتا۔ نعوذ باللہ! اسی طرح اللہ پر کچھ چیزیں لازم ہیں۔ جیسے دو اصطلاحات ہیں: وجوبِ صالح اور وجوبِ اَصلح۔

وجوبِ اَصلح

معتزلہ کے ہاں ’’وجوبِ اَصلح‘‘ کی اصطلاح ہے‘ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے لیے اپنے بندوں کے حق میں وہ کرنا واجب ہے جو اُن کے لیے بہترین ہو۔ اُن کی ہدایت کے لیے رسول بھیجنا واجب ہے۔ معتزلہ کی اس طرح کی واضح عبارتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ اور ابوجہل دونوں کے ساتھ ایک جیسا لطف کیا‘ ایک جیسی راہنمائی فرمائی‘ ایک جیسی توفیق دی‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ سب کے ساتھ ایک جیسا کرے‘ بس ابوبکر ایمان لے آئے

اور ابوجہل نے کفر کیا‘ بغیر اس کے کہ انہیں توفیق زیادہ ملی ہو۔ اہلِ سُنّت تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی ایمان نہیں لاسکتا۔ لیکن معتزلہ کے مطابق اللہ نے ایسا نہیں کیا‘ کیونکہ اللہ ایسا کرتا تو ظلم ہو جاتا‘ کیونکہ دونوں کے ساتھ برابر سلوک ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ ظلم کا تصوّر ماورائے خدا ہو گیا۔ یعنی خدا کو بھی اس معیار کو فالو کرنا تھا۔ لہٰذا اہلِ سُنّت کے قول کے مطابق تو عدل نہیں ہو رہا۔ گویا عدل کا تصوّر ماورائے خدا ایک تصوّر ہے کہ جس کو خدا نے فالو کرنا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ میں نے ایک مثال دی ہے۔ چنانچہ اس طریقے پر انہوں نے کہا کہ ”وجوبِ اَصلح“ ضروری ہے۔ یہ وہ موضوع ہے جس کے بارے میں ابوعلی الجبائی اور امام ابوالحسن الاشعری کے درمیان مناظرہ ہوا تھا۔ وجوبِ اَصلح کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنے بندے کے حق میں وہی کرنا ہے جو اُس کے حق میں سب سے بہتر ہے اور یہ خدا پر واجب ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ اللہ ایسا کرتا ہے‘ لیکن واجب کہنا کہ اللہ اس کے سوا کر نہیں سکتا یہ درست نہیں۔

ابوالحسن الاشعری معتزلی تھے‘ ان کی ابتدا اعتزال کے ساتھ ہوئی‘ پھر وہ اہلِ سُنّت کی طرف لوٹے اور امام اہلِ سُنّت کہلائے۔ ان کو اشعری اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اشعری قبیلے کے ہیں اور حضرت امام ابوموسیٰ الاشعری ؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ جس مسئلے پر وہ مسلک اہلِ سُنّت کی طرف آئے وہ یہی مسئلہ تھا جس میں انہوں نے اپنے سوتیلے باپ ابوہاشم یا ابوعلی الجبائی سے مناظرہ کیا‘ جو اُن کے باپ کی وفات کے بعد اُن کی ماں کے شوہر بن گئے تھے۔ انہی کے گھر میں انہوں نے پرورش پائی تھی اور اعتزال انہی سے سیکھا تھا۔ وہ بہت بڑے معتزلی عالم تھے۔ بہرحال انہوں نے ان سے مناظرہ کیا۔ ابوالحسن علی الاشعری نے ابوعلی الجبائی سے کہا کہ دیکھیں تین لوگوں کے بارے میں مجھے بتائیے: ۱۔ کافر‘ ۲۔ بچہ جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو گیا‘ ۳۔ صاحبِ ایمان‘ جو ایمان کی حالت میں فوت ہوا۔ ان کا انجام کیا ہوگا؟ ابوعلی الجبائی نے واضح طور پر کہا کہ بڑا سادہ سا مسئلہ ہے‘ کافر جہنم میں‘ صاحبِ ایمان جنت میں‘ اور بچے کی بھی نجات ہو جائے گی لیکن وہ جنت کے کسی نیچے مرتبہ پر ہوگا۔ اس لیے کہ وہ بڑا ہو کر ایمان تو نہیں لایا‘ بس اس کی نجات تو ہو جائے گی لیکن اس کو وہ چیزیں نہیں ملیں گے جو صاحبِ ایمان کو مل رہی ہیں۔ اب ابوالحسن الاشعری پوچھتے ہیں کہ اگر بچہ اللہ تعالیٰ سے کہے کہ مَیں بھی بڑا ہو کر ایمان پاتا اور وہ درجہ پا لیتا جو میرے اس صاحبِ ایمان بھائی کو ملا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ دیکھو مجھے پتا تھا کہ اگر تم بڑے ہو جاتے تو تم کافر ہو جاتے اور تم جہنم میں چلے جاتے‘ لہٰذا مَیں نے تمہارے ساتھ بہترین کیا۔ یہی وجوبِ اَصلح ہے۔ یعنی تمہیں بچپن میں فوت کر دیا اور تم اب آرام سے بیٹھے ہو۔ اس پر ابوالحسن الاشعری کہتے ہیں کہ اگر وہ کافر جو جہنم میں پڑا ہوا ہے وہ پکار کر کہے کہ اے اللہ ربّ العزّت! آپ نے مجھے بچپن میں کیوں فوت نہیں کیا؟ میرے لیے بھی تو بچپن میں فوت ہو جانا بہتر تھا۔ اس پر روایت میں آتا ہے کہ ابوالجبائی مبہوت ہو گئے۔ ان کے مسلک کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو سب کے حق میں بہتر کرنا ہوتا ہے‘ تو اس کے حق میں بہتر یہی تھا کہ وہ بھی بچے کی طرح بچپن میں ہی فوت ہو جاتا اور وہ بھی نجات پا جاتا۔ اس مکالمہ کے بعد ابوالحسن الاشعری نے کہا: ھٰذا فراق بینی وبینک۔ اب ہمارے درمیان فراق ہو گیا ہے اور تمہارا ”وجوبِ اَصلح“ کا اصول درست نہیں ہے۔ بہرحال یہ سب کچھ تحسین وتقبیح عقلی کے مسئلے سے متعلق ہے۔ یعنی یہ سب مسائل اس بڑے مسئلے کی فرع ہیں اور وہ مسئلہ ”لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہ“ کی فرع ہے۔

اب اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ اشاعرہ نے کہا کہ انسان مکلّف بس وحی کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ وحی آ کر بتاتی ہے کہ اچھی اور بری شے اس معنی میں کون سی ہے کہ جس پر ثواب اور عقاب ہو جائے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ نہیں! انسان چیزوں کا ذاتی حسن و قبح عقل سے بھی معلوم کر سکتا ہے‘ جس کے نتیجے میں بغیر نبی کے وہ مکلّف قرار پا جاتا ہے اور قیامت کے دن ثواب و عقاب کا مستحق بھی بنے گا۔

ماتریدیہ کا موقف

ایک تیسرا موقف اہل سُنّت میں سے ایک گروہ کا ہے جن کو ہم احناف یا ماتریدیہ کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ معتزلہ کی طرف ہیں لیکن ماتریدی کتابوں میں اس بات کا اقرار موجود ہے کہ ’’لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہ‘‘۔ چونکہ یہ مسئلہ تھوڑا سا مشکل ہے اس لیے بہت سی ماتریدی عبارتیں ظاہری طور پر مختلف قسم کی ہیں۔ مسئلہ بہر حال اتنا سادہ نہیں ہے لیکن بہت سے لوگوں نے اس کو حل بھی کیا ہے۔ مسئلہ کے حل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ماتریدی معتزلی نہیں ہیں بلکہ وہ اہلِ سُنّت میں سے ہیں اور اس مسئلے میں اشاعرہ کے ساتھ کھڑے ہیں لیکن کچھ اختلاف کے ساتھ۔

ماتریدی حضرات نے کہا کہ عقل کچھ چیزوں کا حسن و قبح معلوم کر سکتی ہے۔ ایسا حسن و قبح (ابھی مَیں ذاتی نہیں کہہ رہا‘ اس لیے کہ یہی فرق آگے آئے گا) جس کے نتیجے میں انسان مکلّف بن جائے اور قیامت کے دن ثواب و عقاب اور جزا و سزا پائے۔ انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص جو دنیا میں آیا‘ چاہے اس تک نبی کی دعوت نہیں پہنچی لیکن وہ قیامت کے دن اس بات کا مکلّف ہوگا کہ اُس نے اللہ کو کیوں نہیں پہچانا! یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور اس کی توحید کا مکلّف تھا‘ اور اس بات کا بھی مکلّف تھا کہ اُس کا شکر ادا کرے۔ اس کو شکر المنعم کہتے ہیں۔ عقلی طور پر منعم کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔ یعنی انسان عقل سے اس نتیجے تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ مکلّف ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن ثواب اور جزا بھی پائے گا۔ توحید اور کچھ بڑے بڑے اخلاقی قوانین بھی اس طریقے پر ہیں‘ جیسے: الصدق حسن والکذب قبیح یعنی صدق اچھی بات ہے اور انسان اس کا مکلّف ہے جب کہ جھوٹ قبیح شے ہے۔ البتہ باقی تفصیلی احکام کا مکلّف انسان وحی کے بغیر نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ ماتریدی موقف ہے جو بظاہر معتزلی موقف کے قریب لگ رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ ’’لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہ‘‘ یعنی عقل موجب نہیں ہے۔ یہ فرق ہے ماتریدی اور معتزلی موقف کے درمیان۔

حسن و قبح کے عقلی و ذاتی ہونے میں فرق

میں اس کی وضاحت کے لیے ایک عبارت سنا دیتا ہوں جو اس مسئلے میں میرے اپنے فہم کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ماتریدی اشیاء کے حسن و قبح کو ذاتی (intrinsic) نہیں مانتے عقلی مانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ عقلی اور ذاتی ہونا ایک بات ہے۔ ایک بات نہیں ہے‘ بلکہ ان میں فرق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اشیاء حسین و قبیح خدا سے ماوراء کسی معیار کے تحت نہیں ہوتیں‘ جیسا کہ معتزلہ نے کہا تھا اور اس کے نتیجے میں اللہ پر بھی چیزیں واجب کی تھیں۔ اشیاء میں حسن و قبح اللہ ہی رکھتا ہے‘ مثلاً صدق کو اللہ نے اچھا بنایا تو جب اللہ اس کا ماخذ ہے تو صدق کا اچھا ہونا اس کا ذاتی نہ ہوا۔ ذاتی اس کو کہتے ہیں جس میں انفکاک (علیحدگی) نہ ہو سکے۔ معتزلہ ذاتی اس کو کہہ رہے ہیں جس کے نتیجے میں خود

بخود تکلیف وارد ہو جاتی ہے۔ ماتریدی کہتے ہیں کہ اس معنی میں ذاتی تو نہیں ہے' کیونکہ اگر ذاتی مان لیں تو ''لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہ'' کی نفی ہو جائے گی۔ یعنی قدر دینے کا اختیار تو اللہ کے پاس ہے۔ ذاتی ماننے سے اس قضیے کی نفی ہو جائے گی' لہٰذا ذاتی نہیں ہے۔ ذاتی نہیں ہے مگر عقلی ضرور ہے۔ عقلی ان معنی میں کہ جس طرح وحی آ کر اللہ کے حکم کو بتا دیتی ہے' چنانچہ رسول بتاتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اور اس کے بتانے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بنانے سے ایسا ہوا ہے۔ یعنی رسول آ کر چیزوں کا ذاتی حکم بیان نہیں کرتا بلکہ ان کا تکلیفی حکم بیان کرتا ہے۔ اسی طریقے پر عقل بھی کچھ احکام میں مُعَرِّف ہوتی ہے موجب نہیں کہ وہ انہیں واجب کرے۔ عقل بتا دیتی ہے کہ یہ اللہ کا حکم شرعی ہے۔ گویا کچھ معاملات میں حکم شرعی کے بیان میں عقل ذریعہ بنتی ہے اور اکثر معاملات میں رسول ذریعہ بنتے ہیں۔ تو اُن کے ہاں چیزوں کا حسن وقبح ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ نے رکھا ہے' لہٰذا اللہ پر کچھ واجب نہیں ہو رہا۔ ''لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہ'' کے قضیے کی نفی نہیں ہو رہی۔ ہوتا یہ ہے کہ عقل اللہ کی رکھی ہوئی کچھ باتوں کو پہچاننے کے نتیجے میں انسان کو حکم شرعی بیان کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں وہ مکلّف ہو جاتا ہے۔ بہرحال یہ ایک دقیق سا فرق ہے جو معتزلہ اور ماتریدیہ کے درمیان ہے۔ اس فرق کو آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ معتزلہ کے ہاں حسن وقبح عقلی اور ذاتی ہے' اشاعرہ کے ہاں حسن وقبح عقلی نہیں ہے محض شرعی ہے' جب کہ ماتریدیہ کے ہاں حسن وقبح عقلی اور شرعی ہے ذاتی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ساری باتیں آپ کو سمجھ نہ آئی ہوں' لیکن ایک بات سمجھ آ جانی چاہیے کہ اہل سُنّت اس بات پر متفق ہیں کہ ''لَا حَاکِمَ اِلَّا اللّٰہ'' چیزوں کو حسن وقبح اللہ دیتا ہے' اللہ کے بنانے سے ہوتی ہیں۔ کوئی اخلاقی معیارات ماورائے خدا نہیں ہیں۔ ﴿وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾﴾ (النجم) ہر قسم کے حسن وقبح کا مرجع خدا' اُس کا ارادہ اور اُس کا فعل ہے۔ اُس نے ارادہ کر کے ایک شے کو اچھا بنایا اور دوسری کو برا بنایا۔

اس کو ہم ارادے کی بحث میں اس لیے لے کر آئے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ارادے پر اس طرح کی بھی کوئی پابندیاں نہیں ہیں کہ جس طرح کی اخلاقی پابندیاں ہمارے ارادے پر ہوتی ہیں یا جس طرح معتزلہ نے اس تحسین وتقبیح ذاتی کے نتیجے میں اللہ پر کچھ چیزیں واجب کر دیں۔ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے' اللہ جو کرتا ہے وہ اچھا ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اللہ اچھا کرتا ہے' یا اللہ اچھائی کے معیارات کی پیروی کرتا ہے۔ نہیں! بلکہ اللہ جو کرتا ہے اچھا ہوتا ہے۔ یہ تعبیر ہے اہلِ سُنّت کی اس مسئلے میں۔

حکمت اللہ کے ارادے کے تابع ہوتی ہے

جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ حکیم ہے تو اہلِ سُنّت کے ہاں کیا ایسا ہے کہ وہ حکمت کے مطابق کرتا ہے؟ نہیں! یہ جملہ ایک عام محاورے میں تو ٹھیک ہے کہ اللہ کا ہر کام حکمت کے مطابق ہوتا ہے' لیکن کلامی یا عقیدے کی کتب میں آپ کو یہ ملے گا کہ یہ عبارت ٹھیک نہیں ہے' کیونکہ اگر اللہ کا کام حکمت کے مطابق ہوتا ہے تو گویا اللہ کا کام کسی چیز کے مطابق ہونا چاہیے اور وہ حکمت ہے خارج میں جس کے مطابق اللہ کا کام ہو جائے گا تو اللہ حکیم قرار پائیں گے۔ اور اگر نہیں ہو گا تو اللہ حکیم نہیں ہوں گے۔ معاذ اللہ! یہ مطلب نہیں ہے ان کے ہاں۔ جیسے ہم دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی غرض کے لیے نہیں کرتا بلکہ غرض کا اس کے کام کے نتیجے میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ اسی طریقے پر حکمت اللہ کے

ارادے اور فعل کے تابع ہوتی ہے' اللہ کا ارادہ اور فعل حکمت کے تابع نہیں ہوتا۔ حکمت کا اللہ کے سوا کوئی معیار نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ حکمت کا کوئی معیار اللہ کے سوا پایا جاتا ہے تو اللہ جو کرے گا وہ اس حکمت پر مبنی ہوگا۔ نہیں! بلکہ وہ جو کرتا ہے وہ حکمت ہوتی ہے اور جو بھی کرے گا وہ حکمت ہوگی۔ حکمت کا معنی ہے چیز کو اس کی اصل جگہ پر رکھنا۔ اللہ ہی خیر و شر کے معیارات کا ایک حتمی معیار ہے' تو جو وہ کرے گا وہ حکمت ہوگی۔ لہٰذا اُس کے سوا کہیں حکمت تلاش نہیں کی جائے گی' اُس کے سوا کہیں خیر و شر تلاش نہیں کیا جائے گا یعنی خیر و شر کے معیارات۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فعل' اُس کا ارادہ' اُس کا امر اور اُس کی شریعت بتائے گی کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔ اس میں اور کوئی شے معیار نہیں ہے۔ نہ حکمت معیار ہے نہ کوئی خارجی معیارات' معیار ہیں نہ انسان کی فطرت معیار ہے۔ کچھ بھی نہیں!

شریعت ہی فطرت کا تعین کرتی ہے

آج کل فطرت کو دلیل بنایا جاتا ہے کہ انسانی فطرت دلیل ہے۔ بہت سے لوگ جنہوں نے الٹی سیدھی باتیں کرنی ہوتی ہیں ماضی میں بھی اور آج بھی' جنہوں نے اپنی کچھ چیزیں ثابت کرنی ہوتی ہیں وہ فطرت کا بہت نام لے رہے ہوتے ہیں کہ فطرت کے مطابق یہ ہوگا' فطرت سے یہ ثابت ہوتا ہے' وغیرہ۔ مندرجہ بالا طریقہ پر فطرت کے حوالے سے بھی علماء نے کہا کہ شریعت آ کر بتائے گی کہ آپ کی فطرت کیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ شریعت آپ کی فطرت کے موافق ہوگی' خواہ وہ کتنی ہی مسخ شدہ (perverted) ہو۔ فطرت شریعت کے موافق ہوتی ہے' اس کا انکار نہیں ہے۔ لیکن انکار ہم اس بات کا کر رہے ہیں کہ آپ اپنی فطرت کا پہلے سے کوئی ایسا علم نہیں حاصل کر چکے ہوتے کہ اس پر شریعت کو پرکھ سکیں اور یہ کہہ سکیں کہ اس کے مطابق ہوگئی ہے یا نہیں ہوئی۔ یعنی فطرت کا ماورائے شریعت یا ماورائے وحی علم حاصل نہیں ہو چکا ہوتا کہ جس پر ہم شریعت کو پرکھ کر دیکھ لیں کہ یہ موافق فطرت ہے اور یہ مخالف فطرت ہے اور پھر اس بنیاد پر ہم احکام میں تمیز بھی کریں کہ یہ حکم چونکہ مخالف فطرت ہے لہٰذا یہ ہم نہیں مان رہے اور یہ موافق فطرت ہے اس کو ہم مان لیتے ہیں۔ شریعت جو بھی حکم لے کر آئے گی وہ موافق فطرت اس معنی میں ہوگا کہ شریعت فطرت کا بیان بھی ہے۔ شریعت ہی آپ کو بتا رہی ہے کہ آپ کی فطرت کیا ہے' لہٰذا شریعت جو حکم دے گی وہی فطرت ہوگا۔ یہ تو نہیں ہوگا کہ شریعت جو حکم دے گی اس کو آپ طے کریں گے کہ وہ فطرت کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ نہیں! شریعت کا حکم ہی فطرت ہے۔ لہٰذا بالفرض اگر موسیقی کی حرمت صحیح دلائل سے ثابت ہو جائے تو پھر ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ انسانی فطرت موسیقی سے مناسبت رکھتی ہے یا نہیں۔ بلکہ ہم کہیں گے کہ یہ شریعت کا حکم ہی فطرت کا بیان ہے کہ یہ تمہارے لیے پسندیدہ اور باعث کمال نہیں ہے۔

باقی اگر فطرت اس معنی میں لی جائے کہ انسان کے اندر کچھ رجحانات اور صلاحیتیں ہوتی ہیں تو وہ تو شر کی بھی ہیں' لہٰذا شر کے رجحان کو بھی فطرت کہا جائے گا اور ہو سکتا ہے اس شر کی فطرت کو بہت سے لوگ خیر کی فطرت کہیں کہ یہی خیر ہے۔ تو اصلاً شریعت ہی فطرت کا معیار ہے' شریعت ہی خیر و شر کا معیار ہے' شریعت ہی آ کر بتائے گی کہ اچھا کیا ہے برا کیا ہے' کیونکہ شریعت اللہ کی طرف سے آ رہی ہے' رسول اللہ کی طرف سے آتا ہے اور ہر چیز کا حتمی معیار اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جو عالی صفات والی ہے اسی سے معلوم ہوگا کہ

خیر کیا ہے‘ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے‘ شر کیا ہے‘ فطرت کیا ہے‘ غیر فطرت کیا ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس کو تحسین و تقبیح ذاتی کا مسئلہ کہتے ہیں۔ اس میں اہلِ سُنّت اللہ کے فضل سے جس جگہ پر کھڑے ہیں اور انہوں نے جس طریقے پر یہ مسئلہ بیان کیا ہے تو اس میں خدا کے تصوّر میں کسی قسم کا نقص اور تشبیہ نہیں ہے۔ اور یہ محض تصور نہیں ہے‘ بلکہ اہلِ سُنّت نے جو بات بیان کی ہے وہ صحیح نصوص سے ثابت ہے۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ انہوں نے بیٹھ کر اندھیرے کمرے میں غور وفکر کیا اور یہ باتیں ان کے دماغ پر وارد ہو گئیں بلکہ یہ سب نصوص سے ثابت ہیں۔ مثلاً اللہ کے ارادے پر کوئی جبر نہیں ہوتا وغیرہ۔ تو یہ سب باتیں جو ہم دو تین نشستوں سے بیان کر رہے ہیں یہ سب اسی کی تفصیل ہیں۔

اس بحث کا خلاصہ ایک حدیث ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

((اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلْیَعْزِمِ الْمَسْأَلَۃَ‘ وَلَا یَقُولَنَّ: اَللّٰھُمَّ اِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِی‘ فَاِنَّہٗ لَا مُسْتَکْرِہَ لَہٗ)) (متفق علیہ)

’’جب تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو پکارے تو عزم کے ساتھ پکارے اور یہ نہ کہے کہ اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو دے دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنے والا کوئی نہیں۔‘‘

بظاہر لگ رہا ہے کہ اچھی دعا ہے کہ اے اللہ! تُو چاہے تو دے دے اور تُو چاہے تو نہ دے۔ اس میں مسئلہ یہ ہے کہ جب آپ اللہ کو پکار رہے ہیں تو آپ ساتھ یہ قید لگا رہے ہیں کہ اے اللہ! تُو چاہے تو دے دے‘ تو کیا کوئی احتمال ایسا بھی تھا کہ اللہ نہ چاہتے ہوئے بھی دے دیتا۔ یعنی اللہ پر کوئی جبر کر کے اس کی مشیت کے خلاف کوئی کام نکال لیتا! نہیں‘ بلکہ اللہ کی مشیت ہو گی تو دے گا‘ کیونکہ اُس کی مشیت پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔ تو یہ قید ’’اِنْ شِئْتَ‘‘ اپنے اندر یہ وہم رکھتی ہے کہ شاید اللہ کو کوئی اس کی مشیت کے خلاف بھی کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا فرمایا: ((فَاِنَّہٗ لَا مُسْتَکْرِہَ لَہٗ)) چونکہ اللہ پر جبر کرنے والا‘ اللہ کو مجبور کرنے والا‘ اللہ کو کرہاً کسی شے پر آمادہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا‘ لہٰذا اللہ سے مانگو تو یقین کے ساتھ مانگو۔ باقی اُس کی مشیت ہو گی تو دے دے گا اور وہ مشیت اور ارادے کے ساتھ ہی دیتا ہے۔

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو ویڈیو کیسٹس‘ سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں

ڈاکٹر ابصار احمد

پچھلے دنوں ’الخدمت فاؤنڈیشن‘☆ کے زیر انتظام ’’بنو قابل‘‘ پروگرام کے تحت منعقدہ بچیوں (میٹرک اور اس سے اوپر تعلیم یافتہ) کے لیے آئی ٹی ٹریننگ کورسز کے لیے ٹیسٹ میں شہر بھر سے نوجوان لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ پورے کراچی اور مضافات میں ’’بنو قابل‘‘ اور ’’کراچی کی بیٹیو‘ پڑھو‘ آگے بڑھو‘ کے نعروں پر مبنی اس ٹیسٹ کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی۔ چنانچہ پچاس ہزار طالبات نے ٹیسٹ کے لیے رجسٹریشن کروائی اور ہزاروں پر مشتمل جم غفیر نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ امیر جماعت اسلامی کراچی حافظ نعیم الرحمٰن اور ان کے معاونین‘ معروف تعلیمی اداروں اور پیشہ ور افراد کے علاوہ کئی ٹی وی آرٹسٹ اور اینکر پرسنز کے ساتھ ’’بنو قابل میگا پروجیکٹ‘‘ کے اس پروگرام میں کنٹینروں پر قائم کیے گئے وسیع سٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کراچی کو ملک اور خطے کی ایک اہم انفارمیشن ٹیکنالوجی سٹی بنانے کے عزم اور شہر میں IT یونیورسٹی کے قیام کو یقینی بنانے کا اظہار بھی فرمایا۔ کراچی کے لڑکے اور لڑکیوں کے بعد اب وہ گھریلو خواتین کی فنی تعلیم کے لیے بھی پروگرام بنا رہے ہیں اور ان کو بھی آئی ٹی کورس کروانے کا اعلان کیا۔ سٹیج پر انٹرٹینمنٹ شخصیات‘ اہم بزنس اور سوشل influencers کا جمگھٹا تھا جو ظاہر ہے طالبات کو متاثر کرنے اور ان کا ذوق وشوق بڑھانے کے لیے تھا۔ اس پورے پراجیکٹ کے حوالے سے معروف اینکر خاتون شائستہ لودھی کو الخدمت کی سفیر مقرر کیا گیا ہے۔ کامیاب طالبات کو چار سے چھ ماہ مدّت کے مختلف آئی ٹی کورس مفت کروائے جائیں گے اور پھر جماعت اور الخدمت ملازمت کی تلاش میں بھی مدد فراہم کریں گی۔ موقر انگریزی اخبارات نے بالخصوص بڑے سائز کی تصاویر کے ساتھ اس اہم پروگرام کی کوریج کی۔ طالبات سے ایک عہد بھی لیا گیا جس کے دو جملے قابلِ ذکر ہیں: ’’پاکستان اور اس کے اسلامی نظریے کی وفادار رہوں گی .... اپنے اخلاق وکردار سے خاندان اور ملک وملّت کی عزّت میں اضافے کا سبب بنوں گی۔‘‘ جماعت اسلامی اسلام آباد کی اہم شخصیت میاں محمد اسلم نے بھی کراچی کی طرح پچاس ہزار لڑکے لڑکیوں کو عالمی معیار کی بہترین IT ٹریننگ سے گزار کر پروفیشنل ڈویلپمنٹ کے لیے تیار کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مؤسسہ جماعت اسلامی کو پاکستان کے اسلامی سیکٹر میں امکانات کے لحاظ سے یہاں کے سب سے زیادہ باوسائل اور سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والے گروہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مؤسس جماعت کے خلاق ذہن‘ عام فہم نثر‘ غیر معمولی لسانی شعور کے ساتھ ادبیت اور قرآن وسُنّت سے علمی و

☆ جماعت اسلامی کا ایک ذیلی فلاحی ادارہ

انجذابی وابستگی نے وقیع وشاندار علمی دینی لٹریچر اور تفسیر قرآن میں ظہور کر کے لاتعداد خواتین وحضرات کو اسلام کی حقیقت سے روشناس کرایا۔ ان کی زندگیوں میں ایمان ویقین کی جوت جگا کر شروع کے عشروں میں بڑی تبدیلی برپا کی۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور تحریکی جماعتی مساعی کے ذریعے اپنے قارئین اور سامعین کے ذہن میں یہ بات پختگی کے ساتھ بٹھائی کہ ہر قوم اور تہذیب کا طرزِ زیست اس کے تصوّرِ حقیقتِ اعلیٰ یعنی عقیدۂ الٰہ' تصوّرِ انسان اور تصوّرِ کائنات کے تابع ہوتا ہے۔ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور موت ہر فرد کے لیے وقت مقررہ پر آ کر اسے ایک دوسرے جہان میں منتقل کر دینے والی ہے جہاں اس کے ایمان اور اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

کلام اللہ کا ہر صفحہ دین اسلام کے اس بنیادی مقدّمے کو انتہائی مؤثر انداز میں پیش کر کے انسانوں کو مرید دنیا اور مرید آخرت کے دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے: ﴿مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ﴾ (آلِ عمران: ۱۵۲) ۔ چنانچہ دین کی حقیقت پوری زندگی اور ہمہ جہت آئین بندگی ہے۔ اس پورے تناظر میں اصل' حقیقی اور نافع علم وہ 'العلم' ہے جو وحی پر مبنی ہے یعنی ما قال اللّٰہُ وقال الرّسول ۔ چنانچہ مسلمانوں کے لیے کلام اللہ اور سُنّتِ رسول ﷺ کا علم بنیادی اہمیت کا حامل ہے جو ہماری انفرادی واجتماعی ہر قسم کی اَقدار' اَہداف اور اَخلاق وروحانی تحرک کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ ایمان وعمل کے اس عظیم دعوتی اور ربّانی فہم کو توسیع دینے اور عمومی بنانے کے لیے ضروری خیال کیا گیا کہ ہر جگہ تذکیر بالقرآن' سیرتِ نبویؐ اور اُسوۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سنجیدہ دعوتی وتربیتی حلقے قائم کیے جائیں' کیونکہ نبی مکرم ﷺ کی سُنّت اور اَتقیاء وصلحاء کی سیرت سے بڑھ کر کوئی فلسفہ و فکر اور آئیڈیالوجی نہیں جو انسانیت کے لیے حیات بخش ثابت ہو۔ مولانا مودودیؒ کے فکر کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ خدا پرستی اور اتباعِ رسولؐ پر مبنی دینی وروحانی کلچر وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ مولانا مودودیؒ کے فکر شہادتِ حق علی الناس اور غلبۂ دین سے انسپیریشن لے کر بانی تنظیم اسلامی اور مؤسس انجمن خدّام القرآن برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے پاکستان کے طول وعرض اور کئی بیرونی ممالک میں دروسِ قرآنی کے ذریعے ''رجوع الی القرآن'' کے عنوان سے پانچ چھ دہائیوں کے دوران شدید محنت کر کے عوام کی سطح پر اور تعلیم یافتہ حضرات وخواتین میں بھی مسلم شناخت کی حقیقی معنویت اور قرآن وسُنّت کے حوالے سے مسلمانوں کے فرائض کا شعور پیدا کیا۔

راقم کا خیال تھا (اور خواہش بھی!) کہ جماعت کے کثیر الاشاعت ہفتہ وار ''فرائیڈے اسپیشل'' میں جناب شاہنواز فاروقی صاحب جو نظریاتی طور پر ایک باریک بین اور نکتہ شناس مصنف اور علّامہ اقبالؒ کے الفاظ میں ''مرد خبیر'' ہیں' وہ حافظ نعیم الرحمٰن کے ''بنو قابل'' میگا پراجیکٹ اور طالبات وخواتین کی empowerment اور معاشی آسودگی وخود مختاری (جو تحریک نسواں کے نعرے ہیں) کے حوالے سے مؤسس تحریکِ اسلامی کے بنیادی اسلامی عائلی نظام کے نقیض پروگرام اور تہذیبی فکری تحولِ عظیم پر ناقدانہ تبصرہ کریں گے۔ لیکن معاملہ ع ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!'' والا ہوا۔ اس اہم پروگرام کے فوری بعد شائع ہونے والے شمارے میں فاروقی صاحب کی دو تحریریں قارئین کے مطالعے میں آئیں: ایک ''معاشرے میں کرداری نمونوں کا بحران'' کے عنوان سے اور دوسری ''کفر تک لے جانے والی غربت' خودکشی تک لے جانے والا معاشی دباؤ''۔ ایک دوسرے مستقل قلمکار

اے اے سیّد نے اس پورے ایونٹ کی واقعاتی تفاصیل تحریر کیں۔ فاروقی صاحب نے اشارتاً بھی یہ نہیں کہا کہ یہ پورا پراجیکٹ ہمارے دینی وملّی مواقف اور روایت کی قربانی اور مغربی استعماری جدیدیت (modernity) کے عزائم کی تکمیل کا باعث بنے گا۔ عیسائی دنیا میں مارٹن لوتھر اور بعد ازاں کئی دوسرے مفکّرین کے زیرِ اثر عیسائیت میں دین اور دنیا کی ثنویت اور دنیا پرستی پر ارتکاز اپنی پوری شدّت کے ساتھ ظہور پذیر ہوا ہے اور عیسوی زمین سماوی ہدایت کے چشمہ فیضان سے منقطع ہو کر خالص مادّہ پرستانہ دلدل میں اتر گئی۔ یورپ نے حلال وحرام کی تمیز اٹھا دی اور جوع الارض اور مادی فوائد اس کے لیے سب سے پُرکشش مقاصدِ حیات ٹھہرے۔ اسلامی تصوّرِ ایمان وعلم انسان میں خدا خوفی کا احساس راسخ کرتا ہے' جبکہ جدیدیت کا کج نظر اور بودا تصوّرِ علم اس کی آنکھ بے نم اور دل پتھر کا کر دیتا ہے۔

جماعت اسلامی سے وابستہ اصحابِ فکر و دانش بخوبی جانتے ہوں گے کہ جدید ٹیکنالوجی انسان اور انسانیت کو کس طرح تبدیل کر رہی ہے۔ جدید فکر انسان کو محض ایک جبلی اور نفسی خواہشات کو پورا کرنے والے ارتقائی ''ہیومن'' کی صورت میں پیش کرتی ہے جبکہ قرآنی ہدایت کے تناظر میں ہمارا بنیادی وصف یا essence 'انسان'☆ ہونا نہیں بلکہ ''بندہ'' ہونا ہے' کیونکہ اسلامی وجودیات میں وجود دو ہی ہیں: ایک اللہ اور دوسرے ماسوا اللہ یعنی اوّل الذکر خالق' الٰہ یا معبود اور ثانیاً مخلوقات یا بالفاظِ دیگر اللہ کے تمام بندے۔ چنانچہ جمادات' نباتات چرند پرند اور انسان سب اللہ کے بندے اور مخلوق ہیں۔ انسانوں کے سوا تمام مخلوقات کی ''بندگی'' بالاجبار یا بالتسخیر ہے جبکہ انسان (مرد وعورت دونوں) کو تکوینی بندگی میں محدود اختیار بھی دیا گیا ہے جس کی بنیاد پر اسے تشریعاتِ الٰہی کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ چاہے تو وہ انہیں قبول کر کے ان پر عمل کرے اور چاہے تو انکار کر کے کفر کا ارتکاب کرے۔ قصہ آدم وابلیس اسی انسانی اختیار (Human free-will) کا بیان ہے۔ اس حوالے سے ہم مسلمانوں کی اصل اور بنیادی شناخت (essential identity) تسلیم ورضا کے ساتھ اللہ کے بندے اور رسول اللہ ﷺ کے اُمتی ہونے کی ہے۔ دینِ اسلام اس اعتبار سے آئین بندگی کا نام ہے۔ اس کے لیے سہولت جہاں ایک جانب نوعِ بنی آدم میں روحِ ربانی کا پھونکا جانا اور دین فطرت پر ہر بچے/ بچی کی پیدائش ہے' تو دوسری جانب سلسلہ نبوت اور اس کی آخری کڑی ختم المرسلین ﷺ کے ذریعے اُمورِ دینی کا پورا ضروری علم اور عملی نمونہ ہے جو محفوظ شکل میں سلف صالحین سے چلا آ رہا ہے۔

آئی ٹی اور جدید ٹیکنالوجی کی طرف دعوت دینے والے حضرات کے علم میں ہونا چاہیے کہ اس وقت دنیا کے اکثر بڑے مفکّرین اور صاحبانِ عقل ودانش کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عصری گلوبل مسائل — مثلاً نیوکلیئر تباہی کا

☆ اس لفظ سے ہی انسانیت نوازی یا humanism کا پورا فلسفہ اور نظریہ اخلاق وضع کیا گیا ہے جبکہ بحیثیت مسلمان ہماری اصل اور بنیادی فکری کیٹیگری صرف انسان ہونا نہیں' بلکہ ''بندہ'' ہونا ہے۔ ہیومن ازم کے مطابق آدمی کی پہچان' اس کی وابستگی' اس کی برادری اور اسے پابند کرنے والی شریعت آدمی کی ''انسانیت'' ہے جس کا تعلق اس زمین سے ہے نہ کہ آسمان سے اترنے والی کوئی حقیقت جو کسی خدائی شریعت اور کسی مافوق الفطرت وحی پر قائم ہو۔ اس کی وجہ سے انبیاء پر اُتری ہوئی ہدایت کوئی معنی نہیں رکھتی۔

خطرہ‘ ماحولیاتی آلودگی اور موسمی تبدیلیاں‘ انسان کا احساسِ بیگانگی یا ذہنی مسائل اور اُلجھنیں وغیرہ —— کے پیچھے اصل ہاتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے اور وہ اس کو زیر بحث لا کر problematize کر رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جرمن فلسفی کانٹ سے شروع ہونے والی تحریک تنویر (Enlightenment project) نے تقریباً تمام ادیانِ عالم میں پائی جانے والی انسانی مابعد الطبیعیاتی عظمت کو پاش پاش کر کے اسے نفس‘ خودی‘ قلب اور روح سے تہی دست (dehumanize) کر دیا۔ مغرب میں واقع ہونے والے صنعتی انقلاب کے سماجی واخلاقی اثرات کو ہمارے وِژنری شاعر علّامہ محمد اقبالؒ نے تقریباً ایک صدی قبل اس شعر میں بیان کیا تھا۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت　　　احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

اسلامی سیکٹر کے اہلِ علم کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہونا چاہیے کہ جس طرح انسان کی روحانی مابعد الطبیعی فطرت کو ڈاروِن‘ فرائیڈ یا ایلن ٹورنگ نے چیلنج کیا تھا وہ پرانا قصہ ہے اور بات اب بہت آگے نکل گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سائبر سپیس اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور ان کے زیر اثر پروان چڑھنے والے سماجی علوم نے مل کر ایک بالکل نیا تصوّرِ انسان وضع کیا ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ وجود کو بھی ایک بالکل نئے انداز سے ڈیفائن کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ایک اہم مغربی دانشور کے مطابق ٹیکنالوجی اب ہماری ontology ہی نہیں بلکہ ecology بھی بن گئی ہے‘ یعنی فرد اور پورا ماحول عالمگیریت کے سائے اور ڈیجیٹل دنیا کا عکاس اور پروردہ ہے۔ بائیوٹیکنالوجی اور آرٹیفیشل انٹیلی جنس (AI) کے اشتراک سے انسان کی فطری تخلیق میں تبدیلی کر کے ایک طرح کا ٹرانس ہیومن وجود میں لانے کی سکیم تیار کی جا رہی ہے۔ اینڈرائڈ (سمارٹ موبائل فون) نے جس طرح ہمارے نوجوانوں کے ذہن اور لائف سٹائل کو تبدیل کیا ہے وہ سب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ آج ہم بے حیائی اور فحاشی میں جکڑے جا چکے ہیں۔ ہمارا وقت فیملی‘ عبادت گاہ یا نیچرل بیوٹی کی سیرگاہوں سے لطف اندوز ہونے کی بجائے مختلف قسم کی سکرینوں کو دیکھنے میں صرف ہوتا ہے۔ ہم صورتوں (images) کے سحر سے نکل کر کبھی کچھ لمحات خود احتسابی اور دروں بینی کے لیے نہیں نکال پاتے۔ جدید انسان کے لیے اب اصل علم وہ ہے جو وہ مغرب سے آئے ہوئے افکار میں دیکھتا ہے۔ بالعموم اس کے لیے جدیدیت اور لبرل ازم کے ڈسکورس میں کسی روحانی یا فطرت سے ماوراء عنصر کی کوئی گنجائش نہیں۔ انسان اب جبلی خواہشات اور سفلی جذبات کے تحت حرکت و عمل کرنے والا معاشی حیوان (Homo economicus) بن چکا ہے۔ سکرینز پر دیکھے جانے والا امیج کلچر شہوات کو بڑھاوا دینے کا مؤثر ذریعہ ہے اور نتیجتاً اِس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔

مندرجہ بالا منظرنامے کا تقابلہ اگر ہم اپنے دینی مسلمات اور معتقدات سے کریں تو ہمیں واضح تضاد اور ٹکراؤ نظر آتا ہے۔ معروف تابعی حضرت حسن بصریؒ کے بقول دنیا سب کی سب اجاڑ ہے سوائے علماء کی مجالس کے‘ اگر یہ نہ ہوں تو لوگ بالکل چوپاؤں کی طرح ہو جائیں۔ بلاشبہ قرآن و سُنّت نے لوگوں کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اقتصادی فلاح وانصاف اور سوشل جسٹس پر زور دیا ہے اور اس ضمن میں مرفہ الحال مسلمانوں کو کم وسائل اور کمزوروں کی مالی مدد کی بالصراحت تاکید کی ہے۔ فرض زکوۃ اور صدقات وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کی مدّات سے غرباء ومساکین کی مدد کرنے پر صاحبِ ثروت حضرات کے لیے عظیم اجرو

ثواب کی بشارت دی گئی ہے۔ چنانچہ شاہ نواز فاروقی صاحب نے پاکستان اور بالخصوص کراچی میں غربت وعسرت سے تنگ آئے لوگوں کے انتہائی منفی اقدام کو یقیناً بجا طور پر اُجاگر کیا ہے اور اس کا تدارک حکومتی سطح پر بھی اور اہلِ خیر حضرات کی جانب سے بھی ہونا چاہیے۔ اسی طرح اگر کم آمدنی والے خاندان میں سربراہ خانہ کی دو ملازمتوں کی تنخواہ سے بھی گزارا نہیں ہوتا تو خاتونِ خانہ اور بیٹی بھی شرعی حدود اور حجاب کا اہتمام کرتے ہوئے گھر میں یا باہر بھی جز وقتی جاب کر کے گھر کے اخراجات میں حصہ ڈال سکتی ہیں۔ لیکن جس طرح سوشل میڈیا پر موٹیویشنل سپیکرز کی طرف سے IT کے ذریعے کمائی اور مرفہ الحالی کا حصول اور دولت کی اندھی پرستش ایک باقاعدہ ٹرینڈ بن گیا ہے وہ انتہائی خطرناک اور غیر اسلامی ہے۔ ویسے بھی کارپوریٹ بزنس دفاتر میں نوجوان خواتین کا ملازمت کرنا ہمارے روایتی خاندانی نظام کے لیے انتہائی مہلک ہے۔ لگتا ایسا ہے کہ ہم اس پورے مخلوط سسٹم کے تحت مغرب میں فیملی لائف اور خاندانی یونٹ کے ٹوٹنے سے سبق حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ المیہ یہ ہے کہ مذہبی لیڈرشپ بھی اس حقیقت سے اغماض برتتے ہوئے طالبات کو آگے بڑھنے اور ''قابلیت'' بڑھا کر کمائی کرنے کی پُرکشش نفیرِ عام دے رہی ہے اور ہمارے دینی لٹریچر کی اہم اصطلاحات' قوتِ لایموت' قناعت اور رزق کفاف کو پس پشت ڈال کر حقوق النفس سے آگے بڑھ کر حظوظ النّفس اور تنعّم وتلذّذ کی طرف دعوت دے کر آخرت میں ان کا حساب مشکل بنا رہی ہے۔ حدیثِ نبویؐ ہے: ((اِنَّ البَذاذَۃَ مِنَ الایمان)) (رواہ ابوداود وابن ماجہ واحمد) یعنی سادگی' خستہ حالی اور کھردری زندگی بسر کرنا ایمان سے ہے یا اس کی نشانی ہے۔ 'قرون مشھود لھا بالخیر' میں ہماری یہی اعلیٰ قدریں تھیں جن کی طرف توجہ بدقسمتی سے اب اہلِ دین کی بھی نہیں ہے۔ یہ نیرنگیٔ سیاستِ دوراں نہیں تو اور کیا ہے؟

گویا ہم بحیثیتِ معاشرہ دین اور دین داری میں اصلاح اور ترقی کی بجائے جس طرح دنیاداری اور مادّی سوچ کی طرف بگٹٹ بھاگ رہے ہیں اسے ہر فہیم ذہن اور دینی سوجھ بوجھ والا شخص دیکھ سکتا ہے۔ ایمان اور یقینِ قلبی میں افزائش جو تلاوت کلام پاک' اس کے معانی ومطالب کے مطالعے اور پنج وقتہ نماز کی پابندی سے حاصل ہوتی ہے' وہ اب ہماری ترجیحات اور مصروفیات میں کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ اسلامی سیکٹر بھی اب جس قسم کی اسٹریٹجی اپنا کر اپنے آپ کو عوام میں پاپولر اور معاشرے میں مؤثر بنانا چاہ رہا ہے' وہ سراسر مغربی لبرل تہذیب کی فاتحانہ پیش قدمی کا آئینہ دار ہے۔

راقم کی اس مختصر تحریر میں مغربی جدیدیت اور لبرل ازم کی اصطلاحات آئی ہیں جن کی تفصیلی اور فکر انگیز وضاحت کے لیے مَیں قارئین کی توجہ قرآن اکیڈمی (انجمن خدام القرآن لاہور) کے استاذ اور انجمن کے رکن شوریٰ ڈاکٹر رشید ارشد صاحب کی ویڈیوز کی طرف مبذول کراؤں گا۔ انہوں نے بیس ہفتوں میں فہم وتنقید جدیدیت پر تقریباً ۳۰ گھنٹے کے ہفتہ وار لیکچرز دیے۔ یہ پروگرام ۲۱ جولائی سے ۱۵ دسمبر ۲۰۲۲ء تک جاری رہا۔ غالباً یہ youtube پر موجود ہیں۔ انہی محاضرات کا خلاصہ عزیزم نے کراچی میں How Technology is changing us کے عنوان پر —— بیسیوں کتابوں کے حوالوں کے ساتھ —— لیکچر کی صورت میں دیا ہے۔ اُمید ہے قارئین حکمت قرآن خود بھی ان سے استفادہ کریں گے اور اپنے احباب سے بھی شیئر کر کے ان مفید اور علمی ایمانی افکار کو پھیلائیں گے۔ ❁❁❁

And you do not resent us except because we believed in the signs of our Lord when they came to us. Our Lord, pour upon us patience and let us die as Muslims [in submission to You]."

Thus, faced with utter failure Pharaoh finally resorted to branding the whole magic tournament as a conspiracy concocted by Prophet Moses *(AS)* and his *(AS)* accomplice sorcerers. Under threat of death and physical torture, he pushed the sorcerers to confess that they had acted in collusion with Prophet Moses *(AS)*. This last move by Pharaoh was ineffectual. The sorcerers readily agreed to endure every torture, clearly proving thereby that their decision to accept Prophet Moses's *(AS)* message reflected their sincere conviction and that no conspiracy was involved. Pharaoh then gave up all pretence to follow truth and justice, and brazenly resorted to persecution instead. The sorcerers turned Muslims prayed to Allah *(SWT)* for patience and forbearance in that hour of trial and beseeched Allah's *(SWT)* help to remain steadfast and die as Muslims.

The tremendous and instantaneous change which took place in the characters of the sorcerers is also of significance. The sorcerers had come from their homes to vindicate their ancestral faith and receive pecuniary rewards from Pharaoh for overcoming Prophet Moses *(AS)*. However, when true faith illumined their hearts, they displayed such resoluteness of will and love for the truth that they contemptuously turned down Pharaoh's offer, and demonstrated their full readiness to endure even the worst punishments for the sake of the truth that had dawned upon them.

==================================

And Allah *(SWT)* Knows Best!

Verses 123 through 124

Verse 123

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

Said Pharaoh, "You believed in him before I gave you permission. Indeed, this is a conspiracy which you conspired in the city to expel therefrom its people. But you are going to know.

Verse 124

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ

I will surely cut off your hands and your feet on opposite sides; then I will surely crucify you all."

Pharaoh was a tyrant and a false claimant to godhead. He was livid with the adverse outcome of his plan and arrogantly chided the magicians, who had now become Mulsim, for coming to believe in any entity besides himself. He knew that he had been defeated but to save face he fell back on his pretense of false majesty by holding them accountable for acting without his permission. He cunningly tried to make it about a conspiracy hatched between them and Prophet Moses *(AS)* to rob him of his dominion and authority over Egypt and a plot to expel him from the city. He said that they would all have to pay the price for their 'intrigue'. He ordered the harshest punishment for the magicians who turned Muslims by decreeing that their hands and feet be cut in the opposite directions. He then ordered them to be crucified.

Verses 125 through 126

Verse 125

قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ

They said, "Indeed, to our Lord we will return.

Verse 126

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ

and sorcerers and they produced great trickery. Allah *(SWT)* revealed unto Prophet Moses *(AS)* to throw his *(AS)* staff and, lo and behold, it started swallowing all the falsehood that the magicians had conjured up. Thus the truth was established before the whole crowd. The magicians and sorcerers, and their benefactors including Pharoah and his chieftains and courtiers, were all proven false. They were utterly overpowered and humiliated.

Verses 120 through 122

Verse 120

وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾

And the magicians fell down in prostration [to Allah].

Verse 121

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾

They said, "We have believed in the Lord of the worlds,

Verse 122

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾

The Lord of Moses and Aaron."

Unanimously, the magicians fell into prostration and declared that they had come to believe in The Lord *(SWT)* of the worlds, The Lord *(SWT)* of Prophets Moses *(AS)* and Haroon *(AS)*.

Thus Allah *(SWT)* turned the tables on Pharaoh and his courtiers. They had arranged the magic show in the hope that it would convince the people that Prophet Moses *(AS)* was just a sorcerer, and thus make them skeptical about his *(AS)* claim to prophethood. But the actual outcome was quite the opposite. The sorcerers who had been assembled were defeated. Not only that, but it was also unanimously acknowledged that the signs displayed by Prophet Moses *(AS)* in support of his *(AS)* claim were not feats of magic. Rather, his *(AS)* signs manifested the might of Allah *(SWT)*, the Lord of the universe, and hence could not be overcome by magic.

Verses 115 through 119

Verse 115

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ

They said, "O Moses, either you throw [your staff], or we will be the ones to throw [first]."

Verse 116

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَاۗءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ

He said, "Throw," and when they threw, they bewitched the eyes of the people and struck terror into them, and they presented a great [feat of] magic.

Verse 117

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ

And We inspired Moses, "Throw your staff," and at once it devoured what they were falsifying.

Verse 118

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

So the truth was established, and abolished was what they were doing.

Verse 119

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ

And they [i.e., Pharaoh and his people] were overcome right there and became debased.

So, the 'competition' began. The magicians and sorcerers questioned, challengingly and confidently, Prophet Moses *(AS)* whether he would be the one to throw his *(AS)* staff first or if should they perform their magic tricks. Prophet Moses *(AS)* told, with the Will of Allah *(SWT)*, to the magicians and sorcerers to throw their items. Their magic bewitched the people's sight as all their ropes, strings and other items appeared to be snakes running wildly on the ground. Everyone watching was spellbound. Indeed, they were professional magicians

Verse 112

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾

Who will bring you every learned magician."

Verse 113

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوٓا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِينَ ﴿١١٣﴾

And the magicians came to Pharaoh. They said, "Indeed for us is a reward if we are predominant."

Verse 114

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿١١٤﴾

He said, "Yes, and, [moreover], you will be among those made near [to me]."

The chieftains and courtiers of Pharaoh were in panic. As mentioned earlier they could foresee the loss of political hegemony in case Prophet Moses *(AS)* was allowed to take the centre stage. They sought to buy time and made a mischievous plan.

The plan of Pharaoh's courtiers suggests that they knew the difference between mere sorcery and a miracle. They were well aware that miracles are effective and can bring about actual transformation whereas sorcery results merely in an optical illusion. Hence, they dubbed Prophet Moses *(AS)* a sorcerer to refute his *(AS)* claim to prophethood. They claimed instead that the transformation of the staff into a serpent was not a miracle; that it was rather a magical performance that could be undertaken by any sorcerer. Therefore, they asked all the sorcerers of the land to come together and display how a staff could be magically transformed into serpents. They believed that such a magical show would remove the awesome effect created by Prophet Moses's *(AS)* miracles on the people, or at least sow doubts in their minds about those miracles.

To cut a long story short, professional magicians and sorcerers were amassed from all over the land. The magicians sensed the enormity of the occasion and asked if they would be rewarded if they were to become the victors in the competition. Pharoah gave the magicians his blessings and promised them positions of great authority and status.

Who wants to expel you from your land [through magic], so what do you instruct?"

The above account raises the question as to how a destitute member of the slave Israeli nation could pose such a serious threat to an emperor as mighty as Pharaoh. This is especially so when one considers that Pharaoh was not only an absolute ruler over territory that stretched in one direction from Syria to Libya and in the other from the Mediterranean coast to Ethiopia but was even considered a deity deserving of worship!

One might also wonder how the transformation of Prophet Moses's *(AS)* staff into a serpent could be considered an event of such magnitude as to give rise to the fear that Prophet Moses *(AS)* would overthrow the entrenched empire and unseat the royal family as well as the entire ruling class. It might further seem strange that the mere declaration of prophethood and the demand to liberate the people of Israel caused such a furor even though no other political question had been touched upon.

The answer here lies in the fact that Prophet Moses's *(AS)* claim to prophethood implied the call to total change, obviously, including political change. For if a person lays claim to be Allah's *(SWT)* Messenger *(AS)*, it implies that people obey him *(AS)* unreservedly. For Allah's *(SWT)* Messengers *(AS)* are not sent to the world to obey other human beings and live in subordination to them; they rather command others to accept them *(AS)* as their leaders and rulers. It is this which explains why Pharaoh and his coterie felt threatened by an all-out revolution, political, economic, and social - when Prophet Moses *(AS)* came forth with his *(AS)* call.

Verses 111through 114

Verse 111

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ۝١١١

They said," Postpone [the matter of] him and his brother and send among the cities gatherers

Verse108

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ۝۱۰۸

And he drew out his hand; thereupon it was white [with radiance] for the observers.

Prophet Moses *(AS)* was granted these two miraculous signs to provide testimony to his being a Messenger *(AS)* of Allah *(SWT)*, the creator and sovereign of the universe. When he *(AS)* threw down his staff, it became a serpent – manifest and clear. When he *(AS)* drew forth his *(AS)* hand from his *(AS)* bosom, it was white (radiant) for all the beholders. As mentioned earlier, whenever the Prophets *(AS)* introduced themselves as Allah's *(SWT)* Message-bearers, people asked them to produce some miraculous sign, to perform something supernatural. In response to those demands, the Prophets *(AS)* produced what the Qur'an terms as 'signs', and which are called 'miracles' by theologians.

Concerning miracles and doubting them, there are two basic questions that cynics should ask themselves. Did Allah *(SWT)*, after creating the universe and establishing a system of natural causations therein, suspend Himself *(SWT)* such that it is no longer possible for Him *(SWT)* to interfere in the workings of the universe? Or does He *(SWT)* still hold the reins to His *(SWT)* realm in His *(SWT)* own hands that His *(SWT)* command is enforced every moment, and He *(SWT)* does retain the power to alter the shape of things and the normal course of events - either partially or fully, as and when He *(SWT)* wills? Indeed the latter holds true.

Verses 109 through 110

Verse 109

قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌۙ۝۱۰۹

Said the eminent among the people of Pharaoh, "Indeed, this is a learned magician.

Verse 110

يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ‌ۚ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ۝۱۱۰

Verses104 and 105

Verse 104

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۱۰۴﴾

And Moses said, "O Pharaoh, I am a messenger from the Lord of the worlds

Verse 105

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴿۱۰۵﴾

[Who is] obligated not to say about Allah except the truth. I have come to you with clear evidence from your Lord, so send with me the Children of Israel."

The Prophet Moses *(AS)* was sent to Pharaoh to invite him (give dawah) to two things; first, to surrender himself to Allah *(SWT)* (i.e. Islam); and second, to release the Israelites - who were already Muslims - from his oppressive bondage. The Qur'an refers occasionally to both of these objectives and occasionally confines itself to mentioning either of the two. It must be noted that Bani Israel had come to dwell from Palestine to Egypt during the time of Prophet Yusuf *(AS)*. However, the Pharaohs had been persecuting them as slaves for hundreds of years. Prophet Moses *(AS)* declared to Pharaoh that he *(AS)* was the Messenger of Allah *(SWT)* and that his *(AS)* message was based on the absolute Truth.

Verses 106through 108

Verse 106

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۰۶﴾

[Pharaoh] said, "If you have come with a sign, then bring it forth, if you should be of the truthful."

Verse 107

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴿۱۰۷﴾ۚۖ

So he [i.e., Moses] threw his staff, and suddenly it was a serpent, manifest.

who mounted the Egyptian throne called himself Pharaoh, trying thereby to assure his people that he was their supreme deity. It was, at that time, the title of the Egyptian king, similar to emperors Nimrod of Babylon, Ceaser of Rome, and Qisra (or Khosrow) of Persia.

'They were unjust toward them (Our signs)' refers to their rejection of Allah's *(SWT)* signs and to the fact that they dismissed them as sheer sorcery. Thus they suffered a tormenting fate.

In this whole passage, the story of Pharaoh also advises the Quraysh of Makkah that the large differences in the numerical strength of the forces of truth and falsehood in the early phase of the Islamic movement should not lead them to entertain any kind of illusion. History provides ample testimony that the Message of truth has always had a very humble beginning. However, the Truth gains gradual momentum and ultimately triumphs over all falsehood. The Quraysh are also reminded that all conspiracies hatched against the Prophets *(AS)*, and all the means employed to suppress the Message of truth are ultimately foiled. They are further told that Allah *(SWT)* grants long terms of respite to the evil-doing nations so that they might mend their ways and reform themselves. But when they persistently disregard all warnings and learn no lesson from instructive events, He*(SWT)* smites them with exemplary punishment.

Some further lessons are meant to be conveyed to those who believed in the Holy Prophet *(SAAW)*. First, they should not feel disheartened by the paucity of resources, nor be overawed by the impressive numerical strength, pomp, and grandeur of their enemies. Nor should they lose heart if they find that Allah's *(SWT)* help does not come at *their* expected hour. Second, those who follow in the footsteps of the Jews are bound, ultimately, to be seized by the same curse which afflicted the Jews.

As for the Israelites, they are warned against the evil effects of clinging to falsehood. Illustrations of this were provided by important events in their history. They are also told to purge the message of the earlier Prophets *(AS)* of all accretions and distortions and to restore it to its original purity, by affirming the message of the Holy Prophet *(SAAW)* and becoming Muslims.

our Lord *(SWT)*. However, most human beings do not fulfill this covenant. However, most human beings are not faithful to the collective covenant which is binding on every human being as a member of the human fraternity. Nor are men generally faithful to the commitments which they make to Allah *(SWT)* in hours of distress or in moments when their moral instincts are awake and astir. Violation of any of these covenants has been termed fisq (transgression).

Verse 103

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ۝

Then We sent after them Moses with Our signs to Pharaoh and his establishment, but they were unjust toward them. So see how was the end of the corrupters.

The stories narrated in the Qur'an bring home unmistakably the point that people who reject Allah's *(SWT)* Message are not spared; rather they are destroyed. In narrating at length the story of Moses, Pharaoh, and the Israelites, the Qur'an provides some important lessons for the unbelieving Quraysh, the Jews, and also the believers.

The previous sections of this Surah mentioned five mightly Messengers *(AS)* of Allah *(SWT)*; Prophet Noah*(AS)*, Prophet Hud *(AS)*, Prophet Salih *(AS)*, Prophet Lot *(AS)*, and Prophet Shu'ayb *(AS)*. This verse starts the extensive discourse in the Surah related to an important chapter in the history of Bani Israel and the enormous battle of Prophet Moses *(AS)*, along with his *(AS)* brother Haroon *(AS)* and the believers against Pharoah. Just like in the case of the previous Prophets *(AS)*, Allah *(SWT)* sent His *(SWT)* Messenger Moses *(AS)* with an unambiguous message and clear signs, proofs, and miracles towards the nation of the Pharoah.

'Pharaoh' literally means 'the offspring of the sun god'. The ancient Egyptians called the sun 'Ra', worshipped it as their supreme deity, and Pharaoh - Ra's physical manifestation and representative - was named after it. It was for this reason that all Egyptian rulers claimed their authority based on their association with Ra, and every ruler

but they were not to believe in that which they had denied before. Thus does Allah seal over the hearts of the disbelievers.

The purpose and mechanism behind the 'sealing of hearts' mentioned in the preceding verse are also explained in the present verse. It is clear from the two verses that the 'sealing of hearts' means that man's capacity to hear and understand the truth is seriously impaired. Once a person turns away from the truth because of his irrational prejudices and the dominance of lust, he becomes enmeshed in his own obstinacy and adamance.With time this adamance is compounded to such an extent that despite all rational and empirical evidence in support of the truth, he continues to reject it.

In short, the Qur'an tells the stories of the previous towns and cities, the Messengers *(AS)* sent to the people dwelling there with clear teachings, proofs, and signs, and the ultimate fate of those people, good and bad. The moral of these events of the past is that when it dawns on people that they are being called to the Truth, they must accept it. If, however, the heart, the mind, the intellect, and the soul have testified that this is the Truth, but they still reject it because of their arrogance, then due to such persistent denial, the faculty and the capability of seeing the Truth is withdrawn by Allah *(SWT)* and this is the way Allah *(SWT)* puts a seal on the hearts of the unbelievers.

<u>Verse 102</u>

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾

And We did not find for most of them any covenant; but indeed, We found most of them defiantly disobedient.

Not finding most of them any covenant or not finding most of them true to their covenants signifies the general propensity of people not to honour their commitments. Most human beings are not faithful to the primordial covenant which they made with Allah *(SWT)* which is binding on every mortal as Allah's *(SWT)* servant and creature. Before the creation of the world of matter, only the souls of all human beings were created and from all those souls, Allah *(SWT)* took a covenant that Am I *(SWT)* not your Lord *(SWT)*? All the human beings from Adam *(AS)* to the last man replied, why not, we accept You *(SWT)* as

Exposition of verses 100 – 126 of Surah Al-A'raf

Verse 100

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝

Has it not become clear to those who inherited the earth after its [previous] people that if We willed, We could afflict them for their sins? But We seal over their hearts so they do not hear.

Every nation which rises in place of one that falls can perceive the misdeeds which brought about the preceding nation's fall. Were such a people to make use of their reason, to appreciate the false ideas and misdeeds which led to the undoing of those who once strutted abroad in vainglory, they would have realized that Allah *(SWT)* Who*(SWT)* had once punished them for their misdeeds and deprived them of power and glory had not ceased to exist. Nor has Allah *(SWT)* been deprived of the power to inflict a punishment on the people of the present times, a power with which He *(SWT)* smote the nations of the past. Nor has Allah *(SWT)* become bereft of the capacity to dislodge the wicked nations of today in the manner He *(SWT)* did in the past.

Those people who derive no lesson from history, who thoughtlessly pass over the ruins of the past, remaining engrossed in heedlessness, are deprived by Allah *(SWT)* of the capacity to think correctly and to pay due attention to the counsel of well-wishers. Such is the law of nature made by Allah *(SWT)* that if someone closes his eyes, not even a single ray of sunlight will reach his sight. Similarly, if someone is bent upon closing his ears none can make him hear even a word. That, in the Qur'anic terminology, is called a seal on the heart.

Verse 101

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝

Those cities – We relate to you, [O Muhammad], some of their news. And certainly, did their messengers come to them with clear proofs,

conditions that would conduce to the acceptance of his *(AS)* Message were created. This was usually done by subjecting the nations concerned to a variety of afflictions and punishments. They were made to suffer miseries such as famine, epidemics, colossal losses in trade and business, and defeat in war. Such events helped to soften up their hearts. Those events generated humility and modesty. They enabled people to shake off their pride and shatter their reliance on wealth and power and induced them to trust One Allah *(SWT)*, Who is all-powerful, and fully controls their destiny. But if the people continue to refrain from embracing the truth they are subjected to another kind of test - that of affluence. This last test signaled the beginning of their destruction. Their foolish leaders also inculcate in their minds an altogether preposterous concept of history. Hence if a nation is seized by an affliction or scourge, such people see no reason why it should be taken as a result of their moral failure. They are rather inclined to consider that a person's readiness to heed moral admonition or to turn humbly towards Allah *(SWT)*, is a sign of psychological infirmity. It is elucidated that had the people of the destroyed nations, residing in flourishing cities and towns, believed in Allah *(SWT)* and their Messengers *(AS)* and adopted Taqwa [fear of Allah *(SWT)*], Allah *(SWT)* would have opened for them the gates of all His *(SWT)* blessings and bounty from the heavens as well as the earth.

The verses also serve a definite didactic purpose, highlighting their relevance to the time of the Prophet *(SAAW)*. A parallel is drawn that, when the transgressing people of the previous nations who denied the Message of Allah *(SWT)* and were arrogant in rejection of their Prophets *(AS)* could not be saved from the wrath of Allah *(SWT)* by their supposedly secure cities, then how can the Quraysh who dwell in the city of Makkah consider themselves immune to the wrath of Allah *(SWT)*. This section of Surah Al-A'raf (Verses 94 through 99) concludes by giving a clear warning to the disbelievers that while they have wicked plans against Allah *(SWT)*, His Messenger *(SAAW)*, and the Muslims, Allah's *(SWT)* secret plan and strategy of which they have no inkling will strike a decisive blow and they would be the losers.

==

Recap of verses 85 – 99 (inclusive) of Surah 7, Al-A'raf

This section of Surah Al-A'raf (Verses 85 through 93) recounts the address of the Prophet Shu'ayb *(AS)* to the people of Madyan, their disbelief, and their terrible fate. The people of Madyan had started transgressions in business, finance, trade, and economics, viz., corruption and malpractices, cheating people, and deception by short-changing in weights and measures. The central theme of the teachings of Prophet Shu'ayb *(AS)*, clearly shows that the people of Madyan suffered from two major ailments i.e. polytheism and dishonesty in business. Prophet Shu'ayb*(AS)* devoted his *(AS)* efforts to purging them of those evils. In his *(AS)* exhortations to his *(AS)* people, Prophet Shu'ayb *(AS)* emphasized that they should not allow the order of life, established by the previous Prophets *(AS)* on the foundations of the true faith and sound morals, to be corrupted by false beliefs and moral depravity. As a result of the dawah [call towards Allah *(SWT)*] of Prophet Shu'ayb *(AS)*, one group or 'party' from amongst them had come to believe in the Oneness of Allah *(SWT)* whilst the majority remained disbelievers. Those who disbelieved not only rejected the message of Allah *(SWT)* outright but also tried to use all kinds of evil ploys to dissuade the believers from the right path. Addressing the believers Prophet Shu'ayb *(AS)* told them to remain steadfast in their belief and bear all kinds of persecution with unflinching tenacity until the decision from Allah *(SWT)* came. The Chiefs of the nation of Madyan, who were disbelievers, said to the followers of Prophet Shu'ayb *(AS)* that if they kept following Prophet Shu'ayb *(AS)*, they would all be doomed and suffer a great loss. At last, the decree of Allah *(SWT)* came to pass. The disbelievers were seized by an earthquake. They suffered a sudden, horrific and painful death inside their strong dwellings. Thus, Allah *(SWT)* brought His *(SWT)* wrath on the nation of Madyan and saved Prophet Shu'ayb *(AS)* and the believers from within his *(AS)* nation, with His *(SWT)* mercy.

After narrating individually, the stories of how various nations responded to the Message of their Prophets *(AS)*, the Qur'an then spells out the general rule which has been operative throughout the ages. First, before the appearance of a Prophet *(AS)* in any nation,

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr.Israr Ahmad

Surah Al-A'raf

(The Heights)

(Recap of verses 85 – 99 of Surah,7, Al-A'raf, and exposition of Verses100 – 126 of the same Surah, inclusive)

Translator's note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most of the general discourse has been made by employing the 'male' as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of the opposite gender or to disrespect the status of women.

Moreover, each verse (Verse) has been kept as a continuum in order to prevent the misrepresentation of meanings, which may occur when the verses are broken up and the translation of those verses becomes kaput when done in bits and pieces.

Cross-references taken from other parts of the Qur'an and the Hadith of the Messenger of Allah (SAAW) are provided in italics.

The Translation of the Holy Qur'an done by the Message International – USA (www.FreeQuran.com) and edited by Saheeh International – UK, Dar Al Mountada – Saudi Arabia and Al Qummah – Egypt has been used in order to synchronize the use of modern English Language, which we believe will give a more accomplished sense of understanding to Today's mind.

50

سالہ رپورٹ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ترتیب

- مرکزی انجمن کے قیام کا پس منظر اور اغراض و مقاصد (اقتباسات از دستورِ انجمن) 101
- تحدیثِ نعمت (ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تحریر سے چند اقتباسات) 108
- تحریک تعلّم و تعلیمِ قرآن کا دورِ اوّل: اہم سنگ ہائے میل 113
- دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر: چند اقتباسات 119
- سالانہ قرآن کانفرنسیں اور محاضراتِ قرآنی 127
- مرکزی انجمن کے پہلے 25 سال 129
- پیش رفت .... 2022ء تک 149
  - رپورٹ: ڈائریکٹر اکیڈمی/ مدیر اکیڈمی 149
  - شعبہ مطبوعات 151
  - شعبہ تحقیق و تدریس 160
  - قرآن کالج سے کلیۃ القرآن تک (سفر اور خدمات) 165
  - شعبہ خط و کتابت کورسز 170
  - شعبہ انگریزی 172
  - آئی ٹی سیکشن، شعبہ تحقیق اسلامی 177
  - شعبہ سمع و بصر 184
  - مکتبہ خدّام القرآن 189

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے

قیام کا پس منظر اور اغراض و مقاصد

(اقتباسات از دستورِ انجمن)

1972ء میں جب مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کا قیام عمل میں آیا اور اس کا دستور پہلی بار شائع ہوا تو اس کے آغاز میں ''پس منظر'' کے عنوان سے انجمن کے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد کی حسبِ ذیل تحریر شائع ہوئی تھی:

''راقم الحروف نے مارچ 1967ء سے جون 1967ء تک ایک سلسلہ وار مضمون ماہنامہ ''میثاق'' لاہور کے ادارتی صفحات میں لکھا تھا جس میں تحریک پاکستان کے فکری اور جذباتی پس منظر کا جائزہ بھی لیا گیا تھا اور متعین طور پر یہ بتایا گیا تھا کہ اس کے بنیادی عوامل میں مذہبی اور دینی داعیہ کا حقیقی اور واقعی تناسب کس قدر تھا۔ اور یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ قیام پاکستان کے بعد یہاں اربابِ اقتدار اور دین کی علمبردار جماعتوں کے مابین جو کشمکش جاری رہی اس کا میزانیہ نفع ونقصان کیا ہے۔ اس مسلسل مضمون کا اختتام اس تحریر پر ہوا جو بعد میں ''اسلام کی نشأۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' کے نام سے کتابچے کی صورت میں شائع ہوئی اور جس میں احیائے اسلام کے لیے صحیح اور مثبت لائحۂ عمل کی نشاندہی کی گئی اور اس کے ذیل میں ایک قرآن اکیڈمی کے قیام کی تجویز پیش کی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس لائحۂ عمل کے پیش کرنے کے بعد بلا تاخیر اس پر عملی جدّوجہُد کے آغاز کی توفیق بھی بارگاہِ خداوندی سے حاصل ہوگئی۔ چنانچہ ایک طرف لاہور میں حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دوسری طرف دارالاشاعت الاسلامیہ کے تحت علوم قرآنی کی عمومی نشر واشاعت کی سعی کی گئی اور تیسری جانب سلسلۂ اشاعتِ قرآن اکیڈمی کے عنوان سے پے در پے کئی کتابچے اس مقصد سے شائع کیے گئے کہ اس کام کی اہمیت بھی لوگوں پر واضح ہو اور اس کا استدلالی پس منظر بھی نگاہوں کے سامنے رہے۔

راقم کو اس کام کا آغاز بالکل تن تنہا کرنا پڑا تھا۔ اس لیے کہ کسی بھی کام میں ساتھی اور رفیق اس کام کے ایک حد تک چل نکلنے کے بعد ہی ملا کرتے ہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پانچ سال سے بھی کم مدت کی حقیری مساعی کا یہ ثمرہ نگاہوں کے سامنے ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ؎

گئے دن کہ تنہا تھا مَیں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

اور ؎

مَیں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
راہرو ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

اس کامیابی کا اصل سبب تو یقیناً فضلِ خداوندی اور توفیقِ ایزدی کے سوا اور کچھ نہیں' لیکن اس فضل و توفیق کا ایک مظہر یہ ہے کہ راقم نے اس کام کو نہ تو کسی تفریحی مشغلے کے طور پر کیا اور نہ محض جز وقتی طور پر' بلکہ زندگی کا ایسا مقصد سمجھ کر کیا جس پر نہ پیشہ ورانہ مصروفیت مقدم رہی نہ صحت جسمانی' بلکہ ایک ایک کر کے ہر چیز داؤ پر لگ گئی۔ گویا۔

خیریتِ جاں' راحتِ تن' صحتِ داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی

بہر حال اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس (تعالیٰ) نے ایک بندۂ ناچیز اور عبدِ ضعیف کی حقیر سی مساعی کو اس درجہ مشکور فرمایا کہ ایک طرف درس و تدریس اور تعلیم و تعلّمِ قرآن کا سلسلہ لاہور اور بیرون لاہور روز افزوں ہے اور کچھ باہمت نوجوان اپنے اوقات کی متاعِ عزیز اور صلاحیتوں اور قوتوں کا اثاثہ لے کر یعنی ''بِاَنۡفُسِهِمۡ'' نصرت کے لیے حاضر ہو گئے ہیں۔ اور دوسری طرف کچھ حضرات روپے پیسے سے یعنی ''بِاَمۡوَالِهِمۡ'' شرکت کے خواہاں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے راقم کے پیش نظر کاموں میں باضابطہ تعاون کے لیے کمرِ ہمت کس لی ہے اور ''قرآن کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت'' اور ''قرآن اکیڈمی'' کے مجوزہ خاکے کو عملی شکل دینے کے لیے ''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور'' کے نام سے ایک باقاعدہ ادارے کے قیام کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مساعی جمیلہ کو شرف قبول عطا کرے اور ہم سب کو اپنے دین کی بالعموم اور اپنی کتاب عزیز کی بالخصوص خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

جہاں تک راقم کا تعلق ہے تو محض تَحدِیثًا لِلنّعمۃ عرض ہے کہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے اس شعر کے مصداق کہ۔

ہر تمنّا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

راقم کا حال اب واقعتاً یہ ہے کہ زندگی میں کوئی تمنا سوائے ''اسلام کی نشاۃِ ثانیہ'' اور ''غلبۂ دین حق کے دورِ ثانی'' اور اس کے لیے لازمی طریق کے طور پر افشائے کلامِ ربانی اور تشہیرِ علم و حکمتِ قرآنی کے باقی نہیں رہی۔

راقم نے اپنے بچپن میں نہایت ذوق و شوق سے حفیظ کا شاہنامہ پڑھا تھا۔ حفیظ جالندھری بعد میں تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کن کن وادیوں میں سرگرداں رہے' بہر حال شاہنامے کی تصنیف انہوں نے جس جذبے کے تحت کی تھی وہ ان کے اس شعر سے ظاہر ہے۔

کیا فردوسیٔ مرحوم نے ایران کو زندہ
خدا توفیق دے تو مَیں کروں ایمان کو زندہ

حقیقت یہ ہے کہ خود راقم کا واقعی حال اب یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی تمنا یا خواہش دل میں باقی نہیں رہی کہ احیائے اسلام کے عظیم مقصد کے لیے کم از کم اتنا تو ہو کہ ع

خدا توفیق دے تو مَیں کروں قرآن کو زندہ!

راقم کے لیے یہ یقیناً بہت چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے لیکن اللہ کی قدرت سے تو بہر حال کوئی چیز بھی بعید نہیں۔ کیا عجب کہ وہ راقم کو اس خدمت کے لیے قبول ہی فرما لے۔ ع

شاہاں چہ عجب گر بنوا زند گدا را!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ' وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔

آمِیْن یا ربَّ العالمین!!

خاکسار: اسرار احمد عفی عنہ' صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور"

✿✿✿

قراردادِ تاسیس واغراض ومقاصد

(MEMORANDUM)

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

چونکہ ہمیں اس امر کا شدید احساس ہے کہ

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

——— کا خواب ———

اُمّتِ مُسلمہ میں "تجدیدِ ایمان" کی عمومی تحریک

کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا اور

اس کے لیے لازم ہے کہ اوّلاً

منبع ایمان ویقین یعنی قرآن حکیم کے علم وحکمت

کی وسیع پیمانے پر تشہیر واشاعت کا اہتمام کیا جائے

——— اور چونکہ ———

اس ضمن میں ہمیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خیالات سے کامل اتفاق ہے

—— اور ——

ہم اس کام کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں جو وہ گزشتہ ساڑھے چار سال سے کر رہے ہیں

لِھٰـــذا

ہم چند خادمانِ کتابِ مبین

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں

جو ڈاکٹر صاحب موصوف کی رہنمائی میں مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے کوشاں رہے گی:

(۱) عربی زبان کی تعلیم و ترویج

(۲) قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق

(۳) علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت

(۴) ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو تعلیم و تعلّمِ قرآن کو مقصودِ زندگی بنالیں

(۵) ایک ایسی ''قرآن اکیڈمی'' کا قیام جو قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان مقاصد کے لیے بیش از بیش کوشش اور ایثار کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

❁

اس قرارداد پر اولاً چودہ حضرات نے دستخط ثبت فرمائے، بعد میں چھ مزید حضرات نے شمولیت اختیار کی اور اس طرح بیس مؤسسین کی شرکت سے اس کام کا آغاز ہوا۔ ان بیس حضرات کے اسماء گرامی حسبِ ذیل ہیں:

نمبر شمار   نام (بہ ترتیب حروف تہجی)

1۔ اقتدار احمد (مرحوم و مغفور)	2۔ بیگم اللہ بخش سیال
3۔ ڈاکٹر ایس آئی سرور	4۔ جناب خادم حسین
5۔ ظہیر احمد خان	6۔ ڈاکٹر ظہیر احمد
7۔ ڈاکٹر عبد اللطیف خان (مرحوم و مغفور)	8۔ بیگم ڈاکٹر عبد اللطیف خان

9۔ ڈاکٹر عبدالمجید
10۔ جناب فیض رسول
11۔ قمر سعید قریشی
12۔ میاں محمد رشید
13۔ جناب محمد عقیل
14۔ شیخ محمد یٰسین (مرحوم و مغفور)
15۔ ڈاکٹر محمد یقین
16۔ مقصود احمد اختر
17۔ میاں منظور الحق (مرحوم و مغفور)
18۔ نصیر احمد ورک (مرحوم و مغفور)
19۔ ڈاکٹر نور الٰہی
20۔ وقار احمد قریشی

درج بالا 20 حضرات مؤسسین میں سے ہیں۔ دو حضرات جناب صدر مؤسس کے حقیقی بھائی اور ایک حقیقی بہن شامل ہیں۔ فہرست ہذا کو چونکہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے لہٰذا یہ انوکھی صورتِ حال سامنے آئی کہ اول و آخر جناب صدر مؤسس کے دو حقیقی بھائیوں کے نام ہیں' اقتدار احمد مرحوم و مغفور اور وقار احمد صاحب۔ پانچ حضرات جن کے اسم گرامی کے سامنے مرحوم و مغفور کا اضافہ کیا ہے ہمیں داغِ مفارقت دے چکے ہیں اور اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔ ان حضرات کے لیے صمیمِ قلب سے ہم اللہ کے حضور دعا گو ہیں:

اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتک وحاسبھم حسابًا یسیرًا، اللّٰھم نوِّر مرقدھم واکرم منزلھم والحقھم بالصالحین۔ آمین یا ربَّ العالمین!

قراردادِ تاسیس کی مختصر تشریح

انجمن کے اس موقف کا مفصّل استدلالی پس منظر تو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اس تحریر ہی کے مطالعہ سے سمجھا جا سکتا ہے جو اب ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' نامی کتابچے کی صورت میں مطبوعہ موجود ہے' تاہم اجمالاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ:

1۔ ہمارے موجودہ دینی انحطاط کا اصل سبب یہ ہے کہ مغرب کی بے خدا سائنس اور یورپ کے ملحدانہ فلسفہ و فکر نے بحیثیت مجموعی پوری اُمّت کے ایمان کی جڑوں کو ہلا ڈالا ہے اور خرمنِ یقین کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ اور اب صورتِ واقعہ یہ ہے کہ عوام الناس کے دل و دماغ میں بالعموم اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے قلوب و اذہان میں بالخصوص خدا اور آخرت اور وحی و نبوت ایسے اساسی معتقدات تک کے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہی۔

2۔ اندریں حالات اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کی لازمی شرط (pre-requisite) تجدیدِ ایمان ہے اور قصرِ اسلام کی تعمیرِ نو کے لیے ایمان کی ان بنیادوں کی از سرِ نو تعمیر ناگزیر ہے جو صرف مضمحل ہی نہیں منہدم ہو چکی ہیں۔ گویا یہ عمارت صرف جزوی مرمت اور سطحی لیپا پوتی کی نہیں بلکہ بنیاد سے تعمیرِ جدید کی محتاج ہے۔

3۔ تجدیدِ ایمان کی اس مہم میں اولین اہمیت معاشرے کے اس فہیم عنصر (Intelligentsia) اور ذہین اقلیت (Intellectual Minority) کو حاصل ہے جو از خود معاشرے کی ذہنی و فکری قیادت کے منصب پر

فائز ہے اور جسے جسدِ ملّت میں وہی مقام حاصل ہے جو ایک فرد نوع بشر کے جسم میں اس کے دماغ (Brain) کو حاصل ہوتا ہے۔

4۔ اس طبقے کے قلوب واذہان میں ایمان کی تخم ریزی اور آبیاری کے لیے لازم ہے کہ خالصتاً قرآن حکیم کی بنیاد پر اور اسی کی ہدایت ورہنمائی کی روشنی میں ایک ایسی زبردست علمی تحریک برپا ہو جو ایک طرف وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر ملحدانہ افکار ونظریات کا مؤثر اور مدلّل ابطال کرے۔ دوسری جانب ٹھوس علمی استدلال کی مدد سے حقائق ایمانی کا واضح اثبات کرے تاکہ یقین اور اذعان کی کیفیت پیدا ہو۔ اور تیسری طرف ثابت شدہ سائنسی حقائق اور حقیقت کائنات وانسان کے بارے میں قرآن حکیم کے نقطہ نظر میں ایسی تطبیق کرے جس سے قلوب مطمئن ہو سکیں۔

5۔ اس کے لیے لازم ہے کہ کچھ ایسے نوجوان جو بیک وقت ذہین اور باصلاحیت بھی ہوں اور باہمت اور صاحبِ عزیمت بھی اور جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز پر خالص ذاتی نوعیت کا ایمان ویقین عطا فرمادے' اپنی پوری زندگی کو تعلّم وتعلیم قرآن کے لیے وقف کر دیں اور اس کتاب حکیم کے فلسفہ وحکمت کی تحصیل اور نشر واشاعت کے سوا زندگی میں ان کا مقصود ومطلوب اور کچھ نہ رہے۔

6۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور عربی زبان سیکھنے سکھانے کی ایک عام تحریک برپا کی جائے اور علوم قرآنی کی عمومی نشر واشاعت کا ایک وسیع پیمانے پر اہتمام ہو تاکہ عوام کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہوں' ذہنوں میں اس کی عظمت کا نقش قائم ہو' دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔ اسی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں گے اور ان میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے گی جو اس کی قدر وقیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم وحکمت کی تحصیل اور نشر واشاعت کے لیے وقف کر دیں۔

7۔ چنانچہ ان ہی مقاصد کے لیے ''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور'' کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

اراکین انجمن کی تعداد (1997ء)

مؤسسین/حلقہ محسنین	=	376
مستقل ارکان	=	176
عام ارکان	=	804
کل تعداد	=	1356

(مندرجہ بالا تعداد میں بیرون ملک اراکین کی تعداد بھی شامل ہے)

”............ہمارے نزدیک اس وقت کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ ایک طرف ادیان باطلہ کے مزعومہ عقائد کا مؤثّر و مدلّل ابطال کیا جائے اور دوسری طرف مغربی فلسفہ وفکر اور اس کے لائے ہوئے زندقہ والحاد اور مادہ پرستی کے سیلاب کا رخ موڑنے کی کوشش کی جائے اور حکمتِ قرآنی کی روشنی میں ایک ایسی زبردست جوابی علمی تحریک برپا کی جائے جو توحید‘ معاد اور رسالت کے بنیادی حقائق کی حقانیت کو بھی مبرہن کر دے اور انسانی زندگی کے لیے دین کی رہنمائی و ہدایت کو بھی مدلّل و مفصّل واضح کر دے۔ ہمارے نزدیک اسلام کے حلقے میں نئی اقوام کا داخلہ‘ اور جسدِ دین میں نئے خون کی پیدائش ہی نہیں‘ خود اسلام کے موجود الوقت حلقہ بگوشوں میں حرارتِ ایمانی کی تازگی اور دین وشریعت کی عملی پابندی اسی کام کے ایک مؤثر حد تک تکمیل پذیر ہونے پر موقوف ہے‘ اس لیے کہ دورِ جدید کے گمراہ کن افکار ونظریات کے سیلاب میں خود مسلمانوں کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقے کی ایک بڑی تعداد اس طرح بہہ نکلی ہے کہ ان کا ایمان بالکل بے جان اور دین سے ان کا تعلق محض برائے نام رہ گیا ہے‘ اور اسی بنا پر دین میں نت نئے فتنے اٹھ رہے ہیں اور ضلالت و گمراہی نت نئی صورتوں میں ظہور پذیر ہو رہی ہے۔“

اس سلسلے میں انفرادی کوششیں تو اب بھی جیسی کچھ عملاً ممکن ہیں جاری ہیں اور آئندہ بھی جاری رہیں گی۔ ضرورت اس کی داعی ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو وسائل فراہم کیے جائیں اور ایک ایسے باقاعدہ ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے جو حکمتِ قرآنی اور علم دینی کی نشر واشاعت کا کام بھی کرے اور ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا بھی مناسب اور مؤثر بندوبست کرے جو عربی زبان‘ قرآن حکیم اور شریعتِ اسلامی کا گہرا علم حاصل کر کے اسلامی اعتقادات کی حقانیت کو بھی ثابت کریں اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے لیے جو ہدایات اسلام نے دی ہیں انہیں بھی ایسے انداز میں پیش کریں جو موجودہ اذہان کو اپیل کر سکے۔“

(محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب ”تعارفِ تنظیمِ اسلامی“ سے ایک اقتباس)

تحدیثِ نعمت

صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک تحریر ’’وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ‘‘ سے چند اقتباسات

(ماخوذ از ’’دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر‘‘)

یہ تحریر چونکہ آج سے تقریباً ۳۴ برس قبل کی لکھی ہوئی ہے لہٰذا زمانی فصل کے باعث بعض اعداد و شمار اور واقعات خاصے پرانے محسوس ہوں گے۔ اصل مقصد پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو ماضی قریب ہی میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے رکن بنے ہوں ان کے علم میں بھی وہ ’’سنگ ہائے میل‘‘ آ جائیں جو اس دعوت رجوع الی القرآن کے بالکل آغاز کے دور میں پیش آئے تھے۔ (مرتّب)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

(تحریر فروری ۱۹۸۹ء)

ان سطور کا عاجز و ناچیز راقم اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے کہ اُس نے کمالِ فضل و کرم سے اوّلاً اپنے اس بندۂ حقیر کو اوائل عمر ہی سے اپنے کلامِ پاک سے ذہنی مناسبت اور قلبی اُنس عطا فرما دیا‘ اور ثانیاً تعلیم و تعلم قرآن کے ضمن میں اُس کی حقیر مساعی کو اس درجہ بار آور اور مشکور و مقبول بنا دیا کہ اُس کے نام کو دنیا بھر میں کم از کم اُردو بولنے والوں کی حد تک ’’دعوت رجوع الی القرآن‘‘ کے جلی عنوان کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

یہ دعوتِ رجوع الی القرآن اور تحریک تعلیم و تعلّم قرآن گزشتہ تئیس چوبیس سالوں کے دوران جن جن مراحل سے گزری اور اس اثنا میں اُس نے جو نشاناتِ راہ نصب کیے‘ اُن کا متفرق تذکرہ وقتاً فوقتاً ’حکمت قرآن‘ اور ’میثاق‘ میں ہوتا رہا ہے۔ تاہم اس موقع پر جب کہ یہ دعوت و تحریک رُبع صدی مکمل کیا چاہتی ہے اور ’مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور‘ بھی اپنا سترھواں سالانہ اجلاس منعقد کر رہی ہے‘ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ایک مختصر مگر جامع روداد بھی مرتّب کر دی جائے‘ اور اس کے اب تک کے ثمرات و نتائج کا ایک سرسری جائزہ بھی لے لیا جائے‘ تاکہ ایک جانب حکمِ خداوندی: ’’وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ‘‘ کی تعمیل ہو جائے اور دوسری جانب نہ صرف یہ کہ موجودہ رفقاء و احباب اور اعوان و انصار کی ہمت افزائی ہو‘ بلکہ اس راہ کے آئندہ مسافروں کو بھی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا سامان ملے۔

لاہور سے گیارہ سال باہر(۱) رہنے کے بعد جب راقم اواخر ۱۹۶۵ء میں دوبارہ واردِ لاہور ہوا تو اس کے پیش نظر اصل مقصد تجدید واحیائے دین کی اُسی اصولی انقلابی تحریک کا اِحیاء تھا جس کے بیسویں صدی عیسوی کے داعیٔ اوّل تھے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور داعیٔ ثانی تھے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم۔ مولانا آزاد نے ۱۹۲۰ء میں وقتی حالات اور مشکلات سے بددل ہونے کے باعث اپنا رُخ تبدیل کر کے جو خلا پیدا کیا تھا اسے تو لگ بھگ بیس سال کے وقفے کے بعد پُر کر دیا تھا مولانا مودودی اور اُن کی قائم کردہ جماعت اسلامی نے' لیکن خود جماعت اسلامی نے ۱۹۴۷ء میں ایک وقتی ترغیب سے متاثر ہو کر اصولی اسلامی انقلابی تحریک کی بجائے اسلام پسند' قومی' سیاسی جماعت کا رول اختیار کر کے جو خلا پیدا کیا تھا اُسے پُر کرنے کی کوشش ایک بہت بڑا چیلنج بھی تھی اور دین وملّت کی اہم ترین ضرورت بھی۔ چنانچہ راقم نے لاہور منتقل ہو کر اپنی اصل توجّہ اور سعی وجُہد کو تو مرتکز رکھا اس مقصد پر' لیکن اس کے ساتھ ساتھ چونکہ اُسے اپنے زمانۂ تعلیم اور اس کے بعد کے گیارہ سالوں کے دوران اللہ کے فضل وکرم سے ایک خصوصی اُنس پیدا ہو گیا تھا قرآن حکیم کے ساتھ اور خصوصی مناسبت حاصل ہو گئی تھی درسِ قرآن سے' لہٰذا اپنی ذاتی حیثیت میں دعوت وتبلیغ دین کی ایک حقیر سی کوشش کے طور پر آغاز کر دیا حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن کا۔ ان کے ذریعے مطالعہ قرآن حکیم کے ایک منتخب نصاب کے دروس کی صورت میں قرآن کے انقلابی فکر کی اشاعت اور اقامتِ دین یا اسلامی انقلاب کی جِدّوجُہد کے لیے مؤثر دعوت کا آغاز ہو گیا۔

...... جب راقم نے اپنی جملہ توانائیوں اور صلاحیتوں کو کامل یکسوئی کے ساتھ قرآنِ حکیم کے درس وتدریس اور نشرواشاعت میں لگا دیا تو دیکھتے ہی دیکھتے لاہور کی فضا میں ''دعوت رجوع الی القرآن'' کا غلغلہ بلند ہو گیا' اور تعلیم وتعلّم قرآن کی ایک جاندار تحریک کا آغاز ہو گیا۔ اس کے اثرات گزشتہ بائیس سالوں کے دوران بفضل اللہ وعونہٖ دنیا کے کونے کونے تک جہاں بھی اردو سمجھنے اور بولنے والے لوگ موجود ہیں' نہ صرف پہنچ گئے ہیں بلکہ دُور دراز گوشوں میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کے ذریعے ازخود بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس احقر الانام کو

(۱) ہمارا خاندان نومبر ۱۹۴۷ء میں حصار (مشرقی پنجاب' حال ہریانہ) سے آگ اور خون کے دریا عبور کر کے واردِ لاہور ہوا تھا۔ بعد میں والد صاحب مرحوم تو بسلسلۂ ملازمت کچھ عرصہ لاہور' اور پھر قصور اور پتوکی مقیم رہ کر بالآخر منٹگمری (حال ساہیوال) میں اقامت گزیں ہو گئے' لیکن مَیں بسلسلۂ تعلیم سات سال لاہور ہی میں مقیم رہا (دوسال گورنمنٹ کالج لاہور برائے ایف ایس سی اور پانچ سال کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج برائے ایم بی بی ایس)۔ اس عرصے کے دوران میری وابستگی اسلامی جمعیت طلبہ سے رہی۔ نومبر ۱۹۵۴ء میں ایم بی بی ایس کی تکمیل کے بعد میں بھی ساہیوال منتقل ہو گیا۔ چنانچہ وہیں جماعت اسلامی میں شمولیت بھی ہوئی اور اس سے علیحدگی بھی۔ بعدازاں کچھ عرصہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے بزرگوں کی جانب سے کسی نئی اجتماعی جِدّوجُہد کے آغاز کا انتظار کرنے اور بالآخر اس سے مایوس ہونے پر اپنی ذاتی حیثیت ہی میں اقامتِ دین کی کسی نئی جِدّوجُہد کے آغاز کے ارادے سے اواخر ۱۹۶۵ء میں لاہور مراجعت ہوئی۔

حق الیقین کی حد تک وثوق حاصل ہے کہ اگر ہماری شامتِ اعمال یا تقصیرِ ہمت اور کوتاہیٔ عمل کے باعث مملکت خداداد پاکستان میں یہ دعوتِ قرآنی انقلابِ اسلامی پر منتج نہ ہو سکی تو الفاظِ قرآنی: ﴿فَاِنۡ یَّکۡفُرۡ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدۡ وَكَّلۡنَا بِهَا قَوۡمًا لَّيۡسُوۡا بِهَا بِكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۹﴾﴾ (الانعام) کے مصداق اللہ تعالیٰ کسی اور خطۂ ارضی کو یہ سعادت لازماً عطا فرما دے گا کہ وہ قرآن کے اُس انقلابی فکر کو حرزِ جاں بنا کر جسے دورِ حاضر کے شعور کی سطح (level of consciousness) پر ایک مؤثر دعوت کی صورت دینے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عاجز بندے کو عطا فرمائی ہے‘ بالفعل ’’اسلام کی نشأۃِ ثانیہ‘‘ اور ’’غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی‘‘ کا گہوارہ بن جائے‘ اور وہ صورت عملاً پیدا ہو جائے جس کی پیشین گوئی اب سے ساٹھ ستر سال قبل اُس مردِ قلندر نے کی تھی جس کا نام اقبال تھا۔ یعنی ؎

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود — پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے!
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!!

اس سے قبل کہ اس قرآنی تحریک کے چوبیس سالہ سفر کے اہم نشاناتِ راہ اور سنگ ہائے میل کا تذکرہ کیا جائے‘ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حقیقت واقعی کی جانب اشارہ کر دیا جائے کہ اس دعوتِ قرآنی نے ع ’’اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے!‘‘ کے مصداق بحمد اللہ تھوڑے ہی عرصے میں اپنے اعوان و انصار کی ایک جمعیت پیدا کر لی تو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور سے قطع نظر جب راقم نے ۱۹۶۷ء والی قرار داد ہی کی اساس پر پورے آٹھ برس بعد ۱۹۷۵ء میں از سرِ نو دعوتِ تنظیم دی تو اس پر لبیک کہنے والے اکیاسی افراد میں سے جماعت اسلامی سے سابقہ تعلق کی قدرِ مشترک کے حامل اشخاص تین چار سے زیادہ نہیں تھے‘ باقی سب کے سب اس دعوتِ قرآنی ہی کے شجرۂ طیبہ کے تازہ پھل تھے۔ گویا کہ موجودہ ’’تنظیم اسلامی‘‘ بھی ع ’’اُسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں‘‘ کے مصداق اسی دعوتِ قرآنی کے برگ و بار کی حیثیت رکھتی ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّة !!

’’رجوع الی القرآن‘‘ کی جس دعوت اور ’’تعلیم و تعلّمِ قرآن‘‘ کی جس تحریک کے نمایاں نشاناتِ راہ اور اہم سنگ ہائے میل اس وقت صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے مطلوب ہیں‘ اس کے سفر کا آغاز ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے فوراً بعد اوائل اکتوبر میں ہوا تھا اور ان سطور کی تحریر کے وقت (مارچ ۱۹۸۹ء) تک راقم کی عمرِ عزیز کے پورے ساڑھے ۲۳ برس اس کی نذر ہو چکے ہیں۔ گویا حفیظؔ کے درج ذیل شعر میں نصف کے بجائے رُبع کا لفظ رکھ دیا جائے تو وہ راقم الحروف کے مناسب حال ہو جائے گا۔ ؎

تشکیل و تکمیل فن میں جو بھی حفیظؔ کا حصّہ ہے
نصف صدی کا قصّہ ہے‘ دو چار برس کی بات نہیں!

ان میں سے پہلے ساڑھے چھ برس راقم نے بالکل تنہا کام کیا۔ اس لیے کہ اُس وقت نہ کوئی انجمن تھی‘ نہ تنظیم‘ ایک اشاعتی ادارہ تھا تو وہ بھی خالص ذاتی‘ اور اس بھری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید و نصرت اور اپنے ذاتی عزم و ہمت کے سوا کچھ میسّر تھا تو صرف مولانا امین احسن اصلاحی کی مشفقانہ ’’سرپرستی‘‘ اور کچھ حقیقی بھائیوں کا تعاون۔

ان سوا چھ سالوں میں سے بھی پہلے دو سالوں کے دوران‘ جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے‘ راقم کی توجہات دو کاموں پر منقسم رہیں۔ ایک تنظیم اسلامی کا قیام اور دوسرے حلقہ ہائے مطالعہ قرآن۔ اواخر اکتوبر ۱۹۶۷ء میں تنظیم اسلامی کی مجلس مشاورت کا جو اجلاس سکھر میں ہوا تھا‘ اسی میں تنظیم کی بساط اصولی طور پر لپیٹ گئی تھی۔ لہٰذا اواخر ۱۹۶۷ء سے مارچ ۱۹۷۲ء تک گویا مسلسل ساڑھے چار برس[1] راقم کی جملہ توانائیاں اور تمام اوقات دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک تعلیم و تعلّم قرآن کی داغ بیل ڈالنے میں صَرف ہوئے‘ جس کے نتیجے میں مارچ ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور وجود میں آئی۔

اس کے بعد تین سال اس دعوت اور تحریک کے شباب کا دَور ہیں‘ اس لیے کہ اب راقم یکہ و تنہا نہیں تھا بلکہ ؎

گئے دن کہ تنہا تھا مَیں انجمن میں یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں!

اور ؎

مَیں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر راہ رَو ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

کے مصداق اُس کی ذاتی مساعی کے ساتھ اعوان و انصار کی ایک جماعت کی محنت و مشقت اور خلوص و اخلاص کا سرمایہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

مارچ ۱۹۷۵ء میں اسی دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک تعلیم و تعلّمِ قرآن کی کوکھ سے تنظیم اسلامی نے جنم لیا۔ لہٰذا بعد کے چودہ سالوں کے دوران راقم کی توانائیاں پھر منقسم ہو گئیں۔ تاہم وابستگانِ انجمن کے تعاون و اشتراک اور جماعتی زندگی کی برکات کے طفیل قرآنی دعوت و تحریک کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ چنانچہ اس چمن قرآنی کی اصل بہار کا عرصہ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۲ء کے سات سال ہیں‘ جن کے دوران کچھ اعوان و انصار کی محنت و مشقت اور کچھ خارجی اسباب کی بنا پر یہ دعوت و تحریک واقعتاً Lily in Bloom کی صورت اختیار کر گئی۔

گزشتہ سات سالوں کے دوران ایک جانب تو تدریجاً ع ’’مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ‘‘ کا طبعی ظہور ہوا‘ اور دوسری جانب تنظیم اسلامی کے مسائل و معاملات نے بھی وقت اور قوت میں سے ضروری حصّہ وصول کرنا شروع

---

(۱) یہی وجہ ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی قراردادِ تاسیس میں یہ الفاظ شامل ہیں:
’’اور چونکہ ہمیں اس ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خیالات سے کامل اتفاق ہے اور ہم اس کام کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں جو وہ گزشتہ ساڑھے چار سال سے کر رہے ہیں‘ لہٰذا......‘‘

کر دیا' لہٰذا فطری طور پر تعلیم و تعلّمِ قرآن کے ضمن میں راقم کی ذاتی مساعی کا حصّہ کم ہوتا چلا گیا۔ تاہم چونکہ اب بحمد اللہ ایک جانب ایک منظم انجمن اور مستحکم ادارہ بھی موجود ہے' اور دوسری طرف بفضلہٖ تعالیٰ میرے اپنے فرزندوں سمیت نوجوانوں کی ایک معتدبہ تعداد بھی اس مشن کی ذِمّہ داریوں کو سنبھالنے کی اہلیت کا ثبوت دے چکی ہے' لہٰذا میں مطمئن ہوں کہ ان شاء اللہ العزیز وبعونہٖ یہ قافلۂ دعوتِ رجوع الی القرآن وتحریک تعلیم و تعلّمِ قرآن ''اسلام کی نشاۃِ ثانیہ'' اور دین حق کے عالمی غلبے کی منزل کی جانب پیش قدمی جاری رکھے گا۔ اَللّٰھُمَّ آمین!

ان سطور کی تحریر کے وقت جبکہ حیاتِ مستعار کے بحسابِ شمسی ستاون اور بحساب قمری اُنسٹھ برس پورے ہونے کو ہیں اور مَیں اپنے آپ کو دنیا کے مقابلے میں آخرت سے قریب تر محسوس کرتا ہوں' بحمدِ اللہ دل کو یہ گہرا اطمینان حاصل ہے کہ ع ''جنوں میں جتنی بھی گزری بکار گزری ہے!'' کے مصداق عمر کے بہتر اور بیشتر حصے کے دوران جسم و جان کی بہتر اور بیشتر توانائیاں نویدِ نبویؐ ''خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ'' کے مطابق بہترین کام میں صَرف ہوئی ہیں۔ گویا ع ''شکر صد شکر کہ جمازہ بمنزل رسید!'' اس کے ساتھ ہی دل میں اس اُمید کا چراغ بھی روشن ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی توفیق عطا فرمائی تو لغزشوں' خطاؤں اور کوتاہیوں سے درگزر فرماتے ہوئے شرفِ قبول بھی ضرور عطا فرمائے گا ___ اور عجیب نوید جاں فزا کا معاملہ ہے کہ جیسے ہی یہ الفاظ نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر مرتسم ہوئے' ایک جانب دل کی گہرائیوں سے حدیثِ قدسی کے الفاظ طلوع ہوئے کہ ''اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بِیْ'' اور دوسری جانب ذہن میں کسی شاعر کا مصرعہ اُبھرا ع ''وَاَرْجُوْہُ رَجَاءً لَا یَخِیْبُ!''

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ' وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔
آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ!!

❁❁❁

تحریک تعلّم و تعلیمِ قرآن کا دَورِ اوّل

اہم سنگ ہائے میل

(ا) مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

...... راقم نے اپنی اس دعوتِ قرآنی کی اساس ''مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب'' کو بنایا تھا' اور واقعہ یہ ہے کہ جو کامیابیاں اسے حاصل ہوئیں ان کا سب سے بڑا راز اسی منتخب نصاب میں مضمر ہے۔ اس لیے کہ ان حضرات سے قطع نظر جنہیں قسمت ابتدا ہی سے عربی مدارس میں پہنچا دیتی ہے اور وہ اسی قدیم مذہبی نظامِ تعلیم سے فراغت حاصل کرتے ہیں اور اس طرح ان کے تو گویا شب و روز قال اللہ تعالیٰ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضا ہی میں بسر ہوتے ہیں' سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے قرآن مجید کا ابتدا سے انتہا تک تسلسل کے ساتھ مطالعہ نہایت کٹھن کام ہے اور اس کے لیے ایک نہایت مضبوط قوت ارادی درکار ہے۔ جبکہ یہ منتخب نصاب جو حجم کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ دو پارے کے لگ بھگ یعنی کل قرآن کے پندرہویں حصے کے برابر ہے' ایک نہایت حکیمانہ تدریج اور منطقی ترتیب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ' فقہی اور تاریخی مباحث کے سوا' قرآن حکیم کے جملہ بنیادی مضامین اور تعلیمات کو بخوبی ذہن نشین کر دیتا ہے بلکہ ایک جانب قرآن کے مخصوص اسلوب اور طرزِ بیان' اور دوسری جانب اس کے فطری منہجِ استدلال (Line of Argument) سے بھی واقفیت ہی نہیں گہری مناسبت عطا کر دیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی عظمت کا ایسا نقش دل پر قائم کر دیتا ہے کہ وہ مضبوط قوت ارادی خود بخود پیدا ہو جاتی ہے جو پورے قرآن کے مسلسل مطالعے کے لیے ضروری ہے۔

...... اس نصاب کا نقطۂ آغاز سورۃ العصر ہے اور نقطۂ عروج سورۃ الحدید۔ چنانچہ اس کے حصۂ اول میں سورۃ العصر کے ساتھ تین مزید جامع اسباق شامل ہیں یعنی حقیقتِ بِرّ و تقویٰ کی وضاحت کے لیے سورۃ البقرہ کی آیت 177 (آیت البر)' حکمتِ قرآنی کی اساسات اور مقام عزیمت کی تشریح کے لیے سورۂ لقمان کا دوسرا رکوع اور ''حظِّ عظیم'' کی وضاحت کے لیے سورۂ حم السجدۃ کی آیات 30 تا 36' اور حصۂ آخر (ششم) مشتمل ہے مکمل سورۃ الحدید پر جو اُمّتِ مُسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت ہے۔ درمیانی چار حصے سورۃ العصر میں بیان شدہ چار لوازم نجات کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہیں۔

.......راقم الحروف کے پاس کوئی ریکارڈ تو ظاہر ہے کہ محفوظ نہیں لیکن وہ یہ بات پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اس نے اس پورے منتخب نصاب کے درس کی سعادت کم از کم پچاس مرتبہ تو ضرور حاصل کی ہوگی۔ اس لیے کہ لاہور میں جب 1967-68ء میں حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن قائم کیے تو ان سب میں اسی کا درس دیا' پھر مسجد خضراء سمن آباد میں مرکزی درس کا آغاز ہوا تو وہاں بھی دوبارا اسی کا درس دیا۔ پھر یہ مرکزی درس مسجد شہداء منتقل ہوا تو وہاں بھی اس کا اعادہ کیا۔ پھر جابجا قرآنی تربیت گاہیں قائم کیں تو ان میں بھی ان ہی مقامات کا درس دیا۔ بیرونی ممالک میں جانا ہوا تو وہاں بھی ع ''اِلّا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنیم'' کے مصداق اسی کو بیان کیا۔ پھر موقع اور مقام اور سامعین کی ذہنی سطح کے فرق کی مناسبت سے ان دروس میں طوالت یا اختصار کے اعتبار سے بھی فرق ہوتا رہا اور بیان کی سلاست یا علمی ثقالت کے اعتبار سے بھی۔ چنانچہ اس نصاب میں شامل ہر مقام کے راقم الحروف کے دو دو ڈھائی ڈھائی گھنٹے کے دروس بھی ٹیپ کی ریلوں (Spools) میں محفوظ ہیں اور نہایت مختصر اور آسان دروس کے کیسٹ بھی موجود ہیں۔ اور اب کچھ عرصہ سے خود راقم کے اسی منتخب نصاب کے دروس کا سلسلہ بند ہو چکا ہے تو بحمد اللہ کم از کم پندرہ بیس نوجوان ایسے تیار ہو چکے ہیں جو اس کا درس نہایت خوش اسلوبی سے دے رہے ہیں۔ اللہ ان کے عزم اور ارادے کو برقرار رکھے' اور ان کی صلاحیت اور استعداد میں ترقی عطا فرمائے! یہ تو اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ ان میں میرے صلبی بیٹے بھی شامل ہیں' ورنہ میں تو ان سب کو اپنی معنوی اولاد اور صدقۂ جاریہ سمجھتا ہوں۔ اور علامہ اقبال کے شعر میں تھوڑے سے تصرّف کے ساتھ دست بدعا ہوں کہ ؎

یہ ہیں صدف تو تیرے ہاتھ اِن کے گہر کی آبرو
یہ ہیں خزف تو تُو انہیں گوہر شاہوار کر!

(۲) تدریس عربی اور حلقہ ہائے دروسِ قرآن

لاہور میں راقم نے ''حلقہ ہائے مطالعہ قرآن'' کا آغاز جس طرح کیا اس کا مختصر تذکرہ قارئین کی دلچسپی اور اس راہ کے ''تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل'' کے مصداق نئے ساتھیوں کی رہنمائی کے لیے مفید ہوگا۔

اسلام پورہ (سابقہ کرشن نگر) کی کوثر روڈ (سابقہ امرت روڈ) پر ایک مکان خرید کر اپنی رہائش اور مطب شروع کرنے کے فوراً بعد میں نے آس پاس کی تین مساجد میں نمازیں ادا کرنی شروع کیں اور نمازیوں میں سے نوجوانوں سے میل جول بڑھانا شروع کیا۔ اور چند ہی دنوں میں ان میں سے بعض کو آمادہ کر لیا کہ وہ مجھ سے ابتدائی عربی سیکھنے کے لیے بعد نمازِ عشاء وقت نکالیں۔ پھر ان ہی کے ذریعے ان مساجد یا ان کے قریب کے مکانوں میں درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لاہور میں اولین دو حلقے کرشن نگر میں قائم ہوئے' پھر جماعت اسلامی کے اشتراک کی بنیاد پر تیسرا حلقہ دل محمد روڈ کے علاقے میں مولوی برکت علی صاحب کی بلڈنگ میں قائم ہوا۔ پھر سمن آباد میں درس شروع ہوا' جس نے بعد میں لاہور کے مرکزی درس کی حیثیت حاصل کر لی۔

مسجد خضراء، سمن آباد

اس کی تقریب یوں ہوئی کہ میرے پھوپھی زاد بھائی شیخ نصیر احمد صاحب نے اپنے مکان میں کچھ تعمیری تبدیلیاں اور اضافے کیے‘ جس سے ایک کمرہ اتنا بڑا نکل آیا کہ اس میں ستر اسی آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ مَیں نے جب پہلی مرتبہ اسے دیکھا تو بے اختیار زبان سے ع ’’ایں خانہ باہیں خوبی آتش کدہ بائیستے‘‘ کے مصداق یہ الفاظ نکل گئے: ’’یہاں تو قرآن مجید کا درس ہونا چاہیے‘‘۔ میرے پھوپھا شیخ نثار احمد (مرحوم و مغفور) نے جو میرے والد مرحوم کے حقیقی تایازاد بھائی ہونے کے ناطے میرے تایا بھی تھے‘ میرے الفاظ کو فوراً پکڑ لیا کہ ’’پھر دیر کس بات کی ہے‘ فوراً شروع کر دو!‘‘ اور اس طرح اتوار کی صبح کا ہفتہ وار درس 211۔این‘ سمن آباد میں شروع ہو گیا۔ پہلے ایک دو دروس میں تیس پینتیس افراد شریک تھے‘ پھر یہ تعداد پچاس تک پہنچی‘ اور چند ماہ کے اندر اندر یہ درس کمرے کی وسعت سے نکل کر باہر لان تک پہنچ گیا جس کے لیے لاؤڈ سپیکر خریدنا پڑا۔ اور جب بات اس سے بھی آگے بڑھ گئی تو مسجدِ خضراء کی انتظامیہ کے ذمہ دار حضرات نے جو خود بھی پابندی سے درس میں شریک ہوتے تھے اصرار کیا کہ اس درس کو مسجد میں منتقل کر دیا جائے۔ مَیں مساجد کے معاملے میں خائف تھا کہ وہاں چوہدریوں کے درمیان رسّہ کشی ہوتی ہے‘ لہٰذا ابتدا میں تو مَیں نے معذرت کی‘ لیکن بعد میں اس مجبوری کے باعث ان کی دعوت قبول کر لی کہ شرکاءِ درس اب کسی طور مکان میں نہ سما سکتے تھے اور اس طرح آٹھ دس سال کے لیے مسجد خضراء اس دعوت و تحریکِ قرآنی کا مرکز بن گئی۔

مسجد خضراء سمن آباد کے اتوار کی صبح کے اس ہفتہ وار درسِ قرآن کی شہرت بہت جلد پورے لاہور میں اور پھر اس سے باہر دور دور تک پہنچ گئی۔ چنانچہ اس میں لاہور کے کونے کونے ہی سے نہیں‘ بیرونِ لاہور سے باضابطہ شدّ رحال کر کے بھی لوگ شرکت کے لیے آتے تھے۔ لہٰذا بہت جلد اس کی حاضری دو ڈھائی سو اور پھر تین ساڑھے تین صد تک پہنچ گئی جو بعض خاص خاص مواقع پر پانچ سو تک بھی ہو جاتی تھی۔ پھر یہ درس اوسطاً ڈھائی گھنٹے پر محیط ہوتا تھا۔ اور الحمد للہ کہ اس میں بہت کم کسی شخص کو کبھی اٹھتے دیکھا گیا۔ اس طرح لاہور کی دینی فضا میں یہ درس ایک ’’دھماکے‘‘ سے کسی طرح کم نہ تھا‘ جس سے ایک خوشگوار حیرت کا تاثر پورے لاہور اور اس کے گرد و نواح پر طاری ہو گیا۔

مسجد خضراء سمن آباد میں اس دعوتِ قرآنی کو جو پذیرائی حاصل ہوئی اس پر مَیں خود‘ اور میرے قریبی ساتھی سب کے سب‘ شدید حیران تھے۔ لیکن بالآخر اس کا راز ایک روز کھل ہی گیا۔ آج کے عقلیت زدہ بلکہ گزیدہ لوگ تو شاید اس بات پر ناک بھوں چڑھائیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسجد خضراء کی اس استثنائی کیفیت کا اصل راز جو مجھے ایک دن اچانک معلوم ہوا یہ تھا کہ اس کا سنگِ بنیاد اُس مردِ درویش نے رکھا تھا جسے دنیا مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نام سے جانتی ہے اور جس نے خود بھی پورے چالیس سال تک ارضِ لاہور پر درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ گویا معاملہ وہی تھا جو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے کہ ؎

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثبات و دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

مسجد شہداء‘ ریگل چوک

افسوس ہے کہ خود ہمیں لوگوں کی سہولت‘ اور اس قرآنی دعوت و تحریک کی مصالح کے پیشِ نظر اس درس کو لاہور کے سب سے زیادہ مرکزی مقام یعنی مسجدِ شہداء ریگل چوک میں منتقل کرنا پڑا‘ اس لیے کہ شہر سے سمن آباد جانے والے تمام راستے ٹریفک کی اصطلاح میں ’’بوتلوں کی گردنوں‘‘ (bottle-necks) کی حیثیت رکھتے تھے جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی! چنانچہ مسجدِ شہداء میں درس کی حاضری مسجدِ خضراء سے بھی بڑھ گئی۔ وہاں بھی راقم نے پہلے مطالعۂ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب ہی بیان کیا۔ بعد ازاں جب وہاں قرآن حکیم کا آغاز سے سلسلہ وار درسِ قرآن شروع ہوا اور سورۃ الفاتحہ زیر درس آئی اور ایک صاحبِ خیر کی جانب سے مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر آیت بسم اللہ و سورۃ الفاتحہ ہدیۃً تقسیم ہوئی تو معلوم ہوا کہ درس میں سات سو افراد شریک تھے (اس لیے کہ کتاب کے سات صد نسخے تقسیم ہوئے!)۔

لاہور کے اتوار کی صبح کے اس مرکزی درسِ قرآن کی یہ رونقیں 1977ء تک لگ بھگ دس سال تک روز افزوں رہیں۔ لیکن 1977ء میں مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی حکومت کے خاتمے کے قریب اتوار کی بجائے جمعہ کی ہفتہ وار تعطیل کا اعلان کیا تو اس درس کی رونقیں رفتہ رفتہ ختم ہو گئیں۔

مسجد دار السلام‘ باغِ جناح

مسجد خضراء کی طرح مسجد دار السلام کا بھی ایک خاص تاریخی پس منظر ہے‘ جو قارئین کی دلچسپی کا موجب ہوگا جس مقام پر اب یہ خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے‘ وہاں بہت پہلے سے صرف ایک کچا چبوترا (پنجابی میں تھڑا) ہوتا تھا جہاں اکثر و بیشتر شام کو باغ کی سیر کے لیے آنے والوں میں سے چند‘ اور اسی طرح صبح کی سیر کرنے والے بعض حضرات نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔ راقم الحروف کو اب تک یاد ہے کہ 52-1951ء میں فرسٹ اور سیکنڈ پرافیشنل ایم بی بی ایس کی تیاری کے لیے راقم بھی کبھی کبھی مسجد سے متصل گلستان فاطمہ میں مطالعے کے لیے بیٹھتا تھا تو ظہر کی نماز اسی چبوترے پر ادا کرتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہاں بھی اتوار کی صبح مولانا محمد علی قصوریؒ درس دیتے ہیں‘ ایک بار میں بھی کسی طرح وقت نکال کر شریک ہوا تو میرے اور مدرس سمیت کل سات آدمی اس چبوترے کی زینت تھے۔ اس چبوترے پر باضابطہ مسجد کی تعمیر کرنل سلامت اللہ مرحوم کا وہ کارنامہ ہے جس کے لیے وہ ہمیشہ اس مسجد کے نمازیوں کے شکریے اور دعائے خیر کے مستحق رہیں گے۔ وہ خود ریٹائرڈ فوجی‘ اور نہایت دبنگ انسان تھے اور انہوں نے ان تمام مغرب زدہ سول افسروں سے بھرپور جنگ لڑی جو اس خوبصورت سیر گاہ کے حسن کو مسجد کے وجود سے ’’بدنما‘‘ بنانے پر تیار نہیں تھے۔ (چنانچہ ایک بار تو انہیں ایک کمشنر صاحب کے چہرے پر باضابطہ تھپڑ بھی رسید کرنا پڑا) بہرحال انہوں نے بڑی محنت و مشقت اور جانفشانی و صرفِ کثیر سے ’’ادارۂ دار السلام‘‘ جو ایک مسجد اور ایک لائبریری پر مشتمل ہے تعمیر کرایا۔ اور اس کے بعد 1977ء میں مجھ سے کہنا شروع کیا کہ مسجد دار السلام میں اپنے مشن کو جاری رکھوں۔ میں اب چونکہ مساجد کے بارے میں پھر بددل ہو گیا تھا لہٰذا معذرت کرتا رہا تا آنکہ

ایک روز وہ ستّر پچھتّر سالہ‘ طویل القامت‘ اور قویُ الجثّہ انسان جس کی آواز بھی بھاری اور دبنگ تھی‘ میرے مکان کے باہر کرسی بچھا کر انتہائی مسکینی کے انداز میں یہ کہہ کر بیٹھ گیا کہ میں یہاں سے اُس وقت تک نہیں اٹھوں گا جب تک تم میری فرمائش قبول نہیں کرو گے۔ چاروناچار میں نے حامی بھر لی۔ چنانچہ وہ دن اور آج کا دن مسجد دارالسلام‘ باغِ جناح‘ لاہور کا اجتماعِ جمعہ و نماز عیدین پاکستان بھر میں تو مشہور ہیں ہی‘ بیرونِ ملک بھی جانے پہچانے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ 83-1982ء کے دوران جبکہ مغربی تہذیب کی دلدادہ خواتین کی جانب سے میری شدید مخالفت‘ اور مرحوم ضیاء الحق صاحب کی مجلسِ شوریٰ سے میرے استعفے کے باعث میرا نام بیرون ملک بھی بہت اچھل گیا تھا‘ مسجد دارالسلام کے اجتماعِ جمعہ کا ذکر اور اس کے فوٹو وال اسٹریٹ جرنل نیویارک‘ ٹورنٹو اسٹار کینیڈا‘ اور لاس اینجلس ٹائم کیلیفورنیا تک میں شائع ہوئے۔

لاہور میں حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن کہاں کہاں قائم رہے‘ اس کا کوئی ریکارڈ نہ تو محفوظ ہے‘ نہ ہی اس کی چنداں ضرورت ہے۔ یہ حلقے جیسے کہ آغاز میں عرض کیا گیا تھا‘ کرشن نگر سے شروع ہوئے اور پھر دل محمد روڈ‘ ساندہ‘ ڈھولن وال‘ پنجاب یونیورسٹی‘ اسٹاف کالونی‘ انجینئرنگ یونیورسٹی کے ہاسٹلز‘ ایم اے او کالج‘ میڈیکل کالج ہاسٹل کی مسجد‘ گڑھی شاہو میں حاجی عبدالواحد مرحوم کا مکان‘ اقبال کالونی‘ علامہ اقبال روڈ کی مسجد‘ رفاہِ عام ہال شاد باغ‘ برکت علی اسلامیہ ہال مسجد بیرون شاہ عالمی گیٹ‘ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کے آفس (واقع 7‘ فرینڈز کالونی‘ ملتان روڈ) اور نمعلوم کہاں کہاں قائم رہے۔ گویا کم از کم لاہور کی حد تک تو؎

دشت تو دشت ہیں‘ دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

والا معاملہ ہو گیا۔

ان میں سے بعض کے اجتماعات ہفتہ وار ہوتے تھے اور بعض کے پندرہ روزہ‘ چنانچہ جمعہ اور اتوار کے روز تو اکثر تین تین درس یا خطاب ہو جاتے تھے! پھر ان میں سے اکثر میں تو مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب مکمل بیان ہوا۔ بعض میں اس کی بھی تلخیص ہی بیان ہو پائی۔

بہرحال ان میں راقم کی جو توانائیاں صرف ہوئیں ان کے ضمن میں راقم کو تو اس وقت بھی پورا اطمینان تھا اور آج بھی کامل اطمینان ہی نہیں انشراح و انبساط ہے کہ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کے مصداق وہ توانائیاں اور قوتیں اللہ ہی کی عطا کردہ تھیں اور اگر اس (تعالیٰ) ہی کے کلام کے اِفشا (حدیث مبارک میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: وَاَفْشُوْہُ) و اشاعت میں صرف ہو گئیں تو ان کا اس سے بہتر اور کیا مصرف ممکن تھا! البتہ بعض بزرگوں نے جو تنبیہ کی تھی اس کی صداقت بہت جلد ظاہر ہو گئی۔ مثلاً شیخ سلطان احمد صاحب‘ کراچی‘

نے انگریزی محاورے کے حوالے سے متنبہ کیا تھا کہ آپ تو اپنی شمع صرف دونوں اطراف ہی سے نہیں بیچ میں سے بھی جلا رہے ہیں۔ اور مولانا جعفر شاہ پھلواروی مرحوم نے فرمایا تھا کہ: ''آپ کیا غضب کر رہے ہیں! ہم تو جب جمعہ پڑھایا کرتے تھے تو معمول یہ ہوتا تھا کہ پورا جمعرات کا دن یا آرام کرتے تھے یا جمعہ کے خطاب کے بارے میں سوچ بچار' اور پھر نہ صرف یہ کہ جمعے کے دن نہ صبح کوئی کام کرتے تھے نہ شام کو' بلکہ ہفتہ کا دن بھی کامل آرام کرتے تھے!''

بہرحال میری اعتدال سے بڑھی ہوئی جانفشانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ 70ء میں صحت نے ایک دم جواب دے دیا' جس کی تفصیل میں اپنی دوسری تحریر میں درج کر چکا ہوں۔ قصہ مختصر یہ کہ اواخر 70ء میں میں اس دوراہے پر کھڑا تھا کہ ''یا چناں کن یا چنیں'' کے مصداق یا تو یہ دعوت و تحریکِ قرانی جس حد تک آگے بڑھ آئی ہے اس سے بھی قدرے پسپائی اختیار کر کے اسے روک دیا جائے کہ بس اس سے زیادہ نہیں' یا پھر میڈیکل پریکٹس کو خیر باد کہہ کر ''ہمہ تن اور ہمہ وقت'' اسی میں لگ جایا جائے۔ اور الحمدللہ کہ فروری 71ء میں حج کے موقع پر ارضِ مقدس میں حتمی طور پر مؤخر الذکر فیصلہ کر کے راقم واپس آیا اور آتے ہی مطب بند کر دیا اور جملہ اوقات اور کل توانائیاں اسی ایک کام پر مرتکز کر دیں تو مارچ 71ء سے اس دعوت و تحریک کی رفتار پہلے سے ایک دم کئی گنا بڑھ گئی۔ چنانچہ ایک جانب تو اس کا لاہور سے باہر دائرہ اثر جو اس وقت تک صرف میثاق اور دوسری مطبوعات یا گاہے گاہے بیرونی اسفار تک محدود تھا ایک دم بہت وسعت اختیار کر گیا (اس کا تفصیلی ذکر اس دعوت و تحریک کے دورِ ثانی کی روداد کے ضمن میں آئے گا) اور دوسری جانب 21 مارچ 1972ء کو ''مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور'' کا قیام عمل میں آ گیا اور یہ دعوت و تحریک اپنے دوسرے دور میں داخل ہو گئی۔

❁❁❁

’’دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر‘‘

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی تالیف سے چند اقتباسات

(مطبوعہ مارچ ۱۹۹۰ء)

مذکورہ تالیف ڈھائی سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ اس میں محترم صدر مؤسس کی ایک تحریر ’’اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام‘‘ اور بعض انتہائی اہم مضامین جو ماضی میں ماہنامہ میثاق کے صفحات کی زینت بنتے رہے ہیں‘ شامل ہیں‘ تاہم ان صفحات میں محترم صدر مؤسس کے قلم سے نکلی ہوئی تیس صفحات پر مشتمل ایک بہت خوبصورت تحریر میں سے منتخب پیراگراف شامل کیے گئے ہیں جو بعنوان ’’مقدمہ‘‘ مذکورہ تالیف کے آغاز میں موجود ہے۔ اگرچہ اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ان اقتباسات میں ’’اعادہ وتکرار‘‘ سامنے نہ آئے‘ تاہم اگر کہیں تکرار نظر آ بھی جائے تو اسے راقم کی مجبوری سمجھ کر معاف فرما دیجیے گا۔ شکریہ! (مرتّب)

ان سطور کا عاجز و ناچیز راقم اس عالمِ آب وگل میں حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بارہ سال بعد اور علّامہ اقبال کی وفات سے چھ سال قبل (۱۹۳۲ء میں) وارد ہوا۔ جب اس نے شعور کی آنکھ کھولی تو یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت شیخ الہندؒ کو تو اُن کے اپنے حلقے کے لوگوں نے بھی فراموش کر دیا تھا‘ البتہ علّامہ اقبال کا طوطی بول رہا تھا اور ان کی کم از کم اردو شاعری کا ڈنکا برِعظیم کے طول وعرض میں بج رہا تھا اور اس سے پیدا شدہ جذبہ ملّی تحریک پاکستان کی روحِ رواں بنا ہوا تھا۔ ان حالات میں جب ۱۹۴۲ء میں راقم نے پانچویں جماعت کے طالب علم کی حیثیت سے ’’بانگِ درا‘‘ کی مشہور نظم ’’جوابِ شکوہ‘‘ پڑھی تو اُن کا یہ شعر اس کے شعور میں پیوست ہو کر رہ گیا۔

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

لٰہذا راقم نے اپنی نوجوانی میں اگرچہ عملاً تو اوّلاً مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ذریعے تحریک پاکستان میں حصّہ لیا اور بعدازاں اسلامی جمعیت طلبہ کے ذریعے تحریک اقامتِ دین سے وابستگی اختیار کی‘ لیکن اس عرصہ کے دوران بحمدِ اللہ قرآنِ حکیم کے ساتھ اُس کے ذہن وقلب کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ اس ’’سَیر اِلَی القُرآن‘‘ کے ضمن میں راقم جہاں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور اُن کی تفہیم القرآن اور مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے ترجمان القرآن سے متعارف ہوا‘ اور اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے استاذ اور امام حمید الدین فراہیؒ کے طریق ’’تدبّرِ قرآن‘‘ سے روشناس ہوا‘ وہاں الحمد للہ کہ ۱۹۵۲ء کے لگ بھگ اس کا ذہنی و قلبی رشتہ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی کے ذریعے سلف صالحین اور راسخون

فی العلم کے ''عُروۂ وُثقیٰ'' سے بھی قائم ہو گیا۔ اس کے بعد تین چار سال کے اندر اندر ہی راقم کے فہم وفکرِ قرآن کے ان ''ابعادِ ثلاثہ'' پر ایک ''بُعدِ رابع'' (Fourth Dimension) کا اضافہ علامہ اقبال کے فلسفیانہ اور صحیح تر الفاظ میں متکلمانہ اور متصوفانہ افکار کا ہو گیا (جن کے ضمن میں راقم ڈاکٹر محمد رفیع الدین اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا مرہونِ منّت رہے)۔

راقم کے ''درسِ قرآن'' کا چرچا زمانۂ تعلیم ہی میں اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستگی کے دوران ہو گیا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں ایم بی بی ایس کی تکمیل کے بعد راقم منٹگمری (حال ساہیوال) منتقل ہوا تو اگرچہ اس کے بعد سے ۱۹۶۵ء تک کے گیارہ سالوں کے دوران حالات کے کئی اُتار چڑھاؤ آئے اور وصل وفصل کی متعدد داستانیں رقم ہوئیں' چنانچہ جماعت اسلامی سے وابستگی بھی ہوئی اور پھر سوا دو سال کے بعد علیحدگی بھی۔ مزید برآں دو مرتبہ کراچی نقل مکانی ہوئی۔ ایک بار ۱۹۵۸ء میں اقامتِ دین کی جِدّوجُہد کے لیے نئی رفاقت کی تلاش میں اور دوسری بار ۱۹۶۲ء میں ایک مشترک خاندانی کاروبار کے سلسلے میں ___ لیکن الحمدللہ کہ اس پورے عرصے کے دوران ؎

گو مَیں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا!

کے مصداق درس وتدریس قرآن اور تعلّم وتعلیمِ قرآن کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ چنانچہ ساہیوال میں تو نہ صرف یہ کہ مقامی طور پر میرے درسِ قرآن کا ڈنکا بج گیا تھا بلکہ آس پاس کے شہروں اور قصبوں یعنی اوکاڑہ' پاک پتن' چیچہ وطنی اور عارف والا میں بھی ماہانہ درسِ قرآن کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ اسی طرح کراچی میں بھی کبھی ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی مرحوم کے زیرِ اہتمام' اور کبھی خود اپنے ہی انتظام وانصرام میں درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔ مزید برآں کراچی کی پہلی نقل مکانی کے دوران راقم نے مولانا افتخار احمد بلخی مرحوم سے تفسیر بیضاوی کا ابتدائی حصّہ سبقاً سبقاً پڑھا اور دوسری نقل مکانی کے دوران اُن ہی کے اصرار پر کراچی یونیورسٹی میں داخلہ لے کر ۱۹۶۵ء میں ایم اے اسلامیات کا امتحان پاس کر لیا۔ (جس میں اتفاقاً یونیورسٹی میں اوّل پوزیشن بھی آ گئی!)

۱۹۶۵ء ہی کے وسط میں راقم الحروف غلبہ واقامتِ دین کی جِدّوجُہد کے پختہ ارادے اور تعلّم وتعلیم قرآن کی منظم منصوبہ بندی کے عزمِ مصمم کے ساتھ دوبارہ واردِ لاہور ہوا۔ چنانچہ وہ دن اور آج کا دن' یہی دو کام میری زندگی کا مرکز ومحور رہے ہیں۔ ان پچیس سالوں کے دوران الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ میرے اوقات اور میری صلاحیتوں اور توانائیوں کا اکثر وبیشتر حصّہ اصلاً غلبہ واقامتِ دین کی جدّوجُہد اور عملاً تعلّم وتعلیم قرآن کی مساعی میں صرف ہوا ہے۔

اِس رُبع صدی کے پہلے پانچ سالوں کے دوران تو ؎

ہے مشقِ سخن جاری' چکی کی مشقت بھی کیا طرفہ تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی!

کے مصداق میڈیکل پریکٹس کا تسمہ بھی لگا رہا۔ بعد کے بیس سالوں کے دوران تو ع ''جو لکھا پڑھا تھا نیازؔ نے اُسے صاف دِل سے بھلا دیا'' اور ع ''وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا'' کے مصداق یہ ''تہمت'' بھی

باقی نہ رہی۔ نیتوں کا معاملہ تو اللہ ہی کے حوالے ہے' کم از کم ظاہری اور خارجی اعتبار سے اس پورے عرصے کے دوران راقم ''ہمہ وقت'' اور ''ہمہ وجوہ'' ان ہی مقاصد عظیمہ کے لیے ''وقف'' رہا' اور ناگزیر استراحت اور ضروری علائق وحوائج دنیوی کے سوا راقم کے وقت کا کوئی لمحہ اور اُس کی صلاحیت اور توانائی کا کوئی شمہ حصولِ دنیا یا تلاشِ معاش کی مساعی میں صَرف نہیں ہوا! فلهُ الحمد والمِنّة !

اب جبکہ راقم کی عمر شمسی حساب سے اٹھاون اور قمری تقویم سے ساٹھ برس ہوا چاہتی ہے' اور راقم کی قلبی کیفیت فی الواقع وہی ہے جو انشاء اللہ خاں انشا کے اس شعر میں بیان ہوئی کہ ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!

اور میں واقعتاً اپنے آپ کو الفاظِ قرآنی: ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝۸۵﴾ (الواقعة) کے مصداق عالمِ آخرت سے قریب تر اور عالمِ دنیا سے ذہناً اور قلباً بعید اور منقطع محسوس کرتا ہوں۔ جب کبھی تنہائی میں اپنی گزشتہ زندگی خصوصاً اس کے چالیس سالہ شعوری دَور پر نگاہ ڈالتا ہوں تو اوّلاً تو نہ صرف یہ کہ اپنے باطن میں نہایت گہرے سکون اور اطمینان کا احساس ہوتا ہے کہ ع ''جنوں میں جتنی بھی گزری بکار گزری ہے!'' بلکہ قلب وروح کی سرزمین پر ایک جاں فزا فرحت اور مسرت آمیز انبساط کی تسکین بخش پھوارسی پڑتی محسوس ہوتی ہے کہ ع ''شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم!''--- اور اس کے معاً بعد قلب کی گہرائیوں سے شکرِ الٰہی اور حمدِ خداوندی کا چشمہ اُبلنے لگتا ہے کہ یہ سب اُسی کا فضل وکرم اور اُسی کی توفیق وتیسیر ہے' ورنہ من آنم کہ من دانم! بلکہ یہ تو ایک مشہور مقولہ ہے جو غیر ارادی طور پر قلم سے ٹپک پڑا' ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ میرے حقیقی اور واقعی احساس کی تعبیر سے قاصر ہے' اس لیے کہ بحمد اللہ میرے سامنے تو ہر آن یہ حقیقت رہتی ہے کہ ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲﴾ (النّجم)

قارئین میرے اس اظہارِ اطمینان وانبساط کو کسی تعلّی یا تکبر یا اعجابِ نفس پر محمول نہ کریں۔ اس لیے کہ راقم کے نزدیک اس حقیقت کا شعور وادراک تو ایمان کا صرف ابتدائی درجہ ہے کہ انسان کا کوئی ارادہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وتیسیر کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ کے فضل وکرم سے راقم الحروف کو تو اِس امر کا بھی حق الیقین حاصل ہے کہ خود انسانی ارادہ بھی سراسر مشیتِ الٰہی کے تابع ہے اور کسی نیک کام کی توفیق وتیسیر ہی نہیں' اُس کے ارادے کی ابتدائی تحریک بھی اُسی کی جانب سے ہوتی ہے۔ گویا معاملہ صرف ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' اور ''لَا فَاعِلَ فِي الْحَقِيْقَةِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہی کا نہیں' بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ﴿وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ﴾ (الدھر: ۳۰) کا ہے! اور میرے نزدیک ﴿ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝۴۰ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝۴۱﴾ (طٰهٰ) کی کیفیت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے لیے مخصوص نہیں بلکہ مبدءِ فیاض کی جانب سے جس انسان کو بھی کسی خیر کی

توفیق ارزانی ہوتی ہے اس کے معاملے میں کسی نہ کسی درجے میں اِسی کیفیت کا انعکاس موجود ہوتا ہے۔

اور ’’من آنم کہ من دانم‘‘ کے مصداق ظاہر ہے کہ یہ مَیں ہی جانتا ہوں کہ میرا ربّ مجھے کہاں کہاں سے بچا کرلایا ہے‘ کن کن مراحل پراُس نے میری دستگیری فرمائی ہے‘ اور کن کن مواقع پر اُس نے مجھے گویا دھکیل کر اپنی راہ پر لگایا اور کسی دوسری جانب متوجّہ ہونے سے روکا ہے!

لہٰذا میرا اظہارِ مسرت ہرگز کسی جذبہ تفاخر و مفاخرت کی بنا پر نہیں بلکہ محض ’’تَحۡدِیثًا لِلنِّعمة ‘‘ ہے‘ اور شکر خداوندی اور ﴿وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾﴾ (الضحیٰ) کی تعمیل کے علاوہ اگر کوئی اور جذبہ اس میں شامل ہے تو وہ بھی ﴿فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِكُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِهٖ﴾ (التوبة:۱۱۱) اور ﴿فَبِذٰلِكَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ﴾(یونس:۵۸) کے سوا کچھ نہیں ـــــ تو کیسے ممکن ہے کہ میں اظہارِ مسرت نہ کروں بلکہ خوشیاں نہ مناؤں اس پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک عاجز اور ناچیز بندے کو جس نے سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پائی اور جو کالج کی سطح پر نہ کبھی ادب یا فلسفہ کا طالب علم رہا نہ عمرانیات یا اسلامیات کا‘ بلکہ سائنس اور طب کی تحصیل میں مصروف رہا ـــــ ﴿اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ بِخَالِصَةٍ ﴾ کے مصداق اپنی کتابِ حکیم کے علم وحکمت اور خاص طور پر اُس کی دعوت کی نشر واشاعت کے لیے اس درجہ ’’خالص‘‘ کرلیا کہ اسے ؎

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم!

کے مصداق تعلیم وتعلّم قرآن کے سوا دنیا کی کسی دوسری چیز سے کوئی دلچسپی نہ رہی‘ اور پھر اس کے درسِ قرآن کو اتنا قبولِ عام بخشا کہ وہ **’’عوامی درسِ قرآن‘‘** کے اُس خواب کی عملی تعبیر بن گیا جو لگ بھگ نصف صدی قبل چودھویں صدی ہجری کے مجددِ اعظم نے دنیا سے رحلت کے قریب دیکھا تھا! ع ’’یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے!‘‘

رہا شکرِ خداوندی‘ تو واقعہ یہ ہے کہ اگر میرے ہر بُن مُوہی نہیں‘ جسم کے ہر خلیے کو زبان عطا ہوجائے جو ہر لحظہ اور ہر آن حمد وتسبیح میں مشغول رہے‘ تب بھی اللہ تعالیٰ کے اُس احسانِ عظیم اور فضل کبیر [جو یقیناً ﴿اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَیۡكَ كَبِیۡرًا ﴿۸۷﴾﴾ (بنی اسرائیل) ہی کا ایک ادنیٰ عکس ہے] کے شکر کا حق ادا نہیں ہوسکتا جو اس عبدِ ضعیف پر اس صورت میں ہوا کہ اُس (اللہ تعالیٰ) نے اوّلاً اسے اپنی اُس کتابِ عزیز کے علم وفہم اور ہدایت وحکمت کے ساتھ ذہنی اور قلبی مناسبت عطا فرمائی جسے خود اُس نے ﴿اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾﴾ کی رُو سے اپنی شانِ رحمانیت کا مظہرِ اَعظم قرار دیا ہے اور پھر اُسے اس دَور میں کم از کم اُردو سمجھنے والے لوگوں کی حد تک ﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾﴾ (الرحمٰن) کی عملی تفسیر بنا دیا۔ پھر اس ’’بیان القرآن‘‘ کے لیے اُس کے ذہن اور زبان کی گرہوں کو اس طرح کھول دیا کہ بلا مبالغہ سینکڑوں نہیں ہزاروں انسان اس کے درسِ قرآن کو مسلسل دو دو ڈھائی ڈھائی گھنٹے تک بالکل ساکن وساکت اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں اور اُن کی دلچسپی بجائے کم ہونے کے بڑھتی چلی جاتی ہے!

ناواقف حضرات ان الفاظ کو یقیناً مبالغے پر محمول کریں گے‘ لیکن اس تحریر میں اس حقیقتِ واقعی کے مفصل شواہد پیش کرنا نہ ممکن ہے نہ مطلوب! البتہ وہ ہزاروں اشخاص جنہوں نے کبھی لاہور میں مسجد خضراء یا مسجد شہداء کے اتوار کی صبح کے ہفتہ وار درسِ قرآن کا منظر دیکھا ہے‘ یا جنہوں نے کراچی کی بے شمار مساجد میں درسِ قرآن کے اجتماعات اور اُن پر مستزاد تاج محل ہوٹل کے وسیع وعریض آڈیٹوریم میں ’’شامِ الہدیٰ‘‘ کی نشستوں میں سے کسی میں شرکت کی ہے‘ یا جنہیں ستمبر ۱۹۷۹ء میں ٹورنٹو (کینیڈا) کے چودہ روزہ درسِ قرآن کی کیفیات کے مشاہدے کا موقع ملا ہے‘ یا جنہوں نے دسمبر ۱۹۸۵ء میں ابوظبی کی ہفت روزہ مجالس درس کے شرکاء کے جوش وخروش اور ہجوم واژدہام کی جھلک دیکھی ہے‘ اور سب سے بڑھ کر جنہوں نے اپریل ۱۹۸۴ء میں مکہ مسجد حیدرآباد (دکن) کا منظر دیکھا ہے جہاں مسلسل تین دن محتاط ترین اندازے کے مطابق پندرہ ہزار مَردوں اور پانچ ہزار خواتین نے ڈھائی ڈھائی گھنٹے کے خطباتِ قرآنی میں انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ شرکت کی تھی‘ وہ گواہی دیں گے کہ مبالغے کا کیا سوال‘ مندرجہ بالا الفاظ تو اِن مجالس کی واقعی کیفیات کی بدرجۂ ادنیٰ ترجمانی سے بھی یکسر قاصر ہیں!

اسی طرح پاکستان ٹیلی ویژن پر لگ بھگ چار سال تک راقم کے ’’بیان القرآن‘‘ کا جو ڈنکا بجتا رہا اُس کی حسین اور خوش گوار یادیں‘ اس کی بندش پر ساڑھے سات سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود‘ لاکھوں نہیں کروڑوں لوگوں کے قلوب و اَذہان میں اب تک تازہ ہیں۔ چنانچہ مسلسل تین سال تک پورے ماہِ رمضان المبارک کے دوران افطار سے متصلاً قبل ’’الکتاب‘‘ اور ’’الٓمّٓ‘‘ کروڑوں بندگانِ خدا کے لیے ’’نُورٌ علٰی نُورٍ‘‘ کے مصداق روزہ کی برکات پر مستزاد روح کی بالیدگی کا سامان فراہم کرتے رہے۔ اسی طرح ’’حکمت و ہدایت‘‘ کے ذریعے ذہن وفکر کو قرآنی غذا ملی تو ’’رسولِ کامل ﷺ‘‘ کے ذریعے قرآنی فلسفۂ رسالت اور نبی اکرم ﷺ پر نبوت کے اختتام اور رسالت کی تکمیل کے عملی تقاضوں کے شعور کی خوشبو سے پاکستان کی فضائیں معطر ہوئیں۔ سب سے بڑھ کر جب مسلسل پندرہ ماہ تک ہر ہفتے ’’الہدیٰ‘‘ کے ہدایت آفریں اور ایمان پرور نغموں سے پاکستان کا طول وعرض وجد میں آ گیا (اس لیے کہ یہ پروگرام نیشنل ہُک اَپ پر پاکستان کے تمام ٹیلی ویژن اسٹیشنوں سے بیک وقت ٹیلی کاسٹ ہوتا تھا) —— تو ایک جانب اسے جو قبولِ عام حاصل ہوا اور اس سے جو شہرت راقم کو حاصل ہوئی اس کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ راقم کو اپنے بارے میں فتنہ واستدراج کے اندیشے لاحق ہو گئے‘ اور دوسری جانب ؎

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں!

کے مصداق الحاد اور اباحیت کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا اور مغرب کی مادر پدر آزاد تہذیب کے دلدادہ مَردوں اور عورتوں کی جانب سے الامان والحفیظ کا شور اُسی طرح بلند ہوا جس طرح کبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی للکار سے فرعون اور اُس کے حواریوں کے ایوانوں میں ﴿وَيَذۡهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى ۝٦٣﴾ (طٰہٰ: ۶۳) کی دُہائی کی صورت میں

ہوا تھا، یعنی یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) چاہتے ہیں کہ تمہاری مثالی تہذیب کو تباہ اور تمہارے قابلِ فخر تمدن کو ملیامیٹ کر دیں، پس اپنی پوری قوت کو مجتمع کرو اور ان کے مقابلے کے لیے اُٹھ کھڑے ہو! گویا بقول اقبال
ع ''نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے!''

تو کیسے ممکن ہے کہ میری روح وجد میں نہ آئے اور میں اپنے باطن میں اُس کیفیت کے حامل ''رقصِ جاں'' کا مشاہدہ نہ کروں جس کا نقشہ عرفی نے اپنے اس شعر میں کھینچا ہے کہ ؎

چہ خوش رقصید عرفیؔ بر درِ کاشانۂ وحدت
برہمن گفت ایں کافر چہ استادانہ می رقصد!

جبکہ میرے علم میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی یہ ''خبر'' بھی ہے کہ:

((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَن عِنْدَهٗ))

(صحیح مسلم، عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ)

''جب بھی کبھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اُس کی کتاب پڑھتے اور آپس میں سمجھتے سمجھاتے ہیں تو ان پر سکینت کا نزول ہوتا ہے، رحمتِ خداوندی اُن پر سایہ کر لیتی ہے، فرشتے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کا تذکرہ اپنے مقربین (ملائکہ وارواح) کے سامنے کرتا ہے۔''

بلکہ اس خبر سے بڑھ کر وہ ''ضمانت'' بھی ہے جو (جامع ترمذیؒ و سنن دارمیؒ میں وارد) اُس طویل حدیث کے آخر میں وارد ہوئی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشاد فرمانے پر کہ: ''اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ'' (عنقریب ایک بہت بڑا فتنہ رونما ہوگا) جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: ''مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟'' (اے اللہ کے رسولؐ! اس سے بچ نکلنے کا راستہ کون سا ہوگا؟) تو اس کا کافی و شافی جواب تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو الفاظ میں ادا فرما دیا یعنی ''كِتَابُ اللّٰهِ'' لیکن اس کے بعد اس کی مزید تشریح کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ کی مدح اور اس کی عظمت کے بیان میں فصاحت و بلاغت کے جو موتی پروئے ان میں خود قرآن کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کا کامل عکس موجود ہے، اور جہاں اس ''بیانِ عظمت قرآن'' کے تین تین حسین جملوں پر مشتمل یہ حصے بھی لائقِ حفظ ہیں کہ:

◆ فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ ، وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ

''اس میں تم سے پہلے گزر جانے والوں کی اطلاعات بھی ہیں، اور تمہارے بعد پیش آنے والے حالات کی خبر بھی ہے، اور تمہارے مابین ہونے والے جملہ اختلافات اور نزاعات کا حل بھی ہے۔''

◆ وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ

''یہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے، اور یہی حکمت بھرا ذکر ہے، اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔''

◆ لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ ، وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ ، وَلَا یَخْلَقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ

’’اس کی رعنائیاں کبھی ختم نہ ہوں گی‘ اور اہل علم اس سے کبھی سیر نہ ہوں گے‘ اور بار بار پڑھنے کے باوجود اس پر باسی پن طاری نہ ہوگا۔‘‘

◆ مَنْ قَالَ بِہٖ صَدَقَ ، وَمَنْ عَمِلَ بِہٖ اُجِرَ ، وَ مَنْ حَکَمَ بِہٖ عَدَلَ

’’جس نے اس کی بنیاد پر کوئی بات کی اُس نے سچ کہا‘ جس نے اس پر عمل کیا اس کا اجر محفوظ ہے‘ اور جس نے اس کی بنیاد پر فیصلہ کیا اُس نے انصاف کیا۔‘‘

وہاں آخری نوید جاں فزا تو اس قابل ہے کہ ہر خادمِ قرآن اسے حرزِ جاں بنالے ——یعنی:

وَ مَنْ دَعَا اِلَیْہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

’’(اور سب سے بڑھ کر یہ کہ) جس نے اس کی جانب دعوت دی (خواہ کسی اور کو اس سے کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو) اُس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی!‘‘

ان بشارتوں اور ضمانتوں پر بھی اگر کوئی ’’داعی اِلی القرآن‘‘ فرطِ مسرت سے جھوم نہ اُٹھے تو یا تو اس کا وعظ و درس خالص ریاکاری پر مبنی ہے اور اُس کا ضمیر اسے متنبہ کرتا رہتا ہے کہ تم یہ ساری دوڑ دھوپ خالصتاً لوجہ اللہ نہیں کر رہے‘ یا اُس کی ساری تگ وتاز صرف عقل اور حواس کی وادیوں تک محدود ہے‘ اور ع ’’گزر اُن کا ہوا کب عالم اللہ اکبر میں!‘‘ کے مصداق قلب کی اُس وادی میں اُس نے قدم ہی نہیں رکھا جہاں فطرتِ سلیمہ کی گہرائیوں سے شکر وحمد کے چشمے اُبلتے ہیں اور انشراح وانبساط کے پھول کھلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ ﴿یَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنۡکِرُوۡنَہَا﴾ (النحل: ۸۳) کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ!

معذرت خواہ ہوں کہ بات ع ’’لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم‘‘ کے مطابق طویل ہوگئی۔ حاصل کلام یہ کہ عمر کے اعتبار سے ’’شامِ زندگی‘‘ کے اُس دَور میں قدم رکھتے ہوئے جس کے بعد ’’صبح دوامِ زندگی‘‘ ہی کے طلوع کا انتظار ہے‘ راقم بحمد اللہ اپنے ماضی کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہے کہ ع ’’جنوں میں جتنی بھی گزری بکار گزری ہے‘‘ اور ع ’’شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم!‘‘ —— اور ایک عربی مصرعے ’’وَارْجُوْہُ رَجَاءً لَا یَخِیْبُ‘‘ کے مصداق راقم کو امید واثق ہے کہ جس نے توفیق عطا کی اور تیسیر فرمائی وہ شرفِ قبول بھی ضرور عطا فرمائے گا۔

﴿رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰہُ وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِکَ فِیۡ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹﴾﴾ (النمل)

’’اے میرے ربّ! مجھے ہمت عطا فرما کہ میں تیرے اُس فضل کا شکر ادا کر سکوں جو تُو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا‘ اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں وہ کام کروں جو تجھے پسند ہوں‘ اور اپنی رحمت کے طفیل مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالے!‘‘

راقم کن الفاظ میں اللہ کا شکر ادا کرے کہ اُس نے ۱۹۶۷ء میں ’’قرآن اکیڈمی‘‘ کا جو خواب دیکھا تھا‘ اُس کے لیے ۱۹۷۲ء میں ایک باضابطہ ’’انجمن‘‘ قائم ہوگئی‘ ۱۹۷۶ء میں اُس کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا گیا‘ ۱۹۸۲ء میں ’’قرآن اکیڈمی فیلوشپ اسکیم‘‘ کا آغاز ہوا‘ ۱۹۸۴ء میں ’’دوسالہ تدریسی اسکیم‘‘ شروع ہوئی اور ۱۹۸۷ء میں قرآن اکیڈمی کی کوکھ سے ’’قرآن کالج‘‘ برآمد ہوگیا۔ راقم کو تو اس میں بھی جھلک نظر آتی ہے اس تمثیلِ قرآنی کی کہ:

﴿ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط﴾ (الفتح: ۲۹)

ویسے راقم کے نزدیک یہ اصلاً علّامہ اقبال اور مولانا آزاد ہی کے خوابوں کی تعبیر ہے جو اللہ نے اپنے اس بندۂ ناچیز کے ذریعے ظاہر فرمائی۔ لہٰذا ’’اَلفَضلُ لِلمُتَقَدِّم‘‘ کے مطابق اجر و ثواب میں بڑا حصّہ انہی کا ہے۔

جیسے کہ ’’انتساب‘‘ سے ظاہر ہے‘ یہ تالیف میں نے اصلاً اُن نوجوانوں ہی کے لیے مرتّب کی ہے جو حدیثِ نبویؐ ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ)) کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالیں۔ ان شاء اللہ العزیز ایسے نوجوانوں کو اس کے ذریعے اُن موجود الوقت علمی و فکری اور تہذیبی و ثقافتی ظروف و احوال کا فہم و شعور بھی حاصل ہو جائے گا جن میں انہیں ’’دعوت الی القرآن‘‘ کا فریضہ سرانجام دینا ہے اور ع ’’اپنی خودی پہچان!‘‘ کے مصداق اپنی اُس نسبتِ عالیہ کا ادراک بھی ہو جائے گا جو خدمتِ قرآن کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے کے ناطے انہیں گزشتہ تین صدیوں کے اُن اعاظم رجال سے حاصل ہوگئی ہے جنہوں نے ’’دعوت رجوع الی القرآن‘‘ کے شجرۂ طیبہ کی آبیاری کی ہے۔ مزید برآں‘ اللہ کے ایک بندۂ حقیر کی سرگزشت کے حوالے سے یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ اگر طلب صادق اور عزمِ راسخ ہو تو اللہ تعالیٰ ع ’’ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں!‘‘ کے مصداق کیسی کیسی عنایتیں فرماتے ہیں‘ اور اپنے اس حتمی وعدے کے مطابق کہ ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط﴾ (العنکبوت: ۶۹) کیسے کیسے راستے کھولتے چلے جاتے ہیں اور ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط﴾ (الحج: ۴۰) کی کیسی کیسی صورتیں سامنے آتی ہیں!

❁❁❁

سالانہ قرآن کانفرنسیں اور محاضراتِ قرآنی

1973ء سے انجمن نے سالانہ قرآن کانفرنسوں کا سلسلہ شروع کیا جو نہ صرف دعوتِ رجوع الی القرآن کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئیں بلکہ ملک کی سماجی وثقافتی زندگی کا ایک مستقل نشان بن گئیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب ملک کے دیگر ادارے بھی ملک کے مختلف مقامات پر ایسے اجتماعات منعقد کر رہے ہیں جن کا عنوان ''قرآن کانفرنس'' ہوتا ہے۔ حاضرین کی تعداد، شرکاء کے ذوق وشوق، اجتماعات کے نظم وضبط اور مقالوں اور تقاریر کے معیار کے علاوہ حاضرین کے جوش وخروش، کارکنوں کی مستعدی اور حسنِ انتظام یہاں تک کہ اجتماع گاہ کی تزئین و آرائش' غرض ہر اعتبار سے انجمن کے زیر اہتمام قرآن کانفرنسیں معیاری ہی نہیں مثالی قرار دی جاسکتی ہیں' جنہوں نے اہل وطن ہی سے نہیں بیرون ملک مقیم حضرات سے بھی زبردست خراجِ تحسین حاصل کیا۔ ایک خوشگوار رجحان اور حیرت افزا بات لوگوں کو یہ محسوس ہوئی اور ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ اختلاف اور افتراق وانتشار کے اس دور میں انجمن نے اپنی قرآن کانفرنسوں کے ذریعے تقریباً تمام مسلمہ فرقوں اور مسلکوں کے اہلِ علم وفضل حضرات کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔

مرکزی انجمن کے تحت ہونے والی قرآن کانفرنسوں اور محاضراتِ قرآنی کو جو علمائے کرام اور دانشور حضرات رونق بخشتے رہے ہیں ان کی فہرست تو اس قدر طویل ہے کہ اس کے لیے چار پانچ صفحات درکار ہوں گے۔ تاہم وہ حضرات جو ہماری کانفرنسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں لیکن آج ہم میں نہیں ہیں اور اللہ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔ ہم صمیم قلب کے ساتھ دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیّین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی دینی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

- مولانا محمد یوسف بنوریؒ
- مولانا شمس الحق افغانیؒ
- مولانا عبیداللہ انورؒ
- مولانا سید حامد میاںؒ
- مولانا محمد مالک کاندھلویؒ
- مولانا حافظ محمد گوندلوی
- مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ
- ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مرحوم
- مولانا ظفر احمد انصاریؒ
- مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ
- مولانا محمد حنیف ندویؒ
- سید ابوبکر غزنویؒ
- پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم
- ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم

الحمد للہ کہ یہ قرآن کانفرنسیں اور محاضرات قرآنی ہر سال بڑی باقاعدگی کے ساتھ اور نہایت پُرشکوہ انداز میں منعقد ہوتے رہے۔ بعض سال ایسے بھی گزرے کہ سالانہ قرآن کانفرنس لاہور میں ہی منعقد ہوئی اور اسی سال

دوسری مرتبہ کراچی میں بھی قرآن کانفرنس کے پروگرام رکھے گئے۔ محاضرات قرآنی یا قرآن کانفرنسوں میں پیش کیے گئے بہت سے مقالات ماہنامہ ''حکمتِ قرآن'' کے صفحات کی زینت بنتے رہے ہیں۔

چند سال قبل **''خلافت کانفرنس''** کے عنوان سے مسلسل پانچ روز جناح ہال (مال روڈ' لاہور) میں صدر مؤسس کے انتہائی جامع خطابات ہوئے۔ ہر پروگرام میں دو (2) گھنٹے خطاب کے لیے اور ایک گھنٹہ دانشور حضرات کے پینل کی جانب سے سوالات کے لیے رکھا گیا تھا۔ لاہور کے علمی حلقوں میں اس پروگرام کی بازگشت تادیر سنائی دیتی رہی۔ اس کے بعد اگلے ہی سال قرآن آڈیٹوریم میں بھی اسی عنوان سے خطابات کا پروگرام کئی روز جاری رہا۔ ان پروگراموں میں قرآن آڈیٹوریم کا وسیع ہال اور پھر راہداریاں اور آڈیٹوریم کا فرشی حصہ بھی سامعین سے پُر ہوگیا۔ آڈیٹوریم کے باہر پارک میں ''کلوز سرکٹ ٹی وی'' پر یہ پروگرام دیکھنے والوں کی تعداد بھی سینکڑوں میں تھی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ انجمن خدام القرآن کے تحت منعقد ہونے والے پروگرام کسی فرقے یا مسلک کی بنیاد پر نہیں ہوتے بلکہ صرف اور صرف ''قرآن'' اور ''ایمان'' ہی ان کا اصل موضوع ہوتے ہیں۔

صدر مؤسس کے ''خلافت کانفرنس'' والے خطابات کو ایک نہایت ہی دیدہ زیب اور ضخیم کتاب ''خطباتِ خلافت'' کی صورت میں پیش کرنے کا شرف بھی مکتبہ انجمن کو گزشتہ سال کے اواخر ہی میں حاصل ہوا ہے۔ کتاب کی تقریب رونمائی کے لیے باقاعدہ ایک تعارفی نشست فلیٹیز ہوٹل میں رکھی گئی۔ اس تقریب میں لاہور اور بیرون لاہور سے بہت سے دانشور حضرات اور علمائے کرام نے بھی شرکت فرمائی۔

(اب یہ کتاب ''خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام'' کے عنوان سے شائع ہوتی ہے۔)

❁❁❁

مرکزی انجمن کے پہلے 25 سال

قرآن اکیڈمی

تعلیمی و تدریسی سرگرمیاں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور 1972ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے پیش نظر جہاں قرآن حکیم کے علوم و معارف کی عمومی نشر و اشاعت تھا وہیں ایک ''قرآن اکیڈمی'' کا قیام بھی اس کے مقصد اولین میں شامل تھا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اور فضل شامل حال رہا اور صرف چار سال بعد 1976ء میں قرآن اکیڈمی کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ تعمیرات کی مناسب حد تک تکمیل کے بعد ''تعلیم و تعلّمِ قرآن'' کا کام جس میں دروس قرآن حکیم اور عربی زبان کی تدریس بھی شامل تھے' فوراً ہی شروع کر دیے گئے' تاہم 1982ء میں فیلوشپ اسکیم کا اجراء ہو گیا۔

فیلوشپ اسکیم

اس اسکیم میں ابتداءً سات اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان تعلیم و تعلّم قرآن کے لیے پوری زندگی وقف کرنے کا عزم لے کر شامل ہوئے۔ ان سات نوجوانوں میں ہم دو بھائی (راقم اور برادرم عاکف سعید) بھی شامل تھے۔ گویا انگریزی محاورے Charity begins at home کی ایک عملی مثال سامنے آ گئی۔

ابتدائی دو سال دینی مدارس کی طرز پر فقہ' اصول فقہ' اصول حدیث' منطق' مشکوٰۃ المصابیح اور پختہ بنیادوں پر عربی گرامر کی تدریس میں صرف ہوئے۔ سات میں سے دو شرکاء اس دوران ساتھ چھوڑ گئے' تاہم بقیہ پانچ فیلوز کی وابستگی تادیر قائم رہی اور انجمن کے تحت دعوتی و تبلیغی' تدریسی و تعلیمی اور تنظیمی و انتظامی شعبوں میں اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ پندرہ سال گزرنے کے بعد بھی چار نوجوان (جو اگرچہ اب نوجوان نہیں رہے) تادمِ تحریر دعوت رجوع الی القرآن کی تحریک سے وابستہ ہیں اور اس مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

فیلوشپ اسکیم کے اس پہلے گروپ کے بعد مزید داخلوں کے ضمن میں بات آگے نہ بڑھ سکی اور یہ اسکیم عارضی طور پر ترک کر دی گئی۔ لیکن ماضی قریب میں قرآن اکیڈمی میں شعبہ انگریزی اور شعبہ عربی کے قیام کے بعد ضرورت پھر اس امر کی داعی ہوئی کہ اس اسکیم کو دوبارہ شروع کیا جائے۔ لہٰذا مجلس شوریٰ مرکزی انجمن خدّام القرآن کے اجلاس منعقدہ 28 مارچ 1997ء میں تمام اراکین مجلس نے متفقہ طور پر جناب صدر مؤسس کی اس رائے کی تصویب فرمائی کہ فیلوشپ اسکیم کو دوبارہ شروع کرنا چاہیے۔ ان شاء اللہ جلد ہی اس ضمن میں مثبت پیش رفت سامنے آئے گی۔

معہدِ ثانوی

اپریل 1980ء میں انجمن کی طرف سے ایک نئی تعلیمی اسکیم کے تحت مڈل پاس یا اس کے مساوی تعلیم کے حامل طلبہ کے لیے قرآن اکیڈمی میں ایک اقامتی درسگاہ کے آغاز کا اعلان کیا گیا۔ اس اسکیم کے مطابق طلبہ کو اصلاً دو زبانیں پختہ طور پر پڑھائی جانے کا اہتمام تھا' یعنی عربی اور انگریزی۔ ان کے علاوہ میٹرک کے لازمی مضامین یعنی اسلامیات' اردو اور مطالعہ پاکستان اور اختیاری مضامین میں سے جنرل سائنس اور جنرل ریاضی لازمی طور پر اور اسلامیات اور شہریت میں سے کوئی ایک مضمون پڑھایا جانا شامل تھا اور اگلے سال عربی ادب کا امتحان دلوایا جانا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ایک اضافی سال کی تعلیم سے دینی و دنیاوی دونوں میدانوں میں اعلیٰ تعلیم کا راستہ کھل جائے گا۔

اس اسکیم کے تحت سولہ طلبہ نے درخواستیں دیں۔ چونکہ یہ تعداد بہت کم تھی اس لیے بغیر امتحان لیے سب کو داخل کر لیا گیا اور 15 مئی 1980ء سے مجوزہ درسگاہ کا آغاز کر دیا گیا۔ لیکن چونکہ ان میں سے اکثر کا تعلیمی معیار بہت پست تھا اس لیے کچھ تو درسگاہ کو خود چھوڑ گئے اور کچھ سے بعد میں معذرت کرنا پڑی۔ دوسرے سال یعنی 81ء میں باوجود اخبارات کے اشتہارات اور ہینڈ بلوں کے بڑی تعداد میں تقسیم کے نئی کلاس کے لیے مطلوبہ تعداد میں لڑکے دستیاب نہیں ہو سکے' اس لیے ہمیں افسوس کے ساتھ مجبوراً یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا اور پچھلے سال کا جو گروپ دسویں کلاس میں آ گیا تھا اس پر پوری توجہ مرکوز کر کے 82ء میں میٹرک کا امتحان دلا کر فارغ کر دیا گیا۔ ہمیں خوشی ہے کہ معہد ثانوی کے ان طلبہ نے میٹرک کا امتحان امتیازی نشانات سے پاس کیا۔

دوسالہ تدریسی کورس

1984ء میں مرکزی انجمن کی مجلس منتظمہ نے یہ فیصلہ کیا کہ پوری زندگی کو وقف کرنے کا عہد (commitment) لیے بغیر ذرا زیادہ تعداد میں نوجوانوں کو ایک دوسالہ تدریسی کورس میں شرکت کی دعوت دی جائے اور ضرورت ہو تو انہیں ان کے تعلیمی معیار کی مناسبت سے ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے۔ پھر ان میں سے جو لوگ تخلیقی و تحقیقی کام کی صلاحیت و استعداد کے حامل نظر آئیں انہیں مستقل فیلوشپ اسکیم میں شامل کر لیا جائے۔

اس کے لیے اصلاً تو انہی لوگوں کو ترغیب دلائی گئی جو ایک عرصے سے دعوت رجوع الی القرآن کے ساتھ وابستہ ہیں اور انجمن خدام القرآن یا تنظیم اسلامی میں سرگرمِ عمل ہیں' لیکن ایک دعوتِ عمومی کے لیے اس اسکیم کی تشہیر جرائد کے ذریعے بھی کی گئی۔ اس کے نتیجے میں اخبارات کے صفحات میں بعض حاسدین اور ناقدین کی جانب سے چہ میگوئی (controversy) بھی شروع کی گئی جس کا بروقت جواب دے دیا گیا۔ ذیل میں اس کورس کے سال اول کی روداد (از قلم ڈاکٹر اسرار احمد) شائع شدہ ''حکمت قرآن'' مئی 1985ء درج کی جا رہی ہے:

''بحمد اللہ اس دوسالہ تدریسی کورس کا پہلا تعلیمی سال اس شعبان المعظم میں مکمل ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس کا ایک جائزہ پیشِ خدمت ہے:

(۱) اس کورس کا آغاز چالیس شرکاء سے ہوا تھا' لیکن دورانِ سال مختلف اسباب کی بنا پر نو شرکاء ہمت ہار گئے۔ ایک صاحب ایک ماہ کی تاخیر سے شامل ہوئے اس طرح پہلے تعلیمی سال کی تکمیل کرنے والے شرکاء کی تعداد بتیس ہے۔

(۲) ان میں ایک تقسیم اس اعتبار سے ہے کہ چالیس (40) سال سے زائد عمر کے شرکاء چھ (6) ہیں' تیس (30) اور چالیس (40) سال کے مابین گیارہ (11) اور تیس (30) سال سے کم عمر کے پندرہ (15)۔

(۳) ایک دوسری تقسیم اس اعتبار سے ہے کہ بیس (20) خود کفیل اور غیر مؤظف تھے جبکہ صرف بارہ (12) شرکاء کو مختلف مقدار میں ماہانہ وظیفہ دیا گیا۔

(۴) ان کی تعلیمی قابلیت کا چارٹ حسبِ ذیل ہے:

ایم بی بی ایس	2	بی ڈی ایس	1
بی وی ایس سی	1	چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ	1
بی ایس سی انجینئرنگ (مکینیکل)	2	بی ایس سی، اے ایم آئی، ای (سول)	1
ایم ایس سی	2	ایم اے	3
بی ایس سی	2	بی اے	8
ایف اے	4	مختلف ڈپلومہ ہولڈرز	5

دو سالہ تدریسی کورس کے سالِ اول کی تکمیل کرنے والے شرکاء میں سے بعض کا معاملہ واقعۃً قابلِ ذکر ہی نہیں قابلِ رشک اور قابلِ تقلید بھی ہے' لہٰذا ان کا ذکر کیا جا رہا ہے:

(1) ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ کی عمر 50 برس ہے۔ وہ وسن پورہ اور شاد باغ کے علاقے کے مصروف ترین میڈیکل پریکٹیشنر ہیں' لیکن انہوں نے اس کورس کے دوران صرف شام کا مطب کرنے اور صبح کا پورا وقت خالص طالب علمانہ انداز میں حصولِ علم میں مشغول رہنے کی جو مثال قائم کی ہے وہ یقیناً قابل رشک ہے۔

(2) بالکل یہی معاملہ میرے برادرِ خورد وقار احمد سلمہٗ کا ہے کہ انہوں نے بھی 44 سال کی عمر میں اور ایک مصروف کاروباری زندگی گزارنے کے باوصف (وہ کئی تعمیراتی ٹھیکے لینے والی اور تعمیراتی سامان بنانے والی کمپنیوں کے ڈائریکٹر ہیں) بالکل طالب علمانہ انداز میں عربی زبان کے ابتدائی قواعد یاد کیے اور ثقیل تعلیم کو خندہ پیشانی سے پوری پابندیٔ وقت کے ساتھ نباہا اور امتحانات میں اکثر اعلیٰ پوزیشن حاصل کرتے رہے۔

(3) ایک اعتبار سے ان دونوں سے بھی بڑھ کر مثال قائم کی ہے میاں محمد رشید صاحب نے کہ ساٹھ برس کی عمر میں پوری پابندی کے ساتھ تحصیلِ علم میں لگے رہے اور بہت سوں کے لیے ایک قابل تقلید مثال بن گئے۔

(4) ایک اور اہم مثال میاں محمد نعیم صاحب کی ہے (عمر 29 سال) جو جیالوجیکل سروے آف پاکستان میں ڈپٹی

ڈائریکٹر ہیں اور کوئٹہ میں تعینات ہیں۔ انہوں نے بلاتنخواہ رخصت حاصل کی۔ اہل وعیال سمیت شدّ رحال کیا اور خالص طالب علمانہ انداز میں علمِ حاصل کیا۔

(5) اسی سے ملتا جلتا معاملہ میرے دامادِ کلاں محمود عالم میاں کا ہے جو ایم ایس سی کیمسٹری ہیں اور پی سی ایس آئی آر میں کام کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی رخصت حاصل کی اور اپنی اہلیہ (میری بڑی بچی) سمیت اس کورس میں شرکت کی۔ الحمد للہ کہ دونوں کا ریکارڈ بہت اچھا رہا بلکہ میری بچی نے بفضلہٖ تعالیٰ تین بچوں کی ماں ہونے کے باوجود حیرت انگیز ترقی کی اور بہت سے امتحانات میں اول پوزیشن حاصل کی۔

(6) ایسی ہی ایک قابل تقلید مثال چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب کی ہے۔ وہ اے جی آفس میں سپرنٹنڈنٹ ہیں لیکن انہوں نے بھی طویل رخصت حاصل کی اور اپنی بچی سمیت اس کورس میں شرکت کی۔ ان دونوں باپ بیٹی نے بھی بحمد اللہ نمایاں استعداد حاصل کی۔

(7) میرے دوسرے داماد ڈاکٹر عبدالخالق بی ڈی ایس ڈینٹل سرجن نے بھی اپنا مطب صرف شام کے اوقات میں کرلیا اور اس کورس میں باضابطہ شرکت کی۔

(8) ایسی ہی ایک اور شاندار مثال محمد صادق صاحب کی ہے۔ یہ تینتیس (33) سالہ نوجوان بی ایس سی ہیں اور سعودی عرب میں ایک تعمیراتی فرم میں مٹیریل انسپکٹر کی حیثیت سے کئی ہزار ریال پر ماہانہ ملازم تھے۔ انہوں نے جیسے ہی ''میثاق'' میں اس کورس کا اعلان پڑھا فوراً ملازمت کو خیر باد کہا اور کورس میں آ شامل ہوئے' اگرچہ وہاں کے معاملات کو نبٹانے میں کچھ وقت لگ گیا۔ چنانچہ ان کی کورس میں شمولیت ایک ماہ تاخیر سے ہوئی۔

(9) اسی طرح جاوید اسلم صاحب نے جو بی ایس سی مکینیکل انجینئر ہیں اور ایک کارخانے میں کام کرتے ہیں' اپنی ڈیوٹی مستقلاً شام کی شفٹ میں لگوائی اور اس کورس میں شرکت کرلی۔

(10) کراچی کے محمد یامین صاحب کی مثال بھی قابلِ رشک ہے۔ وہ ایم اے اسلامیات کے علاوہ آٹو موبائل میں ڈپلومہ رکھتے ہیں اور پاکستان کی فضائی فوج میں ملازم ہیں۔ انہوں نے بھی وہاں سے بلاتنخواہ رخصت حاصل کی، مع اہل وعیال لاہور آئے اور کورس میں شرکت کی!

(11) ایسی ہی مثال ایک پٹھان نوجوان محمد سلیمان کی ہے، جو مردان کے رہنے والے ہیں اور مرکزی حکومت کے کسی محکمے میں سٹینو ٹائپسٹ ہیں' انہوں نے بھی بلاتنخواہ رخصت حاصل کی اور کورس میں شریک ہوگئے۔

یہاں مناسب ہے کہ تحدیثاً للنعمۃ یہ ذکر بھی ہوجائے کہ اس دوسالہ کورس کے ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو ''وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ'' کی ایک حقیر سی مثال پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس ضمن میں بھائی' بیٹی اور دو دامادوں کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس لسٹ کی تکمیل ہوتی ہے میرے ایک اور داماد اور حقیقی بھتیجے عزیزم حمید احمد سلمہٗ کے ذکر پر جو بی ایس سی ہیں اور متعدد تعمیراتی لمیٹڈ کمپنیوں کے ڈائریکٹر ہیں لیکن بحمد اللہ کہ اس کورس میں

بھی پوری تندہی اور پابندی سے شریک رہے ہیں اور ان کے والد اور میرے برادر خورد اقتدار احمد سلمہٗ کا ارادہ ہے کہ اپنی اولاد میں سے انہیں دین کی خدمت کے لیے بالکلیہ وقف کردیں۔ اللہ تعالیٰ قبولِ حسن سے نوازے۔ (آمین!)

(افسوس صد افسوس کہ ہمارے خاندان کا یہ گلِ نوشگفتہ قضاء الٰہی کو کچھ زیادہ ہی پسند آ گیا۔ اور ع ''چن لیا تقدیر نے وہ دل کہ تھا محرم ترا!'' کے مصداق اسے تقدیر کے دستِ حنائی نے چن لیا اور اللہ نے اسے ہمارے لیے توشۂ آخرت کے طور پر قبول فرمالیا۔ چنانچہ 27 ستمبر 1986ء کو آں عزیز اپنے بہنوئی اور ہمارے بھانجے عبداللہ طاہر کے ساتھ ایک سڑک کے حادثے میں راہیٔ ملک بقا ہو گئے۔ اسی طرح اب میرے برادر خورد اقتدار احمد بھی جون 1995ء اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون!)

ہم ان تمام ادھیڑ عمر اور نوجوان شرکاء کورس کی خدمت میں ہدیۂ تبرک پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ جو استعداد انہوں نے اس محنت و مشقت اور ایثار و قربانی سے حاصل کی ہے وہ دین کی خدمت میں باحسن وجوہ استعمال ہو۔

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

الحمد للہ کہ دو سالہ تعلیمی و تدریسی کورس کو تین batches نے خاطر خواہ کامیابی کے ساتھ مکمل کیا' لیکن جلد ہی محسوس ہوا کہ بہت سے نوجوانوں کے لیے مسلسل دو سال اس کام کے لیے نکالنا ناممکن نہیں تو بہت مشکل کام ضرور ہے۔ لہٰذا ایسے نوجوانوں کے لیے ایک سالہ کورس جاری کیا گیا جو اللہ کے فضل سے بہت کامیابی کے ساتھ گزشتہ 9 برسوں سے جاری ہے اور تحریک رجوع الی القرآن کے ضمن میں ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوا ہے۔ اس کورس سے نہ صرف پاکستان میں مقیم سینکڑوں تعلیم یافتہ نوجوان استفادہ کر چکے ہیں بلکہ ایک معتد بہ تعداد میں ایسے نوجوان بھی مستفید ہوئے ہیں جو امریکہ' کینیڈا' برطانیہ اور عرب امارات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کورس کی اصل غرض و غایت اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں یعنی ڈاکٹرز' انجینئرز اور دیگر پروفیشنلز کو پختہ بنیادوں پر ''عربی گرامر'' کی تدریس کے بعد قرآن حکیم کے علم و حکمت سے روشناس کرانا ہے' تاکہ جہاں یہ نوجوان اپنی عملی زندگی میں اسلام اور قرآن کو اپنا ہادی اور راہنما بنا سکیں اور اس طرح معاشرے کو امانتدار' دیانتدار اور فرائض دینی کے جامع تصور سے مزین ڈاکٹرز' انجینئرز اور دیگر پروفیشنلز فراہم ہو سکیں' اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ معاشرے کو ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ مدرسین قرآن میسر آ سکیں جو دنیوی منفعت کی خواہش سے بلند ہو کر تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ اس کورس میں نوجوانوں کی شرکت کے ضمن میں جناب صدر مؤسس اپنے خطباتِ جمعہ اور دیگر خطابات میں انتہائی ترغیب و تشویق دلاتے ہیں اور بعض نوجوانوں کو انفرادی ملاقات میں اس کورس میں شرکت کی جانب راغب کرتے رہے ہیں۔

شعبۂ حفظ

مرکزی انجمن خدّام القرآن کے اغراض و مقاصد میں اگرچہ حفظ قرآن کا ذکر نہیں ہے تاہم اس شعبے کے لیے ایک انتہائی محنتی اور قابل استاد فراہم ہونے کے بعد جولائی 1985ء میں اس شعبے کا آغاز کیا گیا۔ ابتدا میں کل 12 طلبہ نے داخلہ لیا۔ پہلے ہی گروپ کی کارگزاری سامنے آئی اور جب لوگوں کے علم میں آیا کہ چار پانچ

سال میں حفظ قرآن کی بجائے ڈیڑھ سال سے بھی کم عرصے میں یہ کام ہوسکتا ہے تو بہت سے حضرات کا رجوع اس جانب ہوا۔ اس شعبے میں بھی الحمدللہ یہ صورت بنی کہ پہلا بچہ جس نے حفظ قرآن کی تکمیل کی وہ صدر مؤسس کے چھوٹے بھائی اقتدار احمد مرحوم ومغفور کا صاحبزادہ تھا جس نے ڈیڑھ سال کے عرصے میں قرآن کا حفظ مکمل کیا تھا۔ قرآن اکیڈمی میں قائم اس شعبے کی حسنِ کارکردگی کی بازگشت بیرون پاکستان بھی پہنچی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکہ' کینیڈا' برطانیہ اور متحدہ امارات میں رہائش پذیر بہت سے خاندانوں نے اپنے نوجوان بچوں کو حفظ قرآن کے لیے اس ادارے میں بھیجنا شروع کر دیا۔ جہاں تک شعبہ حفظ کی حسن کارکردگی کا معاملہ ہے اور ایک سال یا ڈیڑھ سال کے اندر عموماً حفظ کی تکمیل ہوجاتی ہے' اس میں اس فیصلے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ داخلے کے وقت بچے کی عمر 11 تا 12 سال ہونا ضروری ہے اور کم از کم پرائمری تو لازماً پاس کر چکا ہو۔ اس طرح جو بچہ داخل ہوتا ہے اس میں ذمہ داری کا شعور موجود ہوتا ہے اور اس طرح حفظ قرآن کی تکمیل میں کم عرصہ لگتا ہے۔

آغازِ شعبہ سے تادمِ تحریر 159 طلبہ حفظ کی تکمیل کر چکے ہیں اور ان میں سے 15 وہ ہیں جنہوں نے 12 مہینے سے بھی کم مدت میں حفظ مکمل کیا۔ ایک بچے نے کل ساڑھے آٹھ ماہ میں حفظ کی تکمیل کرنے کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ آج کل عموماً اس شعبہ میں حفظ کرنے والے طلبہ کی تعداد 60 تا 65 رہتی ہے اور چونکہ قرآن اکیڈمی میں ہاسٹل کی سہولت بھی موجود ہے اس لیے عموماً 15 تا 20 طلبہ ہاسٹل میں رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ جن طلبہ کے والدین اخراجات دینے کی استطاعت نہیں رکھتے انہیں انجمن اپنے خرچ پر قیام وطعام کی سہولت فراہم کرتی ہے۔

شعبۂ خط وکتابت کورس

ایسے طلبہ وطالبات' خواتین وحضرات کے لیے جو ملک سے یا لاہور سے باہر ہیں یا جن کے لیے کسی وجہ سے قرآن کالج' قرآن اکیڈمی لاہور میں حاضری ممکن نہیں' خط وکتابت کورسز ترتیب دیئے گئے ہیں' تاکہ وہ گھر بیٹھے سہولت کے ساتھ اپنے فارغ وقت میں عربی گرامر اور قرآن حکیم کی تعلیم کے حصول کے لیے درج ذیل کورسز سے استفادہ کرسکیں:

(1) قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
(2) ابتدائی عربی گرامر (حصہ اول)
(3) ابتدائی عربی گرامر (حصہ دوم)
(4) ترجمہ قرآن کریم کورس

اس شعبہ کی رپورٹ جسے ناظم شعبہ انوار الحق چوہدری صاحب نے مرتب کیا ہے' حسبِ ذیل ہے:

پہلے کورس کا آغاز جنوری 1988ء میں کیا گیا۔ اس کورس کا مقصد خواتین وحضرات اور طلبہ وطالبات کو قرآن حکیم کے مربوط مطالعے کے ذریعے دین کے جامع اور ہمہ گیر تصور سے متعارف کرانا ہے۔ بفضل باری تعالیٰ یہ کورس خوب زور شور سے جاری ہے۔ اس میں حصہ لینے والوں کی تعداد 2315 تک پہنچ چکی ہے۔ بیرون ملک سے اس کورس کا اجراء سعودی عرب میں جدہ' مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' ریاض' داہران اور الواسیع میں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ابوظبی' دوبئی' شارجہ' راس الخیمہ' انگلینڈ' فرانس' کینیڈا اور امریکہ میں بھی کورس کا اجراء ہو چکا ہے۔

دوسرے کورس ابتدائی عربی گرامر (حصہ اول) کا اجراء نومبر 1990ء میں کیا گیا۔ قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کے لیے ابتدائی عربی گرائمر کا جاننا ناگزیر ہے۔ اس کورس کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ کو عربی گرائمر کے بنیادی اصولوں سے اس حد تک متعارف کرادیا جائے کہ قرآن اور احادیث سے براہ راست استفادہ کے لیے انہیں ایک بنیاد حاصل ہو جائے۔ اوّل الذکر کورس کی طرح یہ کورس بھی بہت مقبول ہوا۔ اس کے طلبہ اور طالبات کی تعداد 1399 تک پہنچ چکی ہے۔ یہ کورس بھی بیرون پاکستان سعودی عرب، ابوظبی، دوبئی، شارجہ، انگلینڈ، فرانس، کینیڈا اور امریکہ میں جاری ہو چکا ہے۔

اس کورس کے حصہ دوم کا آغاز بھی اکتوبر 1992ء میں کر دیا گیا تھا۔ اس میں طلبہ کی تعداد 145 تک پہنچ چکی ہے۔

1996ء کے دوران شعبہ خط وکتابت کورسز میں ایک نئے کورس بعنوان ''ترجمہ قرآن کریم کورس'' کا اجراء کیا گیا۔ یہ کورس خاص طور پر Youngsters کے لیے جاری کیا گیا ہے، یعنی سکول اور کالج کے طلبہ و طالبات جو اردو لکھ پڑھ سکتے ہوں۔ ان طلبہ اور طالبات کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے اور یہ الفاظ کا ترجمہ باسانی یاد کر سکتے ہیں۔ چنانچہ نوجوان بچوں اور بچیوں کو ترجمہ قرآن سکھانے کے لیے ایک خاص طریقہ وضع کیا گیا ہے۔ ایسے بچے اور بچیاں اپنے گھر میں فارغ وقت میں روزانہ دس پندرہ منٹ صرف کر کے قرآن کریم کا ترجمہ سیکھ سکتے ہیں۔

وقتاً فوقتاً اخبارات میں اشتہار کے ذریعے طلبہ و طالبات کو ان کورسز سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ ان اشتہارات کا خاطر خواہ نتیجہ نکلتا ہے اور سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ وطالبات اس کورس میں داخل ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض شرکاء اس کورس کو ادھورا چھوڑ دیتے ہیں لیکن جتنا حصہ بھی انہوں نے مکمل کیا ہوتا ہے وہ بہر حال فائدے سے خالی نہیں ہوتا۔ اب تک اس کورس میں 137 طلبہ داخلہ لے چکے ہیں۔

اکیڈمک ونگ (Academic Wing)

قرآن اکیڈمی کا اکیڈمک ونگ فی الوقت مندرجہ ذیل ذیلی شعبوں پر مشتمل ہے:

(ا) شعبہ تصنیف وتالیف اور ترتیب وتسوید
(ب) شعبہ انگریزی
(ج) شعبہ عربی
(د) شعبہ فرانسیسی
(ہ) شعبہ کتابت وطباعت (بشمول کمپیوٹر کمپوزنگ)
(و) قرآن اکیڈمی لائبریری

(1) شعبۂ تصنیف وتالیف اور ترتیب وتسوید

اس شعبے کے ذمے مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن کے زیر انتظام شائع ہونے والے تینوں اردو

جرائد (میثاق‘ حکمت قرآن‘ ندائے خلافت) کے ادارتی امور‘ مثلاً مضامین کی تالیف اور editing‘ محترم صدر مؤسس کے خطابات کو ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے انہیں مرتب کرنا‘ اور مضامین کی پروف ریڈنگ جیسے امور ہیں۔ مزید برآں یہ شعبہ مرکزی انجمن کی جملہ کتب (نئی یا پرانی) کی تیاری اور ان کی اشاعت وطباعت کا بھی ذمہ دار ہے۔ چنانچہ نئی کتابوں کو مرتب (edit) کرنا اور پرانی کتب کے نئے ایڈیشنز کی اشاعت سے پہلے ان کی تصحیح کرنا یا اگر ضرورت داعی ہو تو ان پر نظر ثانی کے بعد ان کو از سرِ نو ایڈٹ کر کے نئی کتابت یا کمپیوٹر کمپوزنگ کرانا اسی شعبے کی ذمہ داری ہے۔ اس شعبے کے زیر انتظام ہر ماہ دو ماہانہ جرائد (میثاق اور حکمت قرآن) اور ہفت روزہ ندائے خلافت کے چار شمارے شائع ہوتے ہیں۔ ان جرائد کا اجمالی تعارف پیش خدمت ہے۔

<u>ماہنامہ میثاق:</u> اس جریدے کی اشاعت اولاً 1959ء میں زیر ادارت مولانا امین احسن اصلاحی صاحب شروع ہوئی۔ بالکل آغاز میں اشاعت باقاعدہ رہی لیکن بعد میں نہ صرف بے قاعدہ ہوئی بلکہ بالآخر اس جریدے کو بند کرنا پڑا۔ جناب صدر مؤسس کی لاہور منتقلی کے بعد 1966ء میں ان کی زیر ادارت اس جریدہ کی دوبارہ اشاعت شروع کی گئی۔ چنانچہ 66ء تا 72ء دار الاشاعت الاسلامیہ جو محترم ڈاکٹر صاحب کا ذاتی ادارہ تھا‘ کے زیر اہتمام ''میثاق'' بڑی باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ تا آنکہ 1972ء میں انجمن کی تاسیس کے بعد ماہنامہ میثاق مرکزی انجمن کے ایک آرگن کی حیثیت سے شائع ہونا شروع ہو گیا۔

1972ء تا 1997ء کے پچیس برسوں کے دوران اس ماہنامہ کی بہت سی ضخیم اور خصوصی اشاعتیں بھی شائع کی گئیں۔ ہماری کوشش رہی کہ اخراجات اور آمدنی کے ضمن میں منافع نہ سہی‘ کم سے کم یہ جریدہ خود کفیل تو ہو جائے۔ چنانچہ اس کے لیے خصوصی مہموں کے ذریعے بعض کمرشل اداروں سے اشتہارات بھی حاصل کیے گئے لیکن اشتہارات کے ضمن میں یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ اس میں کسی جاندار کی تصویر نہیں ہونی چاہیے۔

<u>ماہنامہ حکمت قرآن:</u> ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم ومغفور کی زیر نگرانی لاہور سے ''حکمت قرآن'' کے نام سے ایک علمی جریدہ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا۔ ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے انتقال کے بعد ایک عرصہ سے یہ ماہنامہ بند پڑا ہوا تھا۔ صدر مؤسس نے کانگریس کے اربابِ اختیار سے اسے دوبارہ شائع کرنے کے لیے کہا اور پیشکش بھی فرمائی کہ اگر کسی وجہ سے کانگریس اس کو شائع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اسے بخوشی شائع کرنے پر تیار ہے۔ کانگریس نے ڈاکٹر صاحب کی اس پیش کش کو قبول فرما لیا۔ چنانچہ ڈکلریشن کی تبدیلی کے لیے متعلقہ محکمہ کو درخواست دے دی گئی۔ مہینوں کی کارروائی کے بعد ڈکلریشن کی تبدیلی عمل میں آئی۔ انجمن کی مجلس منتظمہ اسے انجمن کی جانب سے شائع کرنے کی منظوری پہلے ہی دے چکی تھی۔ چنانچہ مئی 82ء سے انجمن کے ترجمان کی حیثیت سے ماہنامہ ''حکمتِ قرآن'' کا پہلا شمارہ منظرِ عام پر آ گیا۔

ماہنامہ ''حکمتِ قرآن'' میں قرآن کانفرنسوں اور محاضراتِ قرآنی میں پیش کیے گئے علمی مضامین اور

مقالات بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیے جاتے رہے ہیں۔ علماء اور دانشور حضرات کے حلقے میں یہ پرچہ بہت پسند کیا جاتا ہے۔ مرکزی انجمن کی مجلسِ عاملہ کے ایک فیصلہ کی رو سے یہ پرچہ انجمن کے حلقہ مؤسین و محسنین اور مستقل ارکان کو اعزازی بھیجا جاتا ہے۔

ہفت روزہ ندائے خلافت: اس ہفت روزہ کا آغاز محترم اقتدار احمد صاحب مرحوم و مغفور نے مارچ 1988ء میں ہفت روزہ ''ندا'' کے نام سے کیا تھا' جو آغاز میں بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ اپنی شائستگی اور سنجیدگی کے اعلیٰ وصف کی بنیاد پر اس کا شمار ملک کے صفِ اوّل کے ہفت روزہ جرائد میں ہوتا تھا۔ جنوری 91ء سے ہفت روزہ ''ندا'' تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی سے شائع ہونے لگا۔ جنوری 92ء سے اس نے ''ندائے خلافت'' کے نام سے تحریک خلافت پاکستان کے نقیب کی حیثیت اختیار کی۔ بعد ازاں ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' عملاً پندرہ روزہ کر دیا گیا اور یہ ہر دوسرے منگل کو باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ مارچ 88ء سے مارچ 95ء تک پورے چھ سال کا عرصہ محترم اقتدار احمد صاحب مرحوم اپنی علالت کے باوجود اس پرچے کی ادارت کی ذمہ داری پوری جانفشانی کے ساتھ ادا کرتے رہے' لیکن ان کی شدید علالت کے باعث اپریل 95ء سے اس کی اشاعت وقتی طور پر معطل ہو گئی۔ 6 جون 1995ء کو جناب اقتدار احمد داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے دار بقا کو کوچ کر گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

تقریباً ساڑھے تین ماہ کے تعطل کے بعد جولائی 95ء سے ندائے خلافت برادرم حافظ عاکف سعید کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا۔ دسمبر 96ء میں ندائے خلافت کا ایک خصوصی شمارہ ''سقوطِ مشرقی پاکستان نمبر'' شائع کیا گیا۔ بعد ازاں اپریل 97ء تک ہر ماہ اس کا ایک خصوصی ماہانہ ایڈیشن شائع کیا جاتا رہا۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ہدایت پر مئی 97ء سے ندائے خلافت کی ''ہفت روزہ'' کی حیثیت بحال کر دی گئی اور اب یہ ہر ہفتے باقاعدگی سے شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں تک پہنچتا ہے۔

اشاعت کتب: شعبہ تصنیف و تالیف کے زیر انتظام صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی کی 65 کے قریب کتب' 15 کتب کے تراجم اور دیگر مصنفین کی 12 کتب شائع کی جاتی ہیں۔ ان میں سے بیشتر کتب کے سال بہ سال نئے ایڈیشن شائع ہوتے ہیں۔ مزید برآں قرآن کالج کا میگزین صفہ' کالج پراسپکٹس' دستورِ انجمن' انجمن کی سالانہ رپورٹیں اور دوسرا تعارفی لٹریچر بھی اسی شعبہ کے زیر انتظام شائع ہوتا ہے۔ مکمل فہرست کتب رپورٹ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

(ب) شعبۂ انگریزی

دعوت رجوع القرآن کو انگریزی دان طبقے میں متعارف کرانے کے لیے ایک باقاعدہ انگریزی شعبہ کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ الحمد للہ کہ اس شعبہ کا قیام اکتوبر 1995ء میں عمل میں آ گیا۔ شعبہ انگریزی کے زیر اہتمام تصنیف و تالیف سے متعلق مختلف کاموں کے علاوہ جناب صدر مؤسس کی کتب اور خطابات

کا انگریزی ترجمہ کیا جاتا ہے۔

نئی کتب: شعبہ انگریزی کے تعاون سے اب تک مندرجہ ذیل مطبوعات شائع کی گئی ہیں:

(1) To Christians with Love یہ کتابچہ صدر مؤسس کے ان افکار پر مشتمل ہے جو موصوف نے عالمی سطح پر ہونے والی صیہونی سازشوں اور یہود کی جانب سے عالمِ عیسائیت کو اپنا آلہ کار بنانے جیسے اہم موضوعات پر اپنے خطاباتِ جمعہ میں پیش کیے۔

(2) Quran: Our Weapon in the War Ideas یہ مختصر کتابچہ صدر مؤسس کی تالیف ''جہاد بالقرآن'' اور ''جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ'' کی انگریزی زبان میں تلخیص پر مشتمل ہے۔

(3) The Objective and Goal of Mohammad's Prophethood (SAWS) صدر مؤسس کے نہایت اہم اور بنیادی کتابچے ''نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت'' میں شامل مقالۂ اول کا ترجمہ ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے کیا تھا جو قبل ازیں حکمت قرآن میں شائع ہو چکا تھا۔ اسے اغلاط کی تصحیح کے بعد کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔

(4) Dr. Israr Ahmad's Political Thought and Activities کینیڈا کی میک گل یونیورسٹی میں ایم اے اسلامیات کے لیے لکھا جانے والا یہ مقالہ جناب صدر مؤسس کے سیاسی افکار اور موصوف کی ان سرگرمیوں کی تفصیل پر مشتمل ہے جو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے علاوہ تنظیم اسلامی اور تحریکِ خلافت کے پلیٹ فارم سے کی جا رہی ہیں۔ یہ مقالہ اغلاط کی تصحیح اور ضروری اضافوں کے بعد کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔

(5) Lessons from History یہ کتاب جناب صدر مؤسس کے ان افکار و خیالات کو بنیاد بنا کر لکھی گئی ہے جو موصوف کے اخباری کالموں کے مجموعہ ''سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی حال اور مستقبل'' میں پیش کیے گئے ہیں۔ ان افکار کا انگریزی ترجمہ قبل ازیں ماہنامہ حکمت قرآن میں بالاقساط شائع ہوتا رہا ہے۔

تراجم: شعبہ انگریزی کے زیر اہتمام جناب صدر مؤسس کی بعض تصانیف کے انگریزی ترجمے کا کام ابھی جاری ہے، جن میں ''منہج انقلابِ نبوی' خطباتِ خلافت اور برعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل'' شامل ہیں۔ آخر الذکر کتاب کا اکثر حصہ انگریزی ترجمے کی صورت میں انجمن کے سہ ماہی جریدے The Quranic Horizons میں شائع ہو چکا ہے۔

انگریزی میں سہ ماہی جریدہ: 1996ء کے اوائل میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سہ ماہی انگریزی جریدے The Quranic Horizons کا اجراء ہوا۔ ڈیڑھ برس کے عرصے میں بروقت چھ شمارے شائع ہوئے۔ یہ جریدہ اپنے علمی اور تحریکی مواد اور حسن طباعت کے اعتبار سے اسلامی جرائد میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔

ابلاغ کے جدید ذرائع کا استعمال: الیکٹرانک میل اور انٹرنیٹ کی نئی ٹیکنالوجی کو کام لا کر دعوت رجوع الی القرآن

اور قرآن حکیم کی انقلابی تعلیمات کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کے کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ چنانچہ جناب صدر مؤسس کے خطاباتِ جمعہ اور دیگر اہم تقاریر کی انگریزی زبان میں تلخیص ای میل کے ذریعے دنیا بھر میں سو سے زائد افراد کو بھیجی جاتی ہے۔ اس mailing list میں شامل ہونے کے لیے anjuman@brain.net.pk پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور تنظیم اسلامی و تحریک خلافت کی مشترکہ web-site بنائی گئی ہے۔ اس کا مواد شعبہ انگریزی کے زیر اہتمام مرتب کیا گیا' جبکہ اس site کے تزئین و ترتیب سے متعلق تمام تکنیکی کام کراچی کے نوجوان رفیق تنظیم اسلامی جناب ماجد محمود کے تعاون سے مکمل ہوا۔ یہ web-site تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کے رفقاء کے تعاون سے امریکہ ہی میں host کی گئی ہے' جہاں مرزا احسن بیگ صاحب اس site سے متعلق جملہ امور کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس web-site کا پتہ حسبِ ذیل ہے:

http://www.tanzeem.org

(ج) شعبۂ عربی

۱۹۹۶ء کے دوران قرآن اکیڈمی کے اکیڈمک ونگ میں شعبہ عربی کا اضافہ ہوا۔ اس شعبے میں مکتبہ مرکزی انجمن کی مندرجہ ذیل مطبوعات کے عربی تراجم کو فائنل صورت دی گئی:

(1) طریق النجاۃ: سورۃ العصر (راہِ نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں)
(2) الهدف العظيم من هيئة النبي الكريم ﷺ (نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعث)
(3) البعث الاسلامی (اسلام کی نشاۃ ثانیہ)
(4) القرآن والامن العالمی (قرآن اور امن عالم)
(5) تاریخ الامة الاسلامیة (تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر)

مزید برآں ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' نامی کتابچے کے عربی ترجمہ ''ما ذا يجب على المسلمين تجاه القرآن'' اور عربی زبان میں مرکزی انجمن کے تعارف پر مبنی کتابچے پر نظر ثانی کا کام مکمل کیا گیا۔ تاہم ان میں سے کوئی کتاب بھی فی الحال طباعت کے مراحل طے نہیں کر سکی۔

(د) شعبہ فرانسیسی

۱۹۹۶ء ہی کے دوران اکیڈمک ونگ میں شعبہ فرانسیسی کا قیام بھی عمل میں آیا۔ اس شعبہ میں مکتبہ مرکزی انجمن کی مطبوعات کا انگریزی سے فرانسیسی زبان میں ترجمہ اور کمپیوٹر کمپوزنگ کا کام شروع کیا گیا۔ فرانسیسی زبان سے اچھی واقفیت رکھنے والے ایک نیک دل نوجوان جنہوں نے دو سال قبل ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کی تکمیل کی تھی' رضا کارانہ طور پر یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اب تک مندرجہ ذیل مطبوعات کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی کمپوزنگ بھی ہو گئی ہے:

Liste des traductions francaises

1 Le Coran et la paix Mondiale (The Quran and the World peace)
2 La Montee et le Declin de l' Umma' Musulmane (The Rise and Decline of the Muslim Ummah)
3 La Renaissance lslamique (The Islamic Renaissance)
4 Les Obligations que Ies Musulmans doivent au Coran (The Obligations Muslims owe to the Quran)
5 Appeler Ies Hommes vers Allah (Calling people onto Allah)
6 L, Objectif et le But de Ia Mission Prophetique de Muhammad (Id paix soit sur Iui)
(The Objective and the Goal of Muhammad's Prophethood)۔
7 Degager des Iecons de I histoire (Lessons from History)

(ہ) شعبہ کتابت وطباعت (بشمول کمپیوٹر کمپوزنگ)

اس شعبہ کے تحت مرکزی انجمن کے زیر اہتمام شائع ہونے والے تمام رسائل و جرائد‘ کتب اور ہینڈ بلز وغیرہ کے علاوہ اخباری وغیر اخباری اشتہارات‘ پوسٹرز‘ سٹیشنری اور سرکلرز وغیرہ کی تیاری اور طباعت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں کمپیوٹر کمپوزنگ اور کاپی پیسٹنگ کی حد تک تمام کام اکیڈمی ہی میں ہوتا ہے اور اس کے لیے یہاں مناسب انتظامات اور سہولتیں موجود ہیں۔ تاہم طباعت (printing) کا تمام کام بازار سے کرایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ایک سے زائد پرنٹنگ پریسوں سے رابطہ رکھا جاتا ہے تاکہ طباعت کے کسی کام میں تاخیر نہ ہو۔ مرکزی انجمن کے مختلف شعبہ جات کے علاوہ بعض ذیلی‘ منسلک انجمنوں‘ بزم ہائے خدام القرآن‘ تنظیم اسلامی اور تحریکِ خلافت سے متعلق بیشتر طباعتی مواد کی تیاری اور طباعت کا کام بھی بہت حد تک یہی شعبہ سرانجام دیتا ہے۔

شعبہ کے پاس تمام امور کی انجام دہی کے لیے تجربہ کار اور مستعد سٹاف موجود ہے۔ ماضی میں اس شعبہ کو بعض کہنہ مشق کاتبوں کی خدمات حاصل رہیں۔ لیکن جنوری 1991ء سے شعبہ میں کمپیوٹر کی آمد کے بعد کاتبوں پر انحصار رفتہ رفتہ کم ہوتا رہا‘ تاآنکہ شعبہ کے آخری کاتب کو بھی گزشتہ سال فارغ کر دیا گیا۔ اس وقت مرکزی انجمن کے زیر انتظام شائع ہونے والے تمام رسائل وجرائد‘ کتب اور اشتہارات وغیرہ کی کمپوزنگ کمپیوٹر پر ہی کی جاتی ہے۔ شعبہ کے پاس تین کمپیوٹر موجود ہیں‘ جن پر اردو‘ عربی‘ فارسی‘ انگریزی اور فرانسیسی میں کمپوزنگ کا کام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ شعبہ کے پاس ایک ’’HP4 Plus‘‘ لیزر پرنٹر موجود ہے۔

(و) قرآن اکیڈمی لائبریری

قرآن اکیڈمی کی لائبریری کا قیام اگرچہ اکیڈمی کے قیام کے ساتھ ہی عمل میں آ گیا تھا‘ تاہم اسے عملاً لائبریری کی حقیقی صورت 1986ء میں اُس وقت ملی جب جامع القرآن کے نیچے تہ خانے کا بڑا ہال لائبریری کے

لیے مختص کر کے اس میں کتابوں کے لیے الماریاں تیار کروائی گئیں اور لائبریری وہاں منتقل کی گئی۔ لائبریری کی منتقلی سے پہلے اس ہال میں دیمک سے تحفظ کے مناسب اقدامات کیے گئے اور ایسی کتابوں کو جو کسی بھی وقت کرم خوردگی کا شکار ہوئی تھیں لاہور عجائب گھر کے تعاون سے عمل تدخین (fumigation) سے گزارا گیا۔

لائبریری کے مجموعۂ کتب کا بنیادی اثاثہ محترم صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی مرحوم کے عطیات پر مشتمل ہے۔ تاہم 1990ء سے لائبریری کتب کے لیے بجٹ کا ایک حصہ مخصوص کیا جاتا ہے جس کے تحت ہر سال کم وبیش دس ہزار روپے کی نئی کتب خرید کر لائبریری میں شامل کی جاتی ہیں۔ اِس وقت لائبریری میں موجود کتب کی کل تعداد چھ ہزار سے زائد ہے۔

کتب کی باقاعدہ درجہ بندی (classification) اور فہرست سازی (cataloguing) کے لیے لائبریری کو کوالیفائڈ سٹاف کی خدمات حاصل ہیں۔ چنانچہ لائبریری کی جملہ اردو اور عربی کتب کو درجہ بندی کی ترتیب کے مطابق رکھا گیا ہے اور اس اعتبار سے قرآن اکیڈمی لائبریری ایک مرتب (arranged) اور classified لائبریری کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ تاہم انگریزی کتب کی درجہ بندی کا کام ابھی باقی ہے۔ لائبریری میں باقاعدگی سے موصول ہونے والے قریباً 150 ہفتہ وار، ماہوار، سہ ماہی اور سلسلہ وار رسائل وجرائد کا مکمل ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔

لائبریری میں موصول ہونے والے اخبارات میں سے اہم خبروں کو نشان زد کرنے اور ان کے تراشوں کو فائل کرنے کا کام بھی اہتمام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

قرآن کالج

مرکزی انجمن خدّام القرآن کے اغراض ومقاصد میں عربی زبان کی تعلیم وترویج کے ساتھ ساتھ ایک قرآن اکیڈمی کا قیام بھی تھا جو قرآن حکیم کے فلسفہ وحکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے۔ اس مقصد کی خاطر انجمن کی مجلس عاملہ نے سال 1987ء میں قرآن کالج کا منصوبہ تشکیل دیا۔ اس کالج کے ذمے انجمن کے اعلیٰ اہداف کے ضمن میں ''نرسری'' کا کردار ادا کرنا تھا۔ شروع میں کالج کے لیے ماڈل ٹاؤن ایکسٹینشن میں ایک کوٹھی حاصل کی گئی اور وہاں تین سالہ B.A کلاس کا اجراء کر دیا گیا۔ بعد ازاں لگ بھگ ایک سال بعد اتاترک بلاک گارڈن ٹاؤن میں تقریباً پانچ کنال کا ایک پلاٹ خریدا گیا جس کے بارے میں حکومت کی طرف سے پابندی تھی کہ اس پلاٹ پر صرف سکول یا کالج تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ 1989ء میں مذکورہ پلاٹ پر کالج کی تعمیر ہونے کے فوراً بعد جملہ تدریسی سرگرمیاں نئے کیمپس میں منتقل کر دی گئیں اور یوں الحمدللہ قرآن کالج لاہور کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ سال 1992ء میں کالج کو محکمہ تعلیم سے رجسٹر کروا لیا گیا اور اب اس کا لاہور بورڈ اور پنجاب یونیورسٹی سے الحاق کروانے کے لیے کوششوں کا آغاز بھی کر دیا گیا ہے۔

سال 1990ء میں بی اے کے ساتھ ساتھ ایف اے کلاسز کا آغاز بھی کر دیا گیا۔ 1997ء سے قرآن کالج

میں انٹر کامرس کی کلاسز بھی شروع کی جاچکی ہیں۔قرآن کالج کے طلبہ کو بورڈ اور یونیورسٹی کے نصاب کی تدریس کے ساتھ ساتھ عربی زبان‘ منتخب نصاب قرآن‘ ترجمۃ القرآن اور تجوید کی تدریس اس انداز میں کرائی جاتی ہے کہ بی اے کے امتحان سے پاس ہونے کے بعد وہ فہمِ قرآن اور درسِ قرآن کی نمایاں صلاحیت بھی حاصل کر لیتے ہیں۔قرآن کالج میں مختلف کلاسوں میں داخلے کے وقت اخبارات اور جرائد میں اشتہارات دیئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بینرز‘ پوسٹرز اور ہینڈ بلز سے بھی اشتہاری مہم میں استفادہ کیا جاتا ہے۔قرآن کالج کے طلبہ کو جاب مارکیٹ میں بہتر مقام پر لانے کی غرض سے انہیں کمپیوٹر ا پلیکیشن کی بھی خاطر خواہ تعلیم دی جاتی ہے اور اسے curriculum کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔کالج سے ملحق ہاسٹل میں تقریباً ایک سو(100) طلبہ کی رہائش کے لیے گنجائش موجود ہے۔

ہاسٹل میں قیام وطعام کی جملہ سہولیات اچھے معیار کے ساتھ فراہم کی گئی ہیں۔ہاسٹل میں مقیم طلبہ کا 24 گھنٹے کا ٹائم ٹیبل بنایا گیا ہے‘ جس میں باجماعت نماز کی پابندی‘ ورزش کے اوقات اور ہوم ورک کلاس کی پابندی باقاعدہ معین اوقات کے مطابق کروائی جاتی ہے۔

کالج میں زیر تعلیم ذہین اور ضرورت مند طلبہ کو کالج فیس‘ ہاسٹل فیس اور اخراجاتِ طعام میں رعایت بھی دی جاتی ہے اور مرکزی انجمن اس مد میں ہر ماہ خطیر رقم خرچ کرتی ہے۔

الحمدللہ کالج کے قیام سے لے کر آج تک ہر سال بڑی باقاعدگی کے ساتھ ایف اے اور بی اے کی کلاسز جاری ہیں۔نہایت قابل اور محنتی اساتذہ کی خدمات کالج کو حاصل ہیں اور تمام اساتذہ بہت لگن اور جانفشانی سے طلبہ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔عام کالجوں کی طرح قرآن کالج میں ایسا نہیں ہے کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چھ یا سات ماہ پڑھائی ہو اور سال کا بقیہ حصہ مختلف انواع کی چھٹیوں اور strikes کی نذر ہو جائے۔گرمیوں میں دو کی بجائے ایک ماہ چھٹیاں دی جاتی ہیں اور دیگر چھٹیوں (مثلاً یومِ پاکستان‘ یومِ دفاع‘ محرم کی چھٹیاں وغیرہ) میں طلبہ کے لیے تربیتی پروگرام رکھے جاتے ہیں۔

اسلامک جنرل نالج ورکشاپس

قرآن کالج کے زیر اہتمام چند سال سے اسکولوں اور کالجوں کی گرمیوں کی تعطیلات کے دوران نوجوان طلبہ کے لیے پانچ یا چھ ہفتوں پر محیط ایک پروگرام کا آغاز کیا گیا جسے بہت پسند کیا گیا۔وہ طلبہ جو ایف اے/ ایف ایس سی کے امتحانات سے فارغ ہو چکے ہوں ان کے لیے کم و بیش تین ماہ کا عرصہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ بالکل فارغ ہوتے ہیں۔گویا یہ سنہری موقع ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں کو دینی خصوصاً قرآن کی تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔

قرآن کالج کے زیر اہتمام یہ ورکشاپس بہت عمدگی کے ساتھ جاری ہیں۔اس کورس میں تجوید و ناظرہ قرآن کے علاوہ ارکان اسلام‘ ابتدائی عربی‘ مشاہیر اسلام اور فرائض دینی کے موضوعات کی تدریس کی جاتی ہے۔ سال 97ء کے کورس میں شرکاء کو کمپیوٹر کی تعلیم دینے کا بندوبست بھی کیا گیا۔کالج سے ملحقہ ہاسٹل میں طلبہ کی رہائش

کے لیے بھی معقول انتظام ہوتا ہے اور کورس کی تکمیل پر سندیں بھی دی جاتی ہیں۔ اس پروگرام کو جملہ متعلقین تحریک رجوع الی القرآن کی جانب سے بہت پذیرائی حاصل ہوتی ہے۔

عربی کی ایوننگ (Evening) کلاسز

قرآن کالج لاہور ہی کے زیر اہتمام وابستگان انجمن کے شدید تقاضے اور ماڈل ٹاؤن اور گردونواح میں رہائش پذیر حضرات کی جانب سے بار بار دلچسپی کے اظہار کو سامنے رکھتے ہوئے ہر سال قرآن کالج ہی میں شام کے اوقات میں (دو گھنٹے روزانہ کی تدریس) ہفتہ میں پانچ دن عربی کلاسز کا اجراء کیا جاتا ہے۔ یہ کورس تقریباً چار ماہ کے دورانیے پر محیط ہوتا ہے اور اس میں سے گزرنے کے بعد واقعتاً قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کے متن سمجھنا بہت سہل ہو جاتا ہے۔ کالج کی انتظامیہ نے اس کے لیے معقول ''داخلہ فیس'' بھی متعین کی ہے تاکہ جو بھی ان کلاسز میں شمولیت کا خواہاں ہو وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ اور کچھ ''انفاق مال'' کر کے شامل ہو۔ الحمد للہ ان کلاسز کو بھی ہمارے متعلقین اور وابستگان میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اگرچہ فی الوقت اعداد و شمار دستیاب نہیں تاہم محتاط اندازہ ہے کہ سینکڑوں حضرات نے ان کلاسز سے استفادہ کیا ہے۔ اراکین انجمن کے علم میں ہوگا کہ انجمن کے قیام کے پانچ مقاصد میں سے اولین ''عربی زبان کی تعلیم و ترویج'' ہے اور عربی کی ان کلاسز کی بدولت اس اہم ترین مقصد کی جانب مثبت پیش رفت جاری ہے۔

مرکزی انجمن کے دیگر شعبہ جات

مکتبہ انجمن

اوائل 1966ء میں جب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مستقل طور پر لاہور منتقل ہو گئے تو جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے ایک اشاعتی ادارہ ''دارالاشاعت الاسلامیہ'' قائم کیا۔ چونکہ اس وقت کوئی اجتماعی شکل موجود نہ تھی اس لیے یہ ادارہ ڈاکٹر صاحب کا ذاتی ادارہ تھا جس کے تحت ''تدبّرِ قرآن'' جلد اول و جلد دوم ''مبادئ تدبّرِ قرآن''، ''دعوتِ دین اور اس کا طریق کار'' اور چند دیگر کتب اور کتابچے شائع کیے گئے۔ لیکن جب اللہ کے فضل و کرم سے ایک اجتماعی ادارہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے نام سے وجود میں آ گیا تو اس کے تحت ایک مکتبہ کا قیام بھی 1973ء میں عمل میں آیا' جس نے دارالاشاعت اسلامیہ کی جگہ لے لی۔ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے نہ صرف وہ تمام کتب شائع کیں جو اس سے قبل ''دارالاشاعت اسلامیہ'' شائع کر رہا تھا بلکہ اس کا اشاعتی پروگرام وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ یکمشت ادائیگی کی بنیاد پر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر تدبّرِ قرآن کی چند جلدوں اور ان کی دیگر تصنیفات' نیز امام حمید الدین فراہیؒ کی مجموعۂ تفاسیر اور ان کی تصانیف کے ترجموں کے حقوق طباعت بھی حاصل کر لیے گئے۔ مکتبہ نے طباعت اور اشاعت کا اعلیٰ معیار پیش کر کے ہر حلقہ سے خراج تحسین وصول کیا۔

گزشتہ 24 سالوں کے دوران مکتبہ کے تحت لاکھوں کی تعداد میں کتب اور کتابچے شائع ہو چکے ہیں جن میں بڑی ضخیم کتابیں بھی شامل ہیں۔ اس رپورٹ کے اختتام پر مکتبہ کے تحت شائع ہونے والی کتب اور آڈیو/ ویڈیو کیسٹس کی فہرست بھی (قارئین کی دلچسپی کے لیے) شامل کی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں خاص طور پر میں ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' نامی کتابچے کا ذکر کرنا چاہوں گا جو اس دعوت رجوع الی القرآن کی تحریک کی اصل بنیاد قرار پاتا ہے۔ بلا مبالغہ یہ کتابچہ کم وبیش دس لاکھ کی تعداد میں شائع ہو کر تقسیم ہو چکا ہے۔ اس کتابچے کو عوام الناس اور خصوصاً علماء کے طبقے کی طرف سے بہت پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اس سال (1997ء) کے ماہِ رمضان المبارک کے دوران ایک خصوصی مہم کے تحت ایک لاکھ دس ہزار کی تعداد میں اس کتابچے کا سستا ایڈیشن تیار کر کے تقسیم کیا گیا۔

شعبہ سمع وبصر

اَسّی کی دہائی کے تقریباً وسط میں یہ شعبہ وجود میں آیا۔ ایک کیمرے اور ٹیپ ریکارڈر سے اس شعبہ کا آغاز ہوا۔ اُس وقت دروس وخطابات صرف ریکارڈ کئے جاتے تھے' ان کی مزید کاپیاں بازار سے بنوائی جاتی تھیں۔ جوں جوں صدر مؤسس کے دروس وخطابات کی مانگ بڑھتی گئی اس شعبہ کے equipments میں اضافہ ہوتا چلا گیا' مگر ریکارڈنگ کوالٹی عام سی رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ Non professional کیمروں پر ریکارڈنگ ہوتی رہی۔ بحمد اللہ یہ ریکارڈنگز بھی دنیا کے طول وعرض میں پھیلیں۔ ہر سال ہزاروں آڈیو اور سینکڑوں وڈیو کیسٹس اس شعبہ سے مکتبہ انجمن کے تحت لوگوں تک پہنچیں۔

1993ء سے اس شعبہ کی نظامت برادر عزیز آصف حمید کے ذمہ آئی اور اس شعبہ میں جدت کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ وڈیو مکسنگ شروع کی گئی' نئے VCR خریدے گئے' تمام ویڈیوز بجائے بازار سے کاپی کروانے کے اس شعبہ میں کاپی ہونے لگے۔ آڈیو ریکارڈنگ کی نئی مشینیں فراہم کی گئیں۔ ورلڈ سسٹم کنورٹر خریدا گیا جس کی بدولت اب ہم اپنی وڈیوز دنیا کے ہر سسٹم میں تیار کر سکتے ہیں۔ صدر مؤسس کا 94ء میں رمضان المبارک کے دوران دورۂ ترجمہ قرآن ریکارڈ کیا گیا جو کہ بعد میں بہت بڑی تعداد میں پاکستان اور بیرون پاکستان پھیل گیا۔

اپنے وڈیو سسٹم کو upgrade کر کے اسے Super VHS سسٹم میں لایا گیا جس کی ریکارڈنگ کوالٹی عام VHS سسٹم سے بہت بہتر ہے۔ صدر مؤسس کے تمام پروگرامز S-VHS سسٹم پر تیار ہونے لگے۔

1996ء کے اوائل میں ہمیں انڈیا سے رپورٹ موصول ہوئی کہ ایک اسلامی ادارہ (IRF) صدر مؤسس کی ریکارڈنگز کو بہت بڑے پیمانے پر نشر کر رہا ہے اور وہ ادارہ خواہش مند ہے کہ صدر مؤسس کی ریکارڈنگز کو سیٹلائٹ پر دکھائے مگر ہماری ریکارڈنگ کوالٹی اس معیار کی نہیں ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں ناظم شعبہ نے متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ نتیجتاً جدید ترین ریکارڈنگ ٹیکنالوجی Digital video system کو حاصل کر لیا گیا جو کہ جدید ترین ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی سستا بھی ہے۔

اس وقت پاکستان میں چند ہی ایسے لوگ ہوں گے جو اس ٹیکنالوجی سے استفادہ کر رہے ہوں گے۔ اس جدید ترین ٹیکنالوجی کی بدولت نہ صرف ہم اپنی وڈیوز اعلیٰ ترین معیار پر تیار کر سکیں گے بلکہ ایک طویل عرصہ تک اس کی کوالٹی کو محفوظ بھی رکھ سکیں گے۔ بحمد اللہ Digital Camera اور Digital VCR حاصل کر لیے گئے ہیں اور آئندہ رمضان المبارک میں ان شاء اللہ صدر مؤسس کا دورۂ ترجمہ قرآن اسی پر ریکارڈ ہوگا۔

ناانصافی ہوگی اگر میں یہاں ان حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا نہ کروں جن کی بدولت آج ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ تمام Equipment جو آج ہمیں حاصل ہے اس کی عظیم ترین اکثریت انہی لوگوں کی فراہم کردہ ہے۔ ان میں سرفہرست تنظیم اسلامی متحدہ عرب امارات ہے اور پھر تنظیم اسلامی شمالی امریکہ۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کے انفاق کو شرف قبولیت بخشے اور ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم ان کے ان عطیات سے حتی الامکان فائدہ اٹھا سکیں۔

جنرل کلینک

قرآن اکیڈمی کی فیلوشپ اسکیم میں جن سات نوجوانوں نے شمولیت اختیار کی تھی ان میں سے ایک (راقم الحروف) ایم بی بی ایس اور دوسرے (ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب) ڈینٹل سرجن تھے۔ انجمن کی مجلس منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ مذکورہ بالا دونوں حضرات کی تعلیم اور تجربہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن اکیڈمی میں ایک جنرل کلینک اور ایک ڈینٹل کلینک کا اہتمام کیا جائے۔ اس کلینک کے اخراجات اور ڈسپنسری کی تنخواہیں وغیرہ انجمن کے ذمہ ہوں گی اور دونوں ڈاکٹر حضرات بغیر کسی معاوضہ یا مشاہرہ کے اپنی خدمات اس کلینک کے لیے (صرف شام کے اوقات میں) وقف رکھیں گے۔

چنانچہ دسمبر 1982ء میں اس کلینک کا آغاز ہوگیا۔ گردوپیش سے بہت سے مریض اس کلینک سے استفادہ کرنے لگے۔ اس لیے کہ جنرل کلینک میں صرف پانچ روپے کے عوض دو دنوں کی ادویات اور ڈینٹل کلینک میں صرف materials کی قیمت کے عوض علاج کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے فیصل آباد منتقل ہو جانے کے باعث یہ ڈینٹل کلینک بہت جلد بند کرنا پڑا تاہم جنرل کلینک چلتا رہا۔ لگ بھگ پانچ سال تو راقم نے جنرل کلینک کے لیے اپنی خدمات وقف رکھیں لیکن بعد میں ناظم عمومی کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے باعث ایک اور ڈاکٹر کو مشاہرے پر شام کے اوقات کے لیے رکھ لیا گیا۔

1990ء میں اس کلینک کو قرآن کالج کی عمارت میں منتقل کر دیا گیا جہاں کچھ عرصہ اس کلینک سے قرآن کالج ہاسٹل کے رہائش پذیر طلبہ اور گردونواح کے مریض استفادہ کرتے رہے۔ لیکن اب اس کلینک کو بوجوہ بند کرنا پڑا ہے۔

لاہور میں دیگر پراجیکٹس

شہر لاہور میں دو مقامات پر اصحابِ خیر کی جانب سے دو عدد پلاٹس انجمن کو ہبہ کیے گئے تاکہ ان آبادیوں میں بھی انجمن کے اغراض و مقاصد کے پیش نظر خدمت قرآن کا کوئی کار خیر شروع کیا جائے۔ یہ دونوں پلاٹس لاہور

کے دو انتہائی گنجان آباد علاقے میں تھے۔ ایک پلاٹ تقریباً (12 مرلے) وسن پورے کے علاقے میں اور دوسرا پلاٹ (7 مرلہ) والٹن میں۔ الحمدللہ کہ دونوں مقامات پر مرکزی انجمن نے اپنے وسائل کو استعمال کرتے ہوئے مذکورہ دونوں پلاٹس پر تعمیر مکمل کر دی ہے۔

وسّن پورہ میں واقع پلاٹ پر دو منزلہ بلڈنگ تعمیر کی گئی ہے اور علاقے کے لوگوں کے لیے ابتداء میں تجوید و ناظرہ کلاس کے ساتھ ساتھ شام کی عربی کلاسز کا اجراء بھی عمل میں آیا۔ ایک خیال یہ بھی ذہن میں آیا کہ اس میں بچوں اور بچیوں کا پرائمری یا دستکاری اسکول کھول لیا جائے۔ بہرحال تقریباً 12 مرلے پر مشتمل یہ عمارت ''خدمتِ قرآن'' ہی کے لیے وقف ہے۔

والٹن مسجد و مکتب کے نام سے والٹن کی آبادی میں ہبہ کیے گئے اس پلاٹ پر ایک خوبصورت مسجد کی تعمیر کی گئی ہے۔ اس سے ملحق دو کمروں میں انجمن خدام القرآن کی کتب اور آڈیو/ ویڈیو کیسٹس پر مبنی ایک لائبریری تشکیل دی گئی ہے۔ اس مسجد میں پنج وقتہ نماز کے نظام کے ساتھ ساتھ خطاب جمعہ کے لیے انجمن کے سینئر ساتھی میسر ہیں جو علاقے کے لوگوں میں دعوت رجوع الی القرآن کا کام کر رہے ہیں۔ مستقل بنیاد پر ایک ہمہ وقتی مؤذن/ امام کی خدمات بھی مسجد کو حاصل ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر کے لیے بھی انجمن کے وابستگان میں سے ایک صاحب خیر نے تمام رقم اپنی جیب سے ادا کی۔ فَجزاہُ اللہ احسن الجزاء۔

بزم ہائے خُدّام القرآن

بزم ہائے خدام القرآن کا قیام 1995ء میں عمل میں آیا اور اس کا مقصد انجمن کے پرانے وابستگان سے رابطہ، باہم ربط وضبط کا اہتمام، انجمن کے مقاصد کے لیے مزید تعاون واشتراک اور دعوت رجوع الی القرآن کی تیز تر اور وسیع تر اشاعت کے لیے کوشش کرنا ہے۔ اس کے پہلے اعزازی ناظم محترم نسیم الدین خواجہ صاحب تھے جنہوں نے اس کا تاسیسی اجلاس قرآن آڈیٹوریم میں منعقد کیا اور لاہور میں پانچ بزم ہائے خدام القرآن کا اعلان کر دیا گیا۔

1995ء کے دوران تین مقامات پر عربی کلاس کا اجراء کیا گیا۔ ایک جگہ نصاب مکمل کر لیا گیا۔ دوسری جگہ کلاس سست روی سے جاری، جبکہ تیسری جگہ لوگوں کی عدم دلچسپی کی وجہ سے کلاس کامیاب نہیں ہوسکی۔ رمضان المبارک میں دو مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کامیابی سے ہوتا رہا۔ تین مقامات پر درس قرآن جاری ہے جس میں سے ایک جگہ شرکاء کی تعداد 200 کے قریب ہے۔ جناب خالد محمود صاحب نے ترجمہ قرآن کو پورے پاکستان لیول پر پھیلانے کے لیے جمعیت تعلیم القرآن سے رابطہ قائم کیا جس کے نتیجہ میں بہاولپور اور اس کے اردگرد کے مدارس میں ترجمہ کا کام شروع ہوگیا ہے۔ انہیں پہلا پارہ مع ترجمہ مہیا کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ موسم گرما میں ریلوے سکول میں سمر کیمپ کا بندوبست کیا گیا جس کے افتتاحی اجلاس میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی تشریف لائے اور بہت پسند کیا۔ اس طرح کے پروگرام دوسرے سکولوں میں کرنے کے لیے کوشش جاری ہے۔

بزم ہائے خدام القرآن اپنے تمام اخراجات اپنے ذرائع سے پورے کر رہی ہیں۔

آج کل بزم کے ناظم جناب اشرف وصی صاحب ہیں اور وہ بذاتِ خود بھی اور اپنی ٹیم کے ساتھ بھی اراکین انجمن سے ذاتی رابطہ کر رہے ہیں۔ خصوصاً ان اراکین سے جو انجمن کے رکن تو بن گئے لیکن اب انجمن کے اغراض و مقاصد سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے اور کچھ عرصے سے انجمن کا ماہانہ زرِتعاون بھی باقاعدگی سے ادا نہیں کر رہے۔

اس سال ماہ رمضان المبارک کے دوران خصوصی مہم چلائی گئی اور صدر مؤسس کی انتہائی جامع تحریر ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' ایک لاکھ سے زائد تعداد میں فروخت کی گئی۔ یاد رہے کہ لوگوں سے ساٹھ صفحات سے زائد اس کتابچے کی تقریباً لاگت قیمت ہی (تین روپے فی کتابچہ) وصول کی گئی۔ اللہ تعالیٰ اس کتابچے کو لوگوں کی راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین!

منسلک انجمنیں

بحمد اللہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے بطن سے کئی ذیلی انجمنیں وجود میں آ چکی ہیں‘ جنہیں منسلک انجمنوں کا عنوان دیا گیا ہے۔ منسلک انجمنیں صرف مقاصد کے اعتبار سے مرکزی انجمن سے منسلک (affilliated) ہوتی ہیں۔ یہ اپنا دستور اور دستوری نظام کو چلانے کے لیے قواعد و ضوابط خود متعین کرتی ہیں اور اپنے مالی اور انتظامی امور میں بالکل آزاد (autonomous) ہوتی ہیں۔ اندرون ملک منسلک انجمنیں اپنی سالانہ آمدنیوں کا دسواں حصہ مرکزی انجمن کو منتقل کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ بیرون ملک منسلک انجمنوں پر یہ پابندی عائد نہیں ہوتی۔

منسلک انجمنوں کا مختصر تعارف ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

(1) انجمن خدّام القرآن سندھ‘ کراچی

اس انجمن کا قیام مئی 1986ء میں عمل میں آیا تھا۔ انجمن کراچی کے مرکزی دفاتر‘ قرآن اکیڈمی اور ایک بہت خوبصورت جامع مسجد کی تعمیر کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ انجمن کے تحت چار عدد ایک سالہ کورس مکمل ہو چکے ہیں۔ کراچی کی پوش آبادی ڈیفنس میں لبِ ساحل سمندر قرآن اکیڈمی کراچی کی عمارت واقع ہے۔ اس کی جامع مسجد میں کئی سال سے ہر ماہ رمضان المبارک میں بڑی باقاعدگی سے دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام بھی جاری ہے۔ کراچی شہر میں اس انجمن کے تحت پانچ عدد لائبریریاں قائم ہیں‘ جن میں انجمن کی کتب کے علاوہ صدر مؤسس کے دروس قرآن اور خطبات پر مشتمل آڈیو/ویڈیو کیسٹس بھی فراہم کی جاتی ہیں۔

(2) انجمن خدّام القرآن بلوچستان‘ کوئٹہ

اس انجمن کا قیام نومبر 1989ء میں عمل میں آیا۔ اس انجمن کے تحت ایک بڑی لائبریری بھی قائم ہے۔ بڑی باقاعدگی کے ساتھ عربی کلاسز اور ''تجوید و قراءت'' کی کلاسز بھی ہوتی رہتی ہیں۔ مختلف مواقع پر انجمن کا تعارفی لٹریچر بھی لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(3) انجمن خدّام القرآن فیصل آباد

اس انجمن کا قیام مئی 1990ء میں عمل میں آیا۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب یکے از فیلوز قرآن اکیڈمی کی فیصل آباد میں موجودگی انجمن کے کام کو آگے بڑھانے میں بڑی مفید ثابت ہوئی ہے۔ مختلف مواقع پر عربی تدریس کے پروگرام‘ دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام‘ شہر کے بڑے ہال میں ماہانہ درس قرآن کے پروگرام وغیرہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ مجوزہ قرآن اکیڈمی کے لیے ایک بڑا پلاٹ انجمن کو ہبہ کیا گیا ہے جس پر ان شاء اللہ جلد ہی تعمیر کا آغاز ہو جائے گا۔

(4) انجمن خدّام القرآن ملتان

اس انجمن کا قیام جون 1990ء میں عمل میں آیا۔ مرکزی انجمن کے ایک معزز رکن نے اپنے بنگلے سے ملحق پلاٹ انجمن کو ہبہ کیا تھا جس پر قرآن اکیڈمی ملتان کی خوبصورت عمارت تعمیر ہو چکی ہے۔ گزشتہ چار سال سے ماہ رمضان المبارک میں دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام بھی بڑی کامیابی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ خواتین کے لیے ماہانہ دروس قرآن کے پروگرام‘ ہفتہ وار دروس قرآن‘ قرآنی تربیتی کیمپ‘ عربی زبان کی تدریس‘ شعبہ حفظ و ناظرہ‘ غرضیکہ دعوت رجوع الی القرآن کا کام ہر سطح پر جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کام میں مزید برکت عطا فرمائے۔

(5) انجمن خدّام القرآن پشاور

اس انجمن کی تاسیس دسمبر 1992ء میں ہوئی۔ ایک صاحب خیر کی جانب سے 4 کنال کی اراضی انجمن کو ہبہ کرنے کا پختہ وعدہ ہوا ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی اس پر قرآن اکیڈمی کی تعمیر شروع ہو جائے گی۔ انجمن کی لائبریری میں جناب صدر مؤسس کی کتب اور آڈیو/ ویڈیو کیسٹس کا بڑا ذخیرہ موجود ہے جس سے طالبان علم اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ ’’نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں‘‘ نامی کتابچہ پشتو زبان میں ترجمہ کر کے چھپوالیا گیا ہے۔ ’’مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق‘‘ کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

(6) انجمن خدّام القرآن راولپنڈی/اسلام آباد

پاکستان کے یہ جڑواں شہر (Twin Cities) ایک دوسرے سے ملحق ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں شہر انجمن کے نام کا جزو ہیں۔ اس انجمن کی تاسیس 1986ء میں ہوئی تھی‘ اسلام آباد کے ثقافتی حلقوں میں ’’کمیونٹی سنٹر اسلام آباد‘‘ میں صدر مؤسس کے ماہانہ درس قرآن کی صدائے بازگشت کئی سالوں تک گونجتی رہی۔ اسی طرح مؤتمر عالمِ اسلامی کی خوبصورت جامع مسجد میں بھی متعدد خطباتِ جمعہ میں صدر مؤسس نے خطاب فرمایا۔ ہر ماہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ انجمن کی ماہانہ میٹنگ ہوتی ہے۔ ماہ رمضان المبارک 1995ء میں اسلام آباد میں آٹھ مقامات پر صدر مؤسس کی دورۂ ترجمہ قرآن ویڈیو کیسٹس کے ذریعے پروگرام پورے ماہ بڑی باقاعدگی سے ہوتا رہا۔

❁❁❁

پیش رفت ..... 2022ء تک

رپورٹ: ڈائریکٹر اکیڈمی/ مدیر اکیڈمی

(1997ء تا 2022ء)

الف) 1997ء سے 2002ء تک مدیر اکیڈمی اور مدیر طباعت کے دستوری مناصب پر محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ تعینات رہے۔ اس دوران انہوں نے درج ذیل فرائض انجام دیے:

1۔ بطور مدیر اکیڈمک ونگ

☆ شعبہ تصنیف و تالیف اور ترتیب و تسوید، شعبہ کمپوزنگ و طباعت، شعبہ انگریزی اور لائبریری کے انتظامی و عملی کارگزاری سے متعلق امور کی دیکھ بھال

☆ سٹاف کو مختلف فرائض کی تفویض اور ان پر عمل درآمد کو یقینی بنانا

2۔ بطور ناظم نشر و اشاعت

☆ انجمن اور تنظیم کے زیر اہتمام شائع ہونے والے جرائد کے انتظامی، ادارتی اور طباعتی امور کی نگرانی

☆ جرائد کے اداریے تحریر کرنا

☆ مرکزی انجمن کی کارکردگی کی تشہیر کے لیے مناسب انتظامات کرنا

☆ اہم دینی، ملی اور قومی مسائل پر سیمینارز، کانفرنسز کا انعقاد

3۔ بطور ناظم کالج

☆ بورڈ آف گورنرز کے فیصلوں پر عمل درآمد کی ذمہ داری

☆ کالج اور ہاسٹل کے انتظامی معاملات کی نگرانی

☆ گرمیوں کی تعطیلات کے دوران اسلامی جنرل نالج ورکشاپ کا انعقاد

☆ شام کے اوقات میں عربی کی تدریس

4۔ بطور ناظم شعبہ تدریس

☆ مختلف تعلیمی سکیموں کا اجراء

☆ رجوع الی القرآن کورس اور خط و کتابت کورس کے انتظامی و تدریسی امور کی نگرانی

ب) 30 جولائی 2002ء کو محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کو ترقی دے کر ڈائریکٹر اکیڈمی مقرر کر دیا گیا۔ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد ان کی ذمہ داری انجمن کے مختلف شعبوں کی top supervision رہی۔ جیسا کہ:

☆ شعبہ مطبوعات میں انجام دیے جانے والے امور کی دیکھ بھال۔ تصنیف و تالیف، کمپوزنگ اور پرنٹنگ کے معیار کی نگرانی
☆ شعبہ انگریزی میں ہونے والے کام کی نگرانی
☆ انجمن اور تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام شائع ہونے والے جرائد کی بروقت اشاعت کو یقینی بنانا
☆ ''ندائے خلافت'' کے لیے مئی 2003ء تک، ''میثاق'' کے لیے جنوری 2009ء تک اور ''حکمت قرآن'' کے لیے مئی 2004ء تک اداریے مرتب کیے گئے۔
☆ شعبہ خط و کتابت کورس کے مواد کو مؤثر اور مفید بنانے کے لیے اقدامات
☆ رجوع الی القرآن کورس کی نظامت
☆ قرآن کالج، ہاسٹل اور لائبریری کے جملہ امور کی نگرانی
☆ مختلف موضوعات پر لیکچرز اور سیمینارز کا اہتمام
☆ علمی و تحقیقی کام کو فروغ دینے کے لیے عملی اقدامات
☆ اکیڈمی کی لائبریری کے جملہ امور کی دیکھ بھال

ملازمت سے دستکش ہو کر اعزازی کام کرنے کا فیصلہ

مکرم و محترم جناب ناظم اعلیٰ صاحب' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مَیں نے اللہ کی تائید و توفیق سے' اور اسی کی نصرت و حمایت کے بھروسے پر 30 جون 2003ء سے مرکزی انجمن خدام القرآن کی ملازمت سے دستکش ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ مَیں ان شاء اللہ آئندہ بھی ڈائریکٹر اکیڈمی کی ذِمہ داریاں اپنی بساط کے مطابق' جب تک ممکن ہو سکا' اعزازی طور پر نبھاتا رہوں گا۔ رزق کا معاملہ کلیتاً اللہ کے ہاتھ میں ہے' آپ دُعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے راہِ حق پر استقامت عطا فرمائے اور کسی سخت امتحان میں نہ ڈالے۔ وما توفیقی الا باللہ!

والسلام

احقر عاکف سعید عفی عنہ

(ڈائریکٹر اکیڈمی/ناظم قرآن کالج)

بتاریخ یکم جون 2003ء

شعبہ جات کی کارکردگی کا جائزہ

(1) شعبہ مطبوعات

شعبہ مطبوعات کو قرآن اکیڈمی میں ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے تحت تین ذیلی شعبے (sections) کام کر رہے ہیں: (1) تصنیف و تالیف اور ترتیب و تسوید سیکشن (2) کمپوزنگ اور ڈیزائننگ سیکشن (3) پرنٹنگ سیکشن۔ یہ تینوں سیکشنز باہم دگر مربوط ہیں جو شعبہ کا تمام کام باہمی تعاون اور ٹیم ورک کے جذبے سے بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔

صدرِ مؤسس انجمن ڈاکٹر اسرار احمدؒ 1965ء میں لاہور منتقل ہوئے تو دروسِ قرآنی کے حلقوں کے ساتھ ساتھ ذاتی حیثیت میں ''ادارہ اشاعت اسلامیہ'' قائم کیا اور دعوتی و تحریکی مطبوعات کی اشاعت کا آغاز فرمایا۔ 1972ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے قیام کے بعد اشاعت کتب کا کام مرکزی انجمن کے زیر اہتمام ہونے لگا۔ 1979ء میں قرآن اکیڈمی کے قیام کے بعد سے اس کا شعبہ مطبوعات محترم ڈاکٹر صاحبؒ اور پھر ڈائریکٹر اکیڈمی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے زیر سرپرستی اشاعتِ کتب و جرائد کی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اس شعبہ کو شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم کی تاحیات خدمات بھی حاصل رہی ہیں، جو محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے خطابات کو کیسٹ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے اور پھر حک و اضافہ کے ساتھ میثاق میں شائع کراتے تھے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی بہت سی کتب انہی خطابات پر مشتمل ہیں۔ مدیر شعبہ حافظ خالد محمود خضر حفظہ اللہ اور انچارج پرنٹنگ شیخ رحیم الدین حفظہ اللہ گزشتہ چار دہائیوں سے شعبہ مطبوعات کے ساتھ منسلک ہیں اور الحمد للہ ہر گزرتے سال کے ساتھ شعبہ کی کارکردگی میں مسلسل اور تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

رسائل و جرائد

شعبہ مطبوعات کے زیر انتظام تین اردو جرائد (سہ ماہی حکمت قرآن، ماہنامہ میثاق اور ہفت روزہ ندائے خلافت) شائع ہوتے ہیں۔

☆ ان تینوں جرائد کے من جملہ ادارتی امور، مثلاً مضامین کی تالیف اور ایڈیٹنگ،

☆ صدر مؤسس و بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دروسِ قرآن، مختلف پروگرامز، سیمینارز اور کانفرنسوں میں کی گئی تقاریر اور خطاباتِ جمعہ کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے انہیں تحریری شکل میں ترتیب و تدوین اور ان میں مذکور احادیث کی تخریج

☆ سابقہ اور موجودہ امیر تنظیم اسلامی، صدرِ انجمن اور ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن کے مختلف مواقع پر مختلف تقریبات

وسیمینارز میں کیے جانے والے خطابات کو تحریری شکل میں مرتّب اور مدوّن کرنا اور ان کے خطاباتِ جمعہ کو ٹیپ سے اُتار کر اُن کی تلخیص تیار کر کے شائع کرنا'

☆ موصول ہونے والے مضامین میں سے قابلِ اشاعت مضامین کو منتخب کرنا اور پھر ان کی پروف ریڈنگ اور مناسب ومطلوب ایڈیٹنگ کے ساتھ ان میں شامل حوالہ جات کے مطابق قرآنی آیات کے متون وتراجم اور احادیثِ نبوی ﷺ کے متون' تراجم اور تخریج کا اہتمام کرنا' مضامین میں موجود اقتباسات کا اصل مصادر سے موازنہ کرنا

اور اس نوعیت کے دیگر بہت سے امور اس شعبہ کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔

شعبہ مطبوعات کے زیر انتظام شائع ہونے والے رسائل وجرائد کا مختصر تعارف اور اجمالی رپورٹ ذیل میں پیش کی جارہی ہے:

ماہنامہ میثاق: یہ رسالہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی زیرِ ادارت پہلی بار 1959ء میں شائع ہوا۔ ابتدا میں تو اس کی اشاعت میں باقاعدگی رہی' مگر کچھ عرصہ بعد بے قاعدگی شروع ہوگئی جو اتنی بڑھی کہ یہ رسالہ بند ہوگیا۔ اس کا اجراءِ ثانی 1966ء میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی زیر ادارت ہوا' جو پہلے ان کے ذاتی ادارے ''دارالاشاعت الاسلامیہ'' کے زیرانتظام اور پھر 1972ء سے مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ ماہنامہ میثاق کی حیثیت تنظیم اسلامی کے ترجمان کی ہے۔

گزشتہ پچاس سال کے دوران ماہنامہ میثاق میں صدر مؤسس انجمن وبانی تنظیم اسلامی کے سینکڑوں خطابات کو ترتیب وتسوید کے بعد شائع کیا گیا۔ نیز مضامین کے بہت سے سلسلے شائع ہوئے جنہیں بعد میں کتابی شکل دی گئی۔ مثلاً ''منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ'' پر ڈاکٹر صاحبؒ کے سلسلہ وار خطاباتِ جمعہ شیخ جمیل الرحمٰن رحمہ اللہ کی ترتیب وتسوید کے ساتھ پہلے میثاق میں چھپتے رہے' پھر انہیں کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ گزشتہ دہائی میں ''اربعین نوویؒ'' پر ڈاکٹر صاحبؒ کے خطاباتِ جمعہ کو اوّلاً میثاق میں سلسلہ وار اور بعدازاں ساڑھے آٹھ سو صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اسی طرح ''اسلام کے نظامِ حیات'' کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کے طویل خطابات کو اوّلاً میثاق میں اور پھر کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔

اس دوران میثاق کی بہت سی خصوصی اشاعتیں بھی مرتّب کی گئیں۔ نومبر 2009ء میں ماہنامہ میثاق کی اشاعت کے پچاس سال مکمل ہونے پر 220 صفحات کی' جبکہ محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے انتقالِ پُرملال پر مئی 2010ء میں 192 صفحات پر مشتمل خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔

ماہنامہ میثاق میں ''بیان القرآن'' کی سلسلہ وار اشاعت سال ہا سال سے جاری ہے۔ دسمبر 2022ء کے شمارہ میں سورۃ القلم شائع کی گئی ہے۔

حکمتِ قرآن: ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی زیر نگرانی آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کے زیراہتمام

’’حکمتِ قرآن‘‘ کے نام سے ایک ماہانہ علمی مجلہ شائع ہوتا تھا‘ جو اُن کے انتقال کے بعد بند ہو گیا۔ کانگریس کے اربابِ اختیار کی رضامندی سے مئی 1982ء میں اس کی دوبارہ اشاعت مرکزی انجمن کے زیر اہتمام شروع ہوئی جو گزشتہ چالیس سال سے دعوت رجوع الی القرآن کے نقیب کے طور پر تسلسل اور باقاعدگی سے جاری ہے۔ جنوری 2008ء سے ’’حکمت قرآن‘‘ سہ ماہی مجلّے کی حیثیت سے شائع ہو رہا ہے۔

ماضی میں اس رسالہ میں قرآن کانفرنسوں اور محاضراتِ قرآنی میں پیش کیے گئے علمی مضامین اور مقالات بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیے گئے۔ آج خالص علمی اور تحقیقی نوعیت کے مضامین اس مجلّہ کی زینت بنتے ہیں۔

محترم صدر مؤسس کے انگریزی دورۂ ترجمۂ قرآن (Message of the Quran)‘ حافظ احمد یار صاحبؒ کے افادات پر مشتمل لطف الرحمٰن خانؒ کے مرتّب کردہ ’’ترجمہ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح‘‘، ڈاکٹر صہیب حسن صاحب کی عربی سے ترجمہ کردہ ’’ملاک التاویل‘‘ اور عزیزم مؤمن محمود کے ’’مباحثِ عقیدہ‘‘ پر مشتمل خطابات کی سلسلہ وار اشاعت جاری ہے۔ اکتوبر / نومبر 1997ء کے مشترکہ شمارے میں مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کی سرگرمیوں کی 25 سالہ رپورٹ شائع کی گئی تھی اور زیر نظر شمارہ میں انجمن کی 50 سالہ رپورٹ ہدیہ قارئین ہے۔

گزشتہ چالیس سال کے دوران حکمت قرآن میں بہت سے علمی مضامین سلسلہ وار شائع کیے گئے۔ جیسا کہ:

☆ محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن ’’بیان القرآن‘‘ کو مرتّب کر کے اس کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز حکمتِ قرآن میں جنوری 2006ء سے کیا گیا تھا‘ جسے بعد ازاں ماہنامہ میثاق میں منتقل کر دیا گیا جو اب تک جاری ہے۔

☆ 2005ء کے دوران ’’تعارفِ قرآن‘‘ ترتیب وتسوید کے ساتھ سلسلہ وار شائع کیا گیا۔

☆ جولائی 1985ء سے جون 1991ء تک مولانا محمد تقی امینیؒ کی غیر مطبوعہ تفسیر ’’ہدایت القرآن‘‘ سلسلہ وار شائع کی جاتی رہی۔

☆ الاستاذ حافظ احمد یار صاحب رحمہ اللہ کی انتہائی علمی اور مبسوط کاوش ’’لغات واعرابِ قرآن‘‘ کی اشاعت جنوری 1989ء سے جولائی 1998ء تک تسلسل کے ساتھ جاری رہی اور سورۃ البقرۃ کی آیت 110 تک پہنچ پائی۔

حکمتِ قرآن میں شائع ہونے والے بعض سلسلہ ہائے مضامین کو کتابی صورت میں بھی شائع کیا گیا۔ مثلاً:

☆ 1977ء کے رمضان المبارک میں ریڈیو پاکستان لاہور سے محترم ڈاکٹر صاحبؒ کی نشر شدہ پندرہ تقاریر (سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الکہف) کی حکمتِ قرآن میں سلسلہ وار اشاعت ہوئی‘ جو ایک عرصہ تک ’’قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ‘‘ کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوتی رہیں۔ بعد ازاں 1999ء کے رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کے دوران بیان کردہ ’’خلاصہ مضامین قرآن‘‘ کی ترتیب وتسوید کر کے سہ ماہی حکمتِ قرآن میں قسط وار شائع کیا جاتا رہا‘ جس کی تکمیل پر اسے کتابی صورت (سورۃ

مریم تا الناس) دے دی گئی۔ بعد ازاں 2019ء میں دونوں حصوں کو یکجا کر کے ''قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اِجمالی تجزیہ'' مکمل صورت میں شائع کیا گیا۔

☆ 2013ء کے پہلے شمارہ سے ''تحریک استشراق: ایک تعارف'' (از قلم ڈاکٹر حافظ محمد زبیر صاحب) کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کیا گیا جس میں مختلف مستشرقین کا تعارف' اُن کے نظریات اور پھر اُن پر جرح وتنقید کو موضوعِ بحث بنایا گیا۔

ندائے خلافت: اس ہفت روزہ کا آغاز محترم اقتدار احمدؒ نے 1988ء میں ذاتی حیثیت سے ''ندا'' کے نام سے کیا تھا' جو 1991ء سے تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی سے شائع ہونے لگا۔ 1993ء میں اس نے ''ندائے خلافت'' کے نام سے تحریک خلافتِ پاکستان کے نقیب کی حیثیت اختیار کر لی۔ بعد ازاں یہ ہفت روزہ سے پندرہ روزہ ہو گیا۔ اقتدار احمد صاحب کی علالت کی وجہ سے اپریل 1995ء میں اس کی اشاعت وقتی طور پر معطل ہوگئی۔ ان کے انتقال کے تین ماہ بعد جولائی 1995ء سے حافظ عاکف سعید صاحب کی ادارت میں یہ رسالہ دوبارہ شائع ہونا شروع ہوا۔ مئی 1997ء سے ندائے خلافت کو پھر سے ''ہفت روزہ'' کی حیثیت دے دی گئی۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انتقال سے ایک سال قبل ماہِ ربیع الاوّل و ربیع الثانی کے دوران ''سیرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان سے پانچ مفصّل خطابات ارشاد فرمائے تھے جنہیں مرتّب کر کے 2011ء کے دوران ''ندائے خلافت'' میں شائع کیا گیا۔ بعد ازاں اسی عنوان سے اس کو کتابی شکل دے دی گئی۔

2012ء کے شمارہ 18 سے ''مسلم ہیروز'' کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا جس میں تاریخ اسلام کی نامور شخصیات کے بارے میں تحریریں شائع کی گئیں۔ یہ سلسلہ 2013 کے شمارہ 47 پر اختتام پذیر ہوا۔

ندائے خلافت کی اشاعت الحمد للہ باقاعدگی سے جاری ہے۔ ان 35 سال کے دوران وقتاً فوقتاً اور موقع کی مناسبت سے اس کے خصوصی شمارے بھی شائع ہوتے رہے' جن میں دسمبر 1996ء میں سقوطِ مشرقی پاکستان نمبر کے علاوہ:

(1)	فلسطین نمبر	2002ء	(2)	پیام اقبال بنام نوجوانان ملت (اقبال نمبر)	2002ء
(3)	عراق نمبر	2003ء	(4)	نظریہ پاکستان نمبر	2003ء
(5)	مسئلہ کشمیر نمبر	2004ء	(6)	تحریک پاکستان نمبر	2005ء
(7)	خواتین نمبر	2005ء	(8)	تحفظ حقوق نسواں نمبر	2006ء
(9)	استحکامِ پاکستان نمبر	2007ء	(10)	دعوت دین نمبر	2007ء

اور دسمبر 2015ء میں حرمتِ سود نمبر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تینوں جرائد کا تحریری مواد تنظیم کی ویب سائٹ کے لیے شعبہ سمع و بصر کو مہیّا کیا جاتا ہے۔ ''تنظیم ڈیجیٹل لائبریری'' پر تینوں جرائد کو یونیکوڈ فارمیٹ میں (سرچ کی سہولت کے ساتھ) شعبہ مطبوعات خود اپ لوڈ کرتا ہے۔

اشاعتِ کتب

مکتبہ خدّام القرآن کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی جملہ کتب (نئی یا پرانی) کی تیاری اور ان کی اشاعت کی تمام تر ذِمہ داری بھی اسی شعبے پر ہے۔ چنانچہ شعبہ مطبوعات:

☆ نئی کتابوں کی ترتیب وتدوین‘ ان میں شامل قرآنی آیات اور احادیث کے متون‘ تراجم اور حوالہ جات کی صحت کے اہتمام‘

☆ پرانی کتابوں کی حسبِ ضرورت نظر ثانی اور ایڈیٹنگ کے بعد نئی کمپوزنگ اور نئے ایڈیشنز کی اشاعت کے وقت ان کی اغلاط کی ممکنہ تصحیح کے بعد‘ ان کے نئے دیدہ زیب سرورق بنانے

جیسے جملہ امور بحسن وخوبی انجام دے رہا ہے۔

اس وقت شعبہ مطبوعات کے زیرِ اہتمام 200 سے زائد کتب شائع ہو رہی ہیں۔ گزشتہ چند سال کے دوران سامنے آنے والی چند اہم کتابوں کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

بیانُ القرآن: شعبہ مطبوعات کا سب سے اہم تالیفی اور طباعتی کام داعی رجوع الی القرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن پر مشتمل ’’بیان القرآن‘‘ (ترجمہ مع مختصر تشریح) کی اشاعت ہے‘ جسے ہماری تحریک کے ایک انتہائی اہم سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ دراصل ڈاکٹر صاحبؒ کے مشن اور اس کی ترویج میں جو مرکزیت قرآن کریم کو حاصل ہے بعینہٖ وہی مرکزی اور امتیازی حیثیت ہماری مطبوعات میں ’’بیان القرآن‘‘ کی ہے۔

مدیر شعبہ حافظ خالد محمود خضر نے اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق طلب کرتے ہوئے چند سال قبل ’’بیان القرآن‘‘ کو کتابی صورت میں مرتّب کرنے کے عظیم اور کٹھن کام کا بیڑا ایک مشن کے طور پر اٹھایا۔ پہلے ’’تعارفِ قرآن‘‘ اور پھر سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی ترتیب وتدوین‘ تخریج احادیث کے اضافے کے ساتھ مکمل کی‘ جسے ڈاکٹر صاحبؒ کی حیاتِ مستعار ہی میں 2008ء میں ’’بیان القرآن‘‘ (حصہ اوّل) کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس کی غیر معمولی مقبولیت اور پذیرائی نے ڈاکٹر صاحبؒ کو اس کے بقیہ کام کے بارے میں ایک خوشگوار اضطراب کی سی کیفیت سے دوچار کر دیا تھا۔

اس کے بعد ترتیب وتسوید اور تبییض وتدوین کے اس کام میں لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین صاحب (ایجوکیشن کور) جیسی علمی وادبی شخصیت کی رفاقت میسّر آ گئی‘ جنہوں نے خالصتاً رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر انتہائی ذوق وشوق‘ جُہدِ مسلسل اور کمال مہارت سے (بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ) اس پہاڑ جیسے کام کی تکمیل تک معاونت کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بھرپور جزائے خیر عطا فرمائے! ’’بیان القرآن‘‘ کی ترتیب وتسوید کا بالکل ابتدائی کام یعنی اسے کیسٹ سے سن کر صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا تنظیم اسلامی کے حلقہ خواتین نے سرانجام دیا تھا‘ جس پر ہماری یہ بہنیں بجا طور پر تشکّر وتحسین اور دعائے خیر کی مستحق ہیں۔

’’بیان القرآن‘‘ کا سال بہ سال ایک حصّہ منصۂ شہود پر آتا رہا‘ تاآنکہ جون 2015ء کے آغاز میں یہ دِقت

طلب کام سات حصّوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ’’بیان القرآن‘‘ کو علمی اور دینی حلقوں میں بحمدِ اللہ خاصی پذیرائی حاصل ہوئی اور اس کے ہر سال دو تین ایڈیشن شائع ہونے لگے۔ رمضان المبارک 2017ء کے موقع پر بیان القرآن کا ’’عوامی ایڈیشن‘‘ بھی وسیع پیمانے پر شائع کر کے گفٹ پیک کے طور پر انتہائی کم قیمت پر قارئین کے لیے پیش کیا گیا۔

’’بیان القرآن‘‘ کی کتابی صورت میں تکمیل کے بعد مدیر شعبہ کی خواہش تھی کہ چھوٹے بڑے سات حصوں کے بجائے ایک نئی ترتیب و تقسیم کے ساتھ اسے تقریباً برابر ضخامت کی چار جلدوں میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ رمضان المبارک 2021ء میں ’’بیان القرآن‘‘ طبع جدید پیش کیا گیا‘ جو اپنے معنوی محاسن کے ساتھ ساتھ متعدد ظاہری خوبیوں کا بھی حامل ہے‘ مثلاً: قرآنی رسم الخط کا استعمال‘ تفسیری سائز‘ مضبوط مراکو جلد‘ وغیرہ۔ اس نئے ایڈیشن کی تیاری میں جدید کمپیوٹر سافٹ ویئر ’’قرآن پبلشنگ سسٹم‘‘ استعمال کیا گیا۔ اس موقع پر ’’بیان القرآن‘‘ کی ازسرِ نو خواندگی کا بھی اہتمام کیا گیا اور چند اغلاط یا تسامحات کی تصحیح کی گئی۔ قرآنِ حکیم کے متن کی پروف ریڈنگ محکمہ اوقاف کے رجسٹرڈ پروف ریڈر سے بھی کرائی گئی۔ اس طبع جدید کو الحمد للہ بہت پذیرائی ملی اور دو سال کے دوران اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ واضح رہے کہ طبع جدید کے ایک ایڈیشن میں 2200 سیٹ جبکہ سات حصوں پر مشتمل ’’بیان القرآن‘‘ کے ایک ایڈیشن میں 1100 سیٹ شائع کیے جاتے ہیں۔

’’بیانُ القرآن‘‘ کی غیر معمولی مقبولیت کی بنا پر اسے پاکستان اور بھارت کے بہت سے ناشران بھی بڑے پیمانے پر شائع کر رہے ہیں۔ لاہور کے دو پبلشرز تو اسے مرکزی انجمن سے باقاعدہ معاہدہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں جب کہ متعدد پبلشرز اس کے pirated ایڈیشن شائع کر رہے ہیں۔

ترجمہ قرآن مع مختصر حواشی: علمی اور تحریکی حلقوں کے علاوہ عوامی سطح پر ’’بیان القرآن‘‘ کی مقبولیت اور پذیرائی کے پیش نظر یہ بات شدّت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ اس کے ترجمہ اور مختصر حواشی کے ساتھ ایک جلد پر مشتمل مصحف تیار کیا جائے۔ یہ کام اگرچہ لاہور کے ایک معروف پبلشر شعبہ مطبوعات کے تعاون سے پہلے ہی کر چکے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے نام سے ’’آسان ترجمہ قرآن‘‘ بڑے پیمانے پر شائع کر رہے ہیں‘ لیکن اس میں ’’بیان القرآن‘‘ سے تفسیری حواشی کا انتخاب ایک مستند مفتی صاحب نے کیا ہے جو ڈاکٹر صاحب کے انقلابی فکر سے نابلد ہیں۔ چنانچہ اس میں قرآن کا اصل انقلابی پیغام قاری کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ بنا بریں ہمارے شعبہ مطبوعات میں اس مجوزہ ترجمہ قرآن کی تیاری کا کام شروع کر دیا گیا ہے اور اس کے لیے ’’بیان القرآن‘‘ سے تفسیری حواشی کا انتخاب مرکز تنظیم اسلامی سے موصول ہو گیا ہے۔ یہ مصحف‘ ان شاء اللہ‘ آئندہ رمضان المبارک (2024ء) سے قبل منصۂ شہود پر آ جائے گا۔

مزید برآں چلڈرن قرآن سوسائٹی لاہور نے شعبہ مطبوعات کی معاونت سے ڈاکٹر صاحبؒ کے اردو ترجمہ قرآن اور ’’صحیح انٹرنیشنل‘‘ کے انگریزی ترجمہ قرآن کے ساتھ مصحف کی تیاری کا کام شروع کر رکھا ہے‘ جو دو تہائی کے قریب مکمل ہو گیا ہے۔

قرآن حکیم اور ہم: قرآن حکیم سے متعلق ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ آٹھ کتابوں/کتابچوں کو یکجا کر کے 2012ء میں ’’قرآن حکیم اور ہم‘‘ کے نام سے شائع کیا گیا: (۱) دنیا کی عظیم ترین نعمت: قرآن حکیم (۲) عظمتِ قرآن (۳) قرآن حکیم کی قوتِ تسخیر (۴) تعارفِ قرآن (۵) قرآن اور امنِ عالم (۶) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (۷) انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کے لیے قرآن کا لائحہ عمل (۸) جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ۔

رسول اکرم ﷺ اور ہم: سیرتِ رسول ﷺ سے متعلق ڈاکٹر صاحبؒ کی ان 9 کتابوں/کتابچوں کو یکجا کر کے 2014ء میں ’’رسولِ اکرم ﷺ اور ہم‘‘ کے نام سے شائع کیا گیا: (۱) عظمتِ مصطفیٰ ﷺ (۲) رسولِ کامل ﷺ (۳) نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت (۴) نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں (۵) اُسوۂ رسول ﷺ (۶) حُبِ رسول ﷺ اور اس کے تقاضے (۷) معراج النبی ﷺ (۸) رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب (۹) ختمِ نبوّت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے تقاضے۔

اربعینِ نووی: بانی تنظیم اسلامیؒ نے 08-2007ء کے دوران قرآن اکیڈمی لاہور کی جامع القرآن میں اپنے خطاباتِ جمعہ کے دوران ’’اربعین نوویؒ‘‘ کی احادیث کا سلسلہ وار مطالعہ کرایا۔ ان خطابات کو ایڈٹ کر کے اوّلاً میثاق میں شائع کیا گیا‘ جس کی تکمیل کے بعد 2016ء میں اسے یکجا کر کے دو جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب کی صورت میں پیش کیا گیا۔

منہجِ انقلابِ نبویؐ: ’’منہجِ انقلابِ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام‘‘ صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے کم وبیش گیارہ خطاباتِ جمعہ کا مجموعہ ہے جس میں انہوں نے سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلام کے فلسفۂ انقلاب کا اجمالی مطالعہ کرایا۔ ان خطابات کو پہلے میثاق میں شائع کیا گیا اور پھر جون 1987ء میں کتابی شکل دی گئی۔ اس کتاب کو بین الاقوامی سطح پر بھی بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور اب تک اس کے بیس سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ 2020ء میں اس کو نظر ثانی کے بعد نئی کمپیوٹر کمپوزنگ اور نئے گیٹ اَپ کے ساتھ شائع کیا گیا۔

دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر: اس کتاب کا شمار ڈاکٹر صاحبؒ کی اہم ترین کتابوں میں ہوتا ہے‘ جس میں دعوت رجوع الی القرآن کے منظر و پس منظر کو علمی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مقدمہ میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ’’یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے جن میں معنوی ترتیب کے علاوہ ایک تاریخی ترتیب بھی ہے۔ حصّہ اوّل میں میری وہ تحریر شامل ہے جو 1967ء میں سپردِ قلم کی گئی تھی۔ حصّہ دوم میری ان تحریروں پر مشتمل ہے جو 76-1975ء کے دوران مختلف اوقات میں ضبطِ تحریر میں آئیں اور حصّہ سوم میں وہ تحریر شامل ہے جو اوائل 1989ء میں مرتّب ہوئی۔‘‘ یہ کتاب مارچ 1990ء میں شائع ہوئی اور 2021ء میں اس کا جدید ایڈیشن سامنے آیا۔

خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام: داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ نے ستمبر 1991ء میں ’’تحریک خلافت پاکستان‘‘ کا آغاز کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے کیا۔ اس کے حوالے سے تحریری بیان ’’پاکستان میں نظام خلافت: کیا؟ کیوں اور کیسے؟‘‘ کے عنوان سے لاکھوں کی تعداد

میں طبع ہو کر تقسیم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پاکستان کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں ''خطباتِ خلافت'' کے عنوان سے مفصّل خطابات فرمائے۔ لاہور میں یہ خطابات جناح ہال میں ہوئے جنہیں 1996ء میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب کا شمار بھی ڈاکٹر صاحب کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے' جس کے اب تک متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب: داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے 1966ء کے دوران لاہور میں درسِ قرآن کے حلقوں کا آغاز کیا اور مسلمانوں کو اُن کی دینی ذمہ داریاں یاد کرانے کی خاطر ''مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب'' مرتّب کیا تھا' جو چھ حصوں پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اس جامع نصابِ قرآنی کے متعدد بار مفصّل اور مختصر دروس دیے۔ ان میں سے ایک سلسلہ دروس کی حافظ عاکف سعید صاحب نے تدوین کر کے میثاق میں شائع کیا۔ پھر ان دروس کو الگ الگ 24 کتابچوں کی شکل میں شائع کیا گیا' جو اِس منتخب نصاب کے پانچ حصّوں پر محیط ہیں۔ حصّہ ششم سورۃ الحدید پر مشتمل ہے' جسے حافظ خالد محمود خضر نے مدون کیا ہے اور یہ ایک ضخیم کتاب کی صورت میں شائع ہوتا ہے۔ انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی نے ان تمام دروس کو یکجا کر کے دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ''بیان القرآن'' کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کو سب سے زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔

اسلام کا نظامِ حیات: ''اسلام کا نظامِ حیات'' صدرِ مؤسس انجمن اور بانی تنظیم کے لیے خصوصی دلچسپی کا موضوع تھا اور انہوں نے اس کے مختلف گوشوں پر متعدد بار اظہارِ خیال فرمایا۔ تقریباً تیس برس پہلے ڈاکٹر صاحبؒ نے اس حوالے سے مربوط و تفصیلی سلسلۂ خطابات ارشاد فرمایا۔ 2010ء میں ان پانچ خطابات کو میثاق کے صفحات کی زینت بنایا گیا اور 2022ء میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔

خطباتِ ڈاکٹر اسرار احمد علیہ الرحمۃ (حصّہ اوّل): اس کتاب میں ڈاکٹر صاحبؒ کے منتخب خطابات کو ترتیب دے کر ایک خوبصورت گلدستہ کی شکل میں ہدیۂ قارئین کیا گیا ہے' جس میں دانش و حکمت کا بڑا خزانہ پوشیدہ ہے۔ اس میں دجالیت کے آفاقی اور زمینی مظاہر' عالمِ اسلام پر یہود و نصاریٰ کی سازشیں' پاکستان کا مستقبل' قرآن و سُنّت کا باہمی تعلق' وحدتِ ادیان کا باطل تصوّر' قرآن حکیم اور جہاد فی سبیل اللہ' دین و مذہب میں فرق اور سیکولرازم کی اصل حقیقت' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت منتظم' جاں نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و رضی اللہ عنہم' قرآن حکیم کی دعائیں اور دیگر اہم موضوعات شامل ہیں۔

فرمودات ڈاکٹر اسرار احمد علیہ الرحمۃ: اس کتاب میں اقتباسات کی صورت میں انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ ایسا مواد جمع کر دیا گیا ہے جس میں ڈاکٹر صاحبؒ کی پوری فکر سموئی گئی ہے۔ عنوانات حروفِ تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیے گئے ہیں' جو قاری کے لیے سہولت کا باعث ہے۔ عنوانات کی کُل تعداد 71 ہے' جس میں فکری' اخلاقی' معاشی' معاشرتی اور سیاسی موضوعات کے حوالے سے خوبصورت' مختصر مگر جامع اور سدا بہار نگارشات موجود ہیں۔

جُدا ہو دیں سیاست سے.....!: یہ کتاب ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے اُن سیاسی تجزیوں اور حالاتِ حاضرہ پر تبصروں پر مشتمل ہے جو مارچ ۱۹۷۴ء سے نومبر ۱۹۸۴ء کے دوران ماہنامہ ’’میثاق‘‘ میں تذکرہ وتبصرہ‘ تصریحات وتوضیحات اور خطباتِ جمعہ کے طور پر شائع ہوئے۔

رمضان‘ قرآن اور مسلمانانِ پاکستان: یہ کتاب ڈاکٹر صاحب مرحوم کے چند خطابات پر مشتمل ہے جن میں رمضان المبارک اور قرآن حکیم کے باہمی تعلق کے بیان کے ساتھ قرآن حکیم میں خاص طور پر مسلمانانِ پاکستان کی عملی راہنمائی کی طرف جو اشارہ ملتا ہے اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

مرکزی انجمن کی سالانہ رپورٹ: مرکزی انجمن خدام القرآن کے قیام سے اب تک ہر سالانہ اجلاس سے قبل مرکزی انجمن کی سالانہ رپورٹ تیار کرنے کی ذمہ داری بھی شعبہ مطبوعات ادا کر رہا ہے۔

پیش نظر رپورٹ میں شعبہ مطبوعات کے زیر اہتمام شائع ہونے والی صرف چندایک کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے‘ ورنہ جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا گیا‘ اب تک شعبہ مطبوعات دو سو سے زائد کتب شائع کر چکا ہے اور الحمدللہ یہ سلسلہ ترقی پذیر ہے۔ نئی کتابوں کے علاوہ ہر سال مکتبہ خدام القرآن کی ڈیمانڈ کے مطابق بیسیوں کتب کے نئے ایڈیشن شائع کیے جاتے ہیں اور حسبِ ضرورت مختلف حوالوں سے انہیں جدید سے جدید تر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دیگر اہم ذمہ داریاں

شعبہ مطبوعات کے کمپوزنگ اور ڈیزائننگ سیکشن کی ذمہ داری سہ ماہی حکمتِ قرآن‘ ماہنامہ میثاق‘ ہفت روزہ ندائے خلافت‘ مکتبہ انجمن کے تحت شائع ہونے والی جملہ کتب اور اشتہارات وغیرہ کی کمپیوٹر کمپوزنگ اور ڈیزائننگ ہے۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ قرآن اکیڈمی میں اس سیکشن کو ہمیشہ سے ’’مرجع خلائق‘‘ کی حیثیت حاصل ہے اور قرآن اکیڈمی کے دوسرے تمام شعبہ جات ہمارے کمپوزنگ سیکشن کے تجربہ کار سٹاف ہی کی مہارت سے استفادہ کرتے ہیں۔ کتب وجرائد کے سرورق (Titles) اور اشتہارات وغیرہ کی ڈیزائننگ کا کام بھی کسی حد تک یہیں انجام پاتا ہے۔ قرآن کالج کے مختلف اشتہارات‘ پراسپکٹس اور داخلہ فارم وغیرہ کی تیاری کا اکثر کام بھی اسی شعبہ میں سرانجام دیا جاتا ہے۔ مزید برآں تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع اور مختلف مقامات پر لگائے جانے والے مکتبہ خدام القرآن کے سٹالز کے لیے بنائے جانے والے فلیکس اور اشتہارات‘ مختلف مواقع پر حسبِ ضرورت شائع ہونے والے بروشرز‘ ہینڈ بلز اور کتابوں کی تشہیر کے لیے بننے والے اشتہارات کی ڈیزائننگ کا اکثر کام بھی شعبہ مطبوعات کا یہی سیکشن سرانجام دیتا ہے۔

علاوہ ازیں کتابوں کی طباعت سے قبل ISBN حاصل کرنا‘ طباعت کے وقت ان پر بارکوڈ لگانا‘ اور اس طرح کے اور بہت سے کام یہی شعبہ سرانجام دیتا ہے۔ شعبہ مطبوعات دیگر شعبہ جات خصوصاً شعبہ نشرواشاعت کی معاونت کے علاوہ مستفتی حضرات کو فقہی امور میں بھی مقدور بھر راہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔

❁❁❁

(2) شعبہ تحقیق وتدریس

بحمد اللہ‘ خدمتِ قرآنی کے ضمن میں مرکزی انجمن خدام القرآن اور صدر مؤسس‘ محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی مساعی کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا اور محدود وسائل سے شروع ہونے والا ادارہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک تناور درخت بن گیا۔ کام کا حجم بڑھنے کے ساتھ نئے نئے شعبے وجود میں آتے گئے اور اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی گئی کہ علمی و تحقیقی کام کے لئے علیحدہ سے ایک شعبہ تشکیل دیا جائے‘ لہٰذا اپریل 2003ء میں اس شعبہ کا قیام عمل میں آیا۔ روزِ اول سے آج تک محترم حافظ عاطف وحید صاحب کی نگرانی میں یہ شعبہ اپنی خدمات بحسن و خوبی سرانجام دے رہا ہے۔

دیگر کئی شعبہ جات کے جملہ انتظامی وتدریسی معاملات کے ساتھ ساتھ درج ذیل اہم کورسز کی نگرانی کی ذمہ داری بھی شعبہ تحقیق اسلامی کے کندھوں پر ہے:

(1) رجوع الی القرآن کورس (2) فہم دین کورس (3) تعلیم الاسلام کورس

رجوع الی القرآن کورس

اس کورس کا مکمل دورانیہ دو سال ہے اور اس کا اصل و بنیادی مقصد دنیاوی تعلیم کے حامل خواتین وحضرات کو دین اسلام اور قرآن مجید کے بنیادی علوم کا فہم دینا ہے۔

سالِ اوّل (نو ماہ) میں عربی گرامر (صرف ونحو)‘ تجوید‘ ترجمہ قرآن‘ سیرت النبی ﷺ‘ شمائل النبی ﷺ‘ قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی‘ تحریکی لٹریچر‘ اصطلاحاتِ حدیث ومطالعہ حدیث‘ فکرِ اقبال‘ فقہ العبادات اور اسلام کی معاشی تعلیمات سے طالب علم کو روشناس کرا دیا جاتا ہے۔

سالِ دوم میں طلبہ کو عربی زبان وادب‘ اصولِ تفسیر وتفسیر القرآن‘ اصولِ حدیث ودروس حدیث‘ اصول الفقہ وفقہ المعاملات اور عقیدہ طحاویہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔

اس کورس سے نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر سے لوگ استفادہ کر رہے ہیں اور اس (ایک سالہ یا دو سالہ) کورس کو مکمل کرنے کے بعد کئی طلبہ نے اس کورس کی مدد سے یا اس کورس کے ذریعے پیدا ہوئے ذوق وشوق کی وجہ سے علوم اسلامیہ اور علومِ قرآنیہ میں ایم اے‘ ایم فل اور پی ایچ ڈی کر رہے ہیں بلکہ ایک آئیڈیل مدرس کی ذمہ داریاں بھی نبھا رہے ہیں۔ چند ایک تو بحمد اللہ مشہور دینی وعلمی شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

ذیل میں اس کورس کی گزشتہ پچیس سال (یعنی 98-1997ء سے 22-2021ء تک) کی کارکردگی ملاحظہ ہو:

رجوع الی القرآن کورس (سال اوّل و دوم)					
پاس آؤٹ سال دوم	تعداد طلبہ وطالبات سال دوم	پاس آؤٹ سال اول	تعداد طلبہ وطالبات سالِ اوّل	سال	نمبر شمار
—	—	35	45	1997-98	1
—	—	31	38	1998-99	2
—	—	40	45	1999-2000	3
—	—	24	35	2000-01	4
—	—	17	24	2001-02	5
—	—	32	55	2002-03	6
—	—	51	76	2003-04	7
—	—	51	78	2004-05	8
—	—	50	60	2005-06	9
15	18	44	60	2006-07	10
5	9	30	50	2007-08	11
12	15	30	56	2008-09	12
10	11	40	45	2009-10	13
15	18	46	57	2010-11	14
8	12	17	39	2011-12	15
11	12	29	56	2012-13	16
6	11	21	36	2013-14	17
13	16	50	80	2014-15	18
12	12	32	80	2015-16	19
8	12	57	90	2016-17	20
13	18	59	90	2017-18	21
12	20	67	105	2018-19	22
15	20	45	71	2019-20	23
10	14	38	78	2020-21	24
10	14	76	96	2021-22	25

فہم دین کورس

وہ حضرات جنہیں دن میں وقت کی قلت کا سامنا ہے ان کے لئے 2005-06ء میں ’’فہم دین‘‘ کے نام سے ایک کورس شروع کیا گیا جس میں دو ماڈیولز میں کورس کروایا جاتا ہے جس کا دورانیہ چار ماہ ہے۔ اس میں تقریباً رجوع اِلی القرآن کورس کی بنسبت ذرا مختصر لیکن انتہائی اہم سلیبس شامل ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس

کی اہمیت بڑھتی گئی اور 2019ء میں بوجہ کرونا اسے آن لائن کر دیا گیا اور اب دنیا بھر سے لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اب اس کورس کی تمام کلاسز بیک وقت آن لائن اور ان کیمپس ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ طلبہ جو کسی بھی وجہ سے دونوں کلاسز میں شامل نہیں ہو پاتے تو انہیں یوٹیوب پر ایک لنک کے ذریعہ ریکارڈنگ فراہم کر دی جاتی ہے۔ یہ یوٹیوب لنک عوامی نہیں بلکہ صرف طلبہ کے لیے مخصوص ہے۔

رواں سال یعنی 2023ء سے فہم دین کے پلیٹ فارم سے ایک اور کلاس کا آغاز کیا گیا ہے جس میں ماڈیول 2 کے پچھلے سالوں کے فارغ التحصیل طلبہ شامل ہیں۔ اس کلاس میں طلبہ کی استعداد کو مزید بڑھانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کے شرکاء کی تعداد 25 ہے۔

گزشتہ سترہ سال یعنی 06-2005ء تا 22-2021ء اس کورس کی کارکردگی کچھ اس طرح ہے:

فہم دین کورس (ماڈیول 1 و 2)

نمبر شمار	سال	تعداد طلبہ ماڈیول 1 (عصر تا مغرب)	پاس آؤٹ ماڈیول 1	تعداد طلبہ ماڈیول 2 (مغرب تا عشاء)	پاس آؤٹ ماڈیول 2
1	2005-06	60	15	------	------
2	2006-07	54	12	15	4
3	2007-08	45	15	15	------
4	2008-09	50	20	15	15
5	2009-10	32	15	15	6
6	2010-11	60	18	18	10
7	2011-12	45	16	12	12
8	2012-13	56	22	20	16
9	2013-14	45	16	13	8
10	2014-15	55	14	14	12
11	2015-16	20	7	22	15
12	2016-17	23	8	18	15
13	2017-18	60	20	15	4
14	2018-19	40	23	10	6
15	2019-20	90	25 آن لائن 25 کلاس میں	40	15
16	2020-21	50	20	15	8
17	2021-22	30	25	20	8

تعلیم الاسلام کورس

15 ستمبر 2020ء سے میٹرک پاس طلبہ کے لیے اس کورس کا آغاز ہوا۔شروع میں اس کا ماڈیول 1 شروع کیا گیا جو صرف طلبہ کے لیے تھا' بعد ازاں جنوری 2022ء سے کچھ شرائط کے ساتھ طالبات کو بھی داخلہ لینے کی اجازت دے دی گئی۔اس کورس میں دروس اللغۃ العربیہ (حصہ اول) تجوید اور قرآن مجید کے چیدہ چیدہ مقامات کا ترجمہ پڑھایا جاتا ہے۔ان کے علاوہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتب (1) قرآن حکیم اور ہماری ذمہ داریاں' (2) نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں' (3) فرائضِ دینی کا جامع تصور اور (4) دین اسلام کا جامع تصور' کا تفصیلی مطالعہ بھی کروایا جاتا ہے۔

جون 2021ء سے تعلیم الاسلام ماڈیول 2 کا آغاز ہوا' جس میں آسان عربی گرامر (حصہ دوم)' دروس اللغۃ العربیہ (حصہ دوم)' قرآن مجید کا منتخب نصاب (ابتدائی اسباق)' مطالعہ حدیث اور قرآن مجید کے چیدہ چیدہ مقامات کا ترجمہ پڑھایا جاتا ہے۔

2020ء سے تا حال اس کورس کی کارکردگی کچھ اس طرح ہے:

تعلیم الاسلام (ماڈیول 1و2)					
نمبر شمار	سال	تعداد طلبہ ماڈیول 1	پاس آؤٹ ماڈیول 1	تعداد طلبہ ماڈیول 2	پاس آؤٹ ماڈیول 2
1	ستمبر 2020	30	11	—	—
2	جون 2021	25	17	12	5
3	جنوری 2022	27	19	—	—
4	جون 2022	40	7	—	—
5	اکتوبر 2022	23	جاری ہے	30	جاری ہے

قرآن اکیڈمی لائبریری

قرآن اکیڈمی لائبریری کا قیام اگرچہ اکیڈمی کے قیام کے ساتھ ہی عمل میں آ گیا تھا تاہم اسے عملاً لائبریری کی حقیقی صورت 1986ء میں اس وقت ملی جب جامع القرآن کے نیچے تہ خانے کا بڑا ہال لائبریری کے لئے مختص کر کے اس میں کتابوں کے لئے الماریاں تیار کروائی گئیں اور لائبریری وہاں منتقل کی گئی۔

☆ **کتب:** لائبریری کے مجموعۂ کتب کا بنیادی اثاثہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ اور ڈاکٹر شیر بہادر پنی مرحوم کے عطیات پر مشتمل ہے۔تاہم کتب کی بڑی تعداد بازار سے بھی خریدی گئیں۔ اس کے علاوہ تنظیم کے رفقا کی طرف سے بہت اہم کتب لائبریری کو عطیہ کی گئیں۔ 2007ء میں تقریباً ایک لاکھ مالیت کی کتب ریسرچ کے نقطۂ نگاہ سے خصوصی طور پر بازار سے خریدی گئیں۔محترم حافظ احمد یارؒ کے بیٹے جناب ڈاکٹر نعم العبد صاحب نے حافظ احمد یارؒ کی ذاتی لائبریری کی تقریباً 1600 کتب اور اس کے علاوہ رسائل و جرائد قرآن اکیڈمی لائبریری کو عطیہ کیں۔

لائبریری میں موجود کتب کی تعداد تقریباً 14500 ہے۔ محترم حافظ احمد یارؒ کی ذاتی لائبریری کی کتب کی عطیہ کی گئی کتب کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

☆ **درجہ بندی اور کیٹلاگنگ:** کتب کی باقاعدہ درجہ بندی [Classification] اور فہرست سازی [Cataloguing] کی جاتی ہے، کیٹلاگنگ کارڈ بھی بنائے جاتے ہیں۔ چنانچہ لائبریری کی جملہ اردو، عربی اور انگریزی کتب کو درجہ بندی کی ترتیب کے مطابق رکھا گیا ہے اور اس اعتبار سے قرآن اکیڈمی لائبریری ایک مرتب [arranged] اور classified لائبریری کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ لائبریری کو 2023ء سے جدید تقاضوں اور وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے لائبریری کو manual سے اپ گریڈ کر کے Computerised کر دیا گیا ہے۔ یعنی تمام کتب کو software کی مدد سے کمپیوٹر میں enter کر دیا گیا ہے۔

☆ **رسائل و جرائد:** لائبریری میں کثیر تعداد میں رسائل و جرائد موصول ہوتے ہیں۔ جن میں سہ روزہ، ماہنامہ، دوماہی، ششماہی اور سالنامے و دیگر رسائل و جرائد شامل ہیں۔ یہ رسائل مذہبی، سیاسی، معاشرتی، سماجی اور دیگر موجودہ سیاسی موضوعات اور عوامی مسائل پر مشتمل ہوتے ہیں۔ بیشتر رسائل و جرائد میثاق، ندائے خلافت اور حکمت قرآن کے تبادلے میں آتے ہیں۔ ان تمام رسائل کا ریکارڈ محفوظ کیا جاتا ہے۔

☆ **اجراء کتب:** قرآن اکیڈمی لائبریری کے لئے محدود سکیل پر ممبر شپ بھی جاری کی جاتی ہے۔ اساتذہ، سٹاف اور رجوع الی القرآن کے طلبہ کو کتب جاری کی جاتی ہیں۔ لائبریری ممبران کی تعداد 68 ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حضرات کی ایک کثیر تعداد لائبریری میں بیٹھ کر کتب، رسائل و جرائد اور اخبارات سے استفادہ کرتی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے علاوہ دیگر یونیورسٹیز کے طلبہ بھی لائبریری سے استفادہ کرتے ہیں۔

☆ **اخبارات:** لائبریری میں کل 9 اخبارات آتے ہیں جن میں 6 اُردو اور 3 انگلش اخبارات ہیں۔ اردو اخبارات میں ایکسپریس، جنگ، اسلام، نوائے وقت، دنیا، 92 نیوز اور انگلش اخبارات میں ڈان، نیوز، نیشن، شامل ہیں۔

☆ **اخبارات کے تراشوں کی فائلنگ:** اخبارات میں شائع ہونے والے صدر انجمن، ڈائریکٹر اکیڈمی اور شعبہ نشر و اشاعت کے دوسرے ذمہ داران کے مضامین، بیانات، انٹرویوز، خطباتِ جمعہ کے پریس ریلیز، سیمینارز میں خطبات کی خبریں، تنظیم اسلامی کے متعلق خبریں، بیانات، مضامین، کالم، پریس ریلیز، پریس کانفرنسوں، جلسوں اور مظاہروں کی رپورٹس وغیرہ کو اخبارات سے کاٹ کر چسپاں کر کے فائل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اخباری اشتہارات کی فائل بھی بنائی جاتی ہے۔ مؤسس انجمن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی زندگی میں اخبارات میں شائع شدہ ان کے مضامین وغیرہ کی فائلیں لائبریری میں محفوظ ہیں۔

(3) قرآن کالج سے کلیۃ القرآن تک

(سفر اور خدمات)

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قائم کردہ ''قرآن کالج'' (کلیۃ القرآن) کی خدمات کو تین اَدوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا دور (1987ء تا 1990ء)

پہلا دور ابتدائی تین سالوں پر محیط ہے۔ 1987ء میں قرآن اکیڈمی کے ایک کلاس روم میں ایف اے پاس طلبہ کے لیے تین سالہ بی اے پروگرام شروع کیا گیا۔ اس میں ایک اضافی سال سے طلبہ میں انگریزی اور عربی کی بہتر استعداد پیدا کرنا اور کچھ بنیادی دینی نصاب کو شامل کرنا مقصود تھا۔ انتظامی امور کی نگرانی کے لیے جناب لطف الرحمٰن خان کو ''ناظم قرآن کالج'' مقرر کیا گیا۔ دیگر مضامین پڑھانے کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اگلے ایک دو سالوں میں طلبہ کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر ان کلاسز کو ماڈل ٹاؤن ہی میں ایک الگ مکان (433-K) میں منتقل کر دیا گیا۔ ابتدائی سالوں میں تدریس کے فرائض انجام دینے والوں میں حافظ عاکف سعید صاحب' وقار احمد صاحب' لطف الرحمٰن خان صاحب' حافظ خالد محمود خضر صاحب' حافظ محمد رفیق صاحب' حافظ عاطف وحید صاحب اور ریاض اسماعیل صاحب شامل تھے۔

اسی دوران مرکزی انجمن خدام القرآن نے قرآن کالج کی Purpose built building کی تعمیر کا کام بھی شروع کر رکھا تھا۔ 191۔اے' اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں ساڑھے پانچ کنال کے پلاٹ پر شاندار بلڈنگ میں اکیڈمک بلاک اور اس کے اوپر قرآن آڈیٹوریم کی تعمیر کے ساتھ ساتھ تین منزلہ ہوسٹل کی تعمیر جاری تھی جو بحمد اللہ 1990ء میں مکمل ہو گئی۔ صدر مؤسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ قرآن آڈیٹوریم کو قرآن کالج کے ''سر کا تاج'' قرار دیتے تھے۔ آڈیٹوریم کے نیچے 8 کلاس رومز' دفاتر' سٹاف روم اور لائبریری تعمیر کیے گئے۔ ہوسٹل کے گراؤنڈ فلور پر 6 فیملی اپارٹمنٹس بھی تعمیر کیے گئے جبکہ فرسٹ اور سیکنڈ فلور پر طلبہ کے لیے رہائشی کمرے اور میس تعمیر کیا گیا۔

اس طرح 1990ء میں قرآن کالج اس نئی تعمیر شدہ بلڈنگ میں منتقل ہو گیا جہاں ایک تعلیمی ادارے کی تمام جملہ ضروریات کا اہتمام کیا گیا تھا۔

دوسرا دور (1990ءتا 2008ء)

قرآن کالج کے دوسرے دور کا آغاز 1990ء سے ہوا جو کم و بیش 18 سال جاری رہا۔ لطف الرحمٰن خان صاحب بدستور ناظم قرآن کالج تھے' تاہم پرنسپل کی ذمہ داری کے لیے پروفیسر (ر) بختیار صدیقی صاحب اور ان کے بعد پروفیسر حافظ محمد فاضل صاحب کی تقرری ہوئی۔ ان دونوں حضرات کے بعد پروفیسر احمد شفیع چوہدری صاحب قرآن کالج کے پرنسپل بنے جو 1998ء تک کالج کی سربراہی کرتے رہے۔

قرآن کالج میں تین سالہ بی اے کے ساتھ ایف اے کی کلاس بھی شروع کر دی گئی۔ انٹرمیڈیٹ کی سطح پر ایف اے (آرٹس)' آئی کام' آئی سی ایس اور جنرل سائنس گروپ کی کلاسز ایک طویل عرصہ تک چلتی رہیں' جبکہ تین سالہ بی اے پروگرام کو اب دو سالہ میں بدل دیا گیا تھا۔ شروع میں ہوسٹل کی نگرانی کے لیے میجر (ر) فتح محمد صاحب وارڈن مقرر ہوئے' جبکہ ان کی معاونت کے لیے قرآن کالج کے استاد حافظ ابراہیم اسسٹنٹ وارڈن مقرر ہوئے۔ بعد ازاں جب حافظ عاطف وحید صاحب اعلیٰ تعلیم مکمل کر کے واپس لاہور آئے تو اکنامکس کی تدریس کے ساتھ ساتھ اولاً ہوسٹل وارڈن اور بعد ازاں ناظم کالج مقرر ہوئے۔ عصری تعلیم کے تمام شعبوں/مضامین کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ موجود تھے جن کی نگرانی میں طلبہ کی بہترین تعلیم و تربیت کا ایک نظام بن چکا تھا۔ 90ء کی دہائی میں سینکڑوں طلبہ نے قرآن کالج سے تعلیم حاصل کی اور بعد ازاں عملی زندگی میں نمایاں عہدوں پر فائز ہوئے۔ ان میں پروفیسر ڈاکٹر محمد زمان (ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ' قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد)' محمد قاسم (ایڈیشنل اینڈ سیشن جج KPK)' مصطفیٰ رمضان (CEO' ٹیلی نار) کے نام نمایاں ہیں۔ تنظیم اسلامی کے کئی سینئر رفقاء اور مدرسین بھی قرآن کالج کے اسی دور کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ان سالوں میں صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد اہتمام کے ساتھ قرآن کالج کے طلبہ کے لیے وقت نکالا کرتے تھے اور آڈیٹوریم میں تمام طلبہ اور اساتذہ کو جمع کر کے لیکچر دیا کرتے تھے۔ یوں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ مختصر دینی نصاب بھی ترتیب پا چکا تھا جس میں طلبہ کو عربی گرامر اور کچھ دینی کتب کی تعلیم دی جاتی تھی۔

قرآن کالج محکمہ تعلیم پنجاب کے ساتھ رجسٹرڈ ہو چکا تھا اور امتحانات کے لیے لاہور بورڈ کے ساتھ اس کا الحاق بھی ہو چکا تھا۔ انٹرمیڈیٹ کی سطح پر طلبہ ''ریگولر طالب علم'' کی حیثیت سے لاہور بورڈ میں داخلہ بھجواتے تھے۔

اواخر 1997ء میں حافظ عاطف وحید صاحب کے اسلامک یونیورسٹی منتقل ہو جانے کے بعد حافظ عاکف سعید صاحب کو ناظم کالج مقرر کیا گیا اور اگلے تین چار سال کے دوران دو حضرات (نجم الزماں صاحب اور مظفر حسین ہاشمی صاحب) یکے بعد دیگرے پرنسپل قرآن کالج تعینات ہوئے۔ ان کے بعد 2003ء میں پاکستان ائیر فورس کے ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے ریٹائرڈ سکواڈرن لیڈر جناب طارق مسعود صاحب پرنسپل مقرر ہوئے اور 2008ء تک پرنسپل رہے۔ آپ نہایت تجربہ کار اور ماہر استاد تھے۔ آپ کے دور میں قرآن کالج میں اعلیٰ نظم و ضبط کے ساتھ ساتھ اعلیٰ علمی فضا قائم رہی۔ ہر سال اساتذہ کے لیے تربیتی پروگرام اور گرمیوں کی چھٹیوں میں دیگر

اداروں کے طلبہ کے لیے اسلامک جنرل نالج ورکشاپس منعقد کی جاتیں۔ قرآن کالج چونکہ شروع سے ہی ایک اقامتی ادارہ تھا اس لیے ہوسٹل میں 80 تا 100 طلبہ کی رہائش ہر وقت موجود رہتی۔ ان سالوں میں سینکڑوں طلبہ نے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ عملی زندگی میں کامیابیاں حاصل کیں۔ اس دور کے نمایاں طلبہ میں حسین عاکف‘ مومن محمود‘ حامد سجاد‘ نور الوریٰ اور حنین عاکف شامل تھے۔ 2004ء میں ہونہار طالب علم حامد سجاد نے لاہور بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور کالج کا نام روشن کیا۔

تیسرا دور (2008ء سے اب تک)

قرآن کالج کم وبیش 20 سال سے خدمات انجام دے رہا تھا‘ تاہم 08-2007ء صدر مؤسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن کالج میں جاری نظامِ تعلیم سے عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ قرآن کالج میں دینی وشرعی علوم کو زیادہ سے زیادہ پڑھایا جائے نہ کہ عصری علوم کو۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان بھر میں عصری تعلیم والے ادارے تو بے شمار ہیں اور ہم سے بہتر بھی ہیں۔ ہمیں اس کی بجائے علومِ دینیہ کی طرف زیادہ توجّہ دینی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی رائے کو انجمن کی شوریٰ وعاملہ میں پیش کر دیا اور شوریٰ کے فیصلے کے مطابق طے پایا کہ اپریل 2008ء میں قرآن کالج بند کر دیا جائے گا۔ طلبہ کی آخری کلاسز 2008ء میں بورڈ کا امتحان دے کر فارغ ہوگئیں‘ جبکہ 18 کے قریب اساتذہ کو بھی قرآن کالج کی ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔

بعد ازاں 2008ء ہی میں مرکزی انجمن کی شوریٰ میں اس بات پر غور کیا گیا کہ قرآن کالج کی عمارت کس مصرف میں استعمال کی جائے۔ غور وخوض کے بعد درج ذیل دو تجاویز کو حتمی طور پر منظور کیا گیا:

1۔ درسِ نظامی کا اجراء کیا جائے اور داخلہ لینے والے طلبہ کو میٹرک‘ ایف اے‘ بی اے اور ایم اے بھی کروایا جائے۔

2۔ گریجوئیٹس کو داخلہ دے کر انہیں چار سال میں درسِ نظامی کی طرز کا دینی کورس پڑھا کر‘ ساتھ ہی ایم اے کی تیاری کی کوشش بھی کی جائے۔

اس منصوبے پر عمل درآمد کے لیے حافظ عاطف وحید صاحب کو ناظم مقرر کیا گیا اور قرآن کالج کا نام نئے تعلیمی منصوبے کی مناسبت سے ’’کلیۃ القرآن‘‘ رکھ دیا گیا۔ حافظ عاطف وحید صاحب نے دیگر ماہرینِ تعلیم کے ساتھ ساتھ جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب سے کئی ملاقاتیں کیں اور ان سے درخواست کی کہ وہ ہماری رہنمائی کریں تاکہ کلیۃ القرآن میں دینی علوم کی غالب اکثریت ہو۔ حضرت نے یہ درخواست قبول کر لی اور آج تک لوجہ اللہ ہمارے ساتھ تعاون جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس طرح 2008ء کے آخر میں 41 طلبہ کی کلاس سے درس نظامی کے درجہ اولیٰ کی کلاس کا آغاز ہوا۔ درسِ نظامی میں تجوید‘ صرف ونحو‘ لغۃ العربیہ‘ فقہ‘ تفسیر وحدیث وغیرہ کے مضامین کی تدریس کے ساتھ ساتھ میٹرک میں انگریزی‘ ریاضی‘ اردو‘ عربی‘ جنرل سائنس وغیرہ کی تدریس شروع کر دی گئی۔ قرآن کالج کے سابقہ دور کے دو اساتذہ حافظ نذیر احمد ہاشمی اور

مسعود محمد اقبال صاحب نے ادارے اس نئے get up میں تدریسی و انتظامی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ بعد ازاں طلبہ کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ نئے اساتذہ بھی آتے گئے۔

کلیۃ القرآن کے ابتدائی تین چار سال تک مولانا احسان اللہ صاحب اور قاری یحییٰ عبد الغفار صاحب نے نصاب تعلیم اور نظامِ تربیت کو بہتر سے بہتر بنانے میں حافظ عاطف وحید صاحب کی بھرپور معاونت کی لیکن یکے بعد دیگرے مختلف وجوہات کی بنا پر یہ دونوں حضرات کلیہ سے وابستگی قائم نہ رکھ سکے۔ چنانچہ اپریل 2012ء میں سابق پرنسپل طارق مسعود صاحب کو دوبارہ پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔

کلیۃ القرآن کا وفاق المدارس العربیہ سے الحاق 2008ء میں ہی ہو گیا تھا اور ہمارے طلبہ وفاق کے امتحانات میں شرکت کے اہل تھے۔ اس نئے سیٹ اپ میں کلیۃ القرآن میں پڑھانے والے اساتذہ میں اکثریت علمائے کرام کی تھی جبکہ عصری تعلیم کے دو تین اساتذہ بھی موجود تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علمائے کرام (اساتذہ) کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ تادمِ تحریر 15 علمائے کرام اور 5 عصری علوم کے اساتذہ تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں' جبکہ طلبہ کی تعداد 120 ہے۔ لائبریری میں تقریباً ساڑھے تین ہزار کتب موجود ہیں۔ مارچ 2014ء میں مختصر علالت کے بعد ادارے کے پرنسپل طارق مسعود صاحب انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے بعد انتظامیہ نے ریاض اسماعیل صاحب کو پرنسپل مقرر کیا جنہوں نے انتہائی محنت اور لگن سے کلیۃ القرآن میں تعلیمی و تدریسی اہداف کے لیے سعی و جہُد کو جاری رکھا۔

طلبہ میں تحریری اور تقریری ذوق پیدا کرنے کے لیے 'بزمِ ادب' کے تحت مختلف پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں جس میں طلبہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ یہ پروگرام طلبہ میں اعتماد پیدا کرنے کے لیے بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ کلیۃ القرآن میں چونکہ دوہرا نظام تعلیم چل رہا ہے یعنی ہر طالب علم ایک طرف درس نظامی اور دوسری طرف عصری تعلیم کا طالب علم ہے۔ پڑھائی کے اس ڈبل بوجھ سے کئی طلبہ دشواری محسوس کرتے ہوئے ادارے کو چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں' تاہم پختہ ارادے اور جذبے والا طالب علم کم ہی چھوڑ کر جاتا ہے۔ بہر حال یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ اس کام کے لیے دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ طالب علم کی اعلیٰ درجے کی ذہانت بھی درکار ہوتی ہے۔

کلیۃ القرآن میں وہ طلبہ جن کی تعلیم و تربیت کا آغاز 2008ء میں ہوا تھا' وہ اپنی 8 سالہ تعلیم مکمل کر کے 2016ء میں فارغ التحصیل ہو رہے تھے۔ 41 طلبہ سے شروع ہونے والے اس قافلے میں 7 طلبہ ہی رہ گئے تھے جو اپنی تعلیم کے آخری سال تک موجود رہے۔ یہ تمام طلبہ ایک طرف درسِ نظامی مکمل کر رہے تھے تو دوسری طرف میٹرک' ایف اے' بی اے سے ہوتے ہوئے اب ایم اے بھی کر چکے تھے۔ ادارے کے لیے نہایت خوشی کی بات تھی کہ اس کے 7 طلبہ مستند عالم دین بن کر یہاں سے جا رہے ہیں۔ اس موقع پر قرآن آڈیٹوریم میں تکمیل بخاری شریف اور دستار بندی کا ایک روح پرور پروگرام منعقد کیا گیا جس میں طلبہ کے والدین اور لاہور کے کئی علمائے کرام کثرت سے شریک ہوئے۔ جامعہ اشرفیہ کے مہتمم جناب مولانا حافظ عبد الرحیم صاحب مہمان خصوصی تھے۔ انہوں نے بخاری شریف کی آخری حدیث مبارکہ پڑھائی اور طلبہ کی دستار بندی کی۔ اس طرح ختم بخاری

اور دستار بندی کے 7 پروگرام اب تک منعقد ہو چکے ہیں‘ جن میں سے 65 طلبہ درسِ نظامی اور پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹرز کر چکے ہیں۔ ان طلبہ کی درسِ نظامی کی سند کو HEC کی طرف سے ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی سرٹیفکیٹ جاری کر دیا جاتا ہے اور یہ طلبہ مزید اعلیٰ تعلیم اور کہیں بھی تدریس کے اہل ہوتے ہیں۔ اب تک فارغ التحصیل طلبہ زیادہ تر درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں‘ جبکہ کچھ طلبہ نے کاروباری مصروفیات کو اختیار کیا۔ اب تک فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ میں چند نمایاں نام یہ ہیں: فرزین احمد‘ حافظ مقصود احمد‘ حافظ عبداللہ ریحان‘ حافظ حمزہ آصف‘ محمد امجد‘ محمد رمضان‘ حسبان شوکت‘ محمد کاشف‘ حافظ محمد آصف‘ حُمید عاطف‘ محمد رفاقت‘ حافظ محمد طاہر‘ کلیم اللہ وغیرہ۔

مرکزی انجمن کی شوریٰ میں کلیۃ القرآن کو قرآن یونیورسٹی بنانے کے لیے نصابی اور تدریسی امور میں استحکام کے علاوہ ایک مناسب کیمپس کی ضرورت کا شدّت سے احساس ہونے لگا۔ موجودہ بلڈنگ کا رقبہ ساڑھے پانچ کنال ہے اور اس کے کلاس رومز اور ہوسٹل میں ایک محدود تعداد ہی زیر تعلیم رہ سکتی ہے۔ مستقبل کی ضروریات کے پیش نظر کوئی بڑی اور وسیع جگہ ضروری ہوگئی تھی۔ ویسے بھی موجودہ کیمپس لاہور کے رہائشی علاقے میں ہے۔ لہٰذا 2017ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن نے لاہور کے مضافات میں لاہور ملتان موٹر وے M-3 پر شرقپور انٹرچینج کے قریب 52 کنال کا ایک قطعہ اراضی خریدا جس پر ایک بڑا کیمپس تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ فی الحال اس کی چاردیواری تعمیر کردی گئی ہے۔ مسجد کی تعمیر کا آغاز ہوا چاہتا ہے اور دیگر عمارات کا مرحلہ اس کے بعد آئے گا۔

کلیۃ القرآن کے لیے وہ دن بہت یادگار تھا جب نومبر 2021ء میں مصر کی عظیم درس گاہ الازہر یونیورسٹی کا 5 رکنی وفد پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کی سربراہی میں آیا جس کا استقبال پرنسپل‘ اساتذہ اور طلبہ نے کیا۔ قرآن آڈیٹوریم میں ایک پروگرام منعقد کیا گیا۔ عرب اساتذہ کے وفد نے کلیۃ القرآن کے طلبہ کی علمی پختگی اور علوم دینیہ وعصریہ میں یکساں استعداد کو محسوس کرتے ہوئے طلبہ کو خوشخبری دی کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے الازہر یونیورسٹی آسکتے ہیں۔ چنانچہ اگلے سال یعنی 2022ء میں ہمارے دو طلبہ کا الازہر یونیورسٹی میں داخلہ ہوگیا۔

طلبہ کی تربیت اور کردار سازی کے لیے مختلف سیمینارز اور لیکچرز منعقد کیے جاتے ہیں‘ جس میں علماء کے علاوہ یونیورسٹی کے پروفیسرز تشریف لاتے ہیں۔ تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ صاحب بھی متعدد بار طلبہ سے خطاب کر چکے ہیں۔

اب جبکہ مرکزی انجمن خدام القرآن کو قائم ہوئے 50 سال ہو گئے ہیں اور انجمن کے بانی اور صدر مؤسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے عین وژن کے مطابق کلیۃ القرآن ایک اعلیٰ تعلیم وتربیت کا ادارہ بن چکا ہے اور یونیورسٹی بننے کی جانب گامزن ہے‘ ضرورت اس امر کی ہے کہ مرکزی انجمن کے مادی وافرادی وسائل کا رُخ اس عظیم درسگاہ کی تعمیر وترقی کی جانب موڑ دیا جائے تاکہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے دیرینہ خواب کی تکمیل کی جاسکے۔

(4) شعبہ خط وکتابت کورسز

انجمن خدام القرآن لاہور قرآن حکیم کی تعلیمات کو عام کرنے اور اس کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے سلسلہ میں مختلف شعبہ جات کے ذریعے اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ ان شعبوں میں ایک ''شعبہ خط و کتابت کورسز'' بھی ہے۔ ایسے افراد جو وقت کی کمی کی وجہ سے صبح کے ''رجوع الی القرآن کورس'' یا شام کے ''فہم دین کورس'' میں داخلہ نہیں لے سکتے ان کے لیے گھر بیٹھے قرآن فہمی اور عربی سیکھنے کے حوالے سے خط و کتابت کے ذریعے مختلف کورسز نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونی ممالک کے طلبہ وطالبات کے لیے کروائے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کے آفاقی اور انقلابی پیغام کو بذریعہ خط و کتابت عام کرنے کا آئیڈیا لطف الرحمٰن خان مرحوم و مغفور نے دیا تھا۔ اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے جنوری 1988ء میں شعبہ خط وکتابت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مرتّب کردہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کی آڈیو کیسٹس سے سوالنامے تیار کیے۔ بعدازاں عربی گرامر کورس کے لیے ''آسان عربی گرامر'' کے عنوان سے تین کتابیں بھی تالیف کیں۔ جنوری 1988ء تا جنوری 1991ء وہ اس شعبہ کے ناظم رہے۔ فروری 1991ء سے جون 2015ء تک انوار الحق چوہدری مرحوم شعبہ خط وکتابت کورسز کے ناظم رہے۔ انہی کی کاوش سے ''ترجمہ قرآن حکیم کورس'' شروع کیا گیا۔ جولائی 2015ء سے اگست 2021ء تک حافظ عاطف وحید صاحب ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز کی ذمہ داری سرانجام دیتے رہے۔ انہی کی مساعی سے یکم ستمبر 2016ء سے قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس کو بذریعہ آن لائن بھی شروع کیا گیا۔ ستمبر 2021ء سے تاحال محمد آصف شیخ صاحب بطور ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز کی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ محمد آصف شیخ صاحب شعبہ کی وسیع پیمانے پر تشہیر کے لیے بہت فعال ہیں۔ وہ خود سوشل میڈیا پر کورسز کی تشہیر کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے شعبہ کی اپنی ڈومین خریدنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس بذریعہ آن لائن کے لیے نئی ویب سائٹ تیار کروا رہے ہیں جو لیپ ٹاپ اور کمپیوٹر کے علاوہ بذریعہ واٹس ایپ بھی سازگار ہو گی۔

(i) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس

اس کا بذریعہ خط وکتابت آغاز جنوری 1988ء میں کیا گیا۔ اس کورس کا مقصد خواتین وحضرات کو قرآن حکیم کے مربوط مطالعے کے ذریعے دین کے جامع اور ہمہ گیر تصور سے متعارف کرانا ہے۔ بفضل باری تعالیٰ یہ کورس بڑی کامیابی سے جاری ہے۔

(الف) بذریعہ خط و کتابت: اس میں اب تک طلبہ وطالبات کی تعداد 4466 تک پہنچ چکی ہے جن میں سے 687 طلبہ وطالبات کورس کامیابی سے مکمل کر چکے ہیں۔

(ب) بذریعہ آن لائن: اس کا اجراء یکم ستمبر 2016ء کو ہوا تھا۔ مجموعی طور پر اب تک 2024 طلبہ وطالبات کورس ہذا کا فارم جمع (Submit) کروا چکے ہیں جن میں 1404 پاکستانی جبکہ 43 بیرونی ممالک کے 620 طلبہ و طالبات شامل ہیں۔ ان میں سے 866 طلبہ وطالبات داخلہ لے چکے ہیں جن میں 613 پاکستانی اور 28 ممالک کے 253 طلبہ وطالبات شامل ہیں جبکہ 29 طلبہ وطالبات کورس کی تکمیل کر چکے ہیں جن میں 22 پاکستانی اور مختلف 4 ممالک کے 7 طلبہ وطالبات شامل ہیں۔

(ii) ابتدائی عربی گرامر کورس (III,II,I)

اس کورس کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ کو عربی گرامر کے بنیادی اصولوں سے اس حد تک متعارف کرا دیا جائے کہ قرآن اور احادیث سے براہ راست استفادہ کے لئے انہیں ایک بنیاد حاصل ہو جائے۔ یہ کورس بھی بہت مقبول ہوا ہے۔ یہ کورس بذریعہ خط وکتابت کے علاوہ بذریعہ واٹس ایپ بھی کروایا جاتا ہے۔

عربی گرامر کورس (حصہ اول): اس کا اجراء نومبر 1990ء میں کیا گیا۔ اس کورس میں طلبہ اور طالبات کی تعداد 4344 تک پہنچ چکی ہے اور 681 طلبہ وطالبات اسے مکمل کر چکے ہیں۔

عربی گرامر کورس (حصہ دوم): اس کا آغاز اکتوبر 1992ء میں ہوا تھا۔ اس میں طلبہ کی تعداد 735 تک پہنچ چکی ہے اور 383 طلبہ وطالبات اس کی تکمیل کر چکے ہیں۔

عربی گرامر کورس (حصہ سوم): اس کا آغاز مارچ 1997ء میں ہوا تھا۔ اس میں طلبہ کی تعداد 426 تک پہنچ چکی ہے جبکہ 212 طلبہ وطالبات کورس مکمل کر چکے ہیں۔

(iii) ترجمہ قرآن کریم کورس

اس کورس کا اجراء 1996 میں کیا گیا تھا۔ یہ خاص طور پر ان نوجوان طلبہ وطالبات کے لیے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھنے اور یاد کرنا ہوتے ہیں۔ اب تک اس کورس میں 3416 طلبہ اور طالبات داخلہ لے چکے ہیں جبکہ 377 طلبہ وطالبات تکمیل کر چکے ہیں۔ یہ کورس بذریعہ خط وکتابت کے علاوہ بذریعہ واٹس ایپ بھی کروایا جاتا ہے۔

کورسز کی تشہیر

تمام کورسز کی تشہیر ''میثاق'' اور ''ندائے خلافت'' کے علاوہ بذریعہ سوشل میڈیا بھی کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ، تنظیم کے فیس بک پیج اور شعبہ خط وکتابت کورسز کے فیس بک پیج کو استعمال کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اور تنظیم اسلامی کے حلقہ خواتین کو کورسز کے پراسپکٹس فراہم کیے جاتے ہیں۔

❁❁❁

(5) شعبہ انگریزی

The English sections of the Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore, its sister organizations across Pakistan and Tanzeem-e-Islami have been playing their roles in dawah and the effort to strive for establishment of the Deen for the best part of the last 50 years. Alhamdulillah!

A number of scholars and writers in the 20th century made it crystal clear that Islam is a "Deen" and not merely a "religion" in the ordinary sense of the word. A religion, as commonly understood, is only a collection of metaphysical beliefs, rituals of worship and social customs and ceremonies. Deen, on the other hand, is a complete code of life that embraces all aspects of human existence, both individual and collective. It significantly affects and shapes the social, economic, and political spheres of collective life. According to Dr. Israr Ahmad (RAA), the Founding Ameer of Tanzeem-e-Islami and the Founding President of the Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore, Deen, by its very nature demands its domination and ascendancy in society. If it is not dominant, it becomes relegated to the position of powerless "religion".

Dr. Israr Ahmad (RAA) firmly believed on the basis of Quran and Prophetic Sunnah that one cannot lead a pious life at the cost of social justice nor establish social justice by denying loving, serving and worshiping Allah (SWT). Piety without social justice is an empty word and social justice without God-centered piety and religiosity (i.e., Taqwa) a meaningless word. Hence, what distinguishes Islam from such secular ideologies such as liberalism and Marxism that espouse the cause of social justice is that in Islam the notion of virtue and piety is constitutive of social justice and social justice an expression and outward manifestation of piety, as enunciated by Islamic teachings and practiced by the Prophet (SAAW) and his companions including the Rightly Guided Caliphs (RAA).

Dr. Israr Ahmad (RAA) very convincingly showed in his corpus that Islamic values should be related not only to individual consciousness but also to a community's collective experience and establishment of the just socio-politico-economic system of Islam. For this colossal change he employed the word "revolution", which in its most complete form was first brought about by the Holy Prophet (SAAW). The methodology, strategy or operational model of the obligation of "Iqamat-e-Deen" --- or in other words establishing the supremacy of Islam at the global level is hence derived from the 'revolution' brought about by the Holy Prophet (SAAW). Dr. Israr Ahmed (RAA) based this on the Quran and Seerah of the Prophet (SAAW). In particular, Dr Israr Ahmad (RAA) took the life-long struggle of the Holy Prophet (SAAW) to be paradigmatic and based his analysis and characterization of all stages involved in attaining the victory and supremacy of Islam from the Seerah of the Holy Prophet (SAAW). The only surefire and unfailing strategy for Islamic ascendancy and revolutionary change must involve the revitalization of Iman through the Quran, and the launching of an Islamic movement on the basis of the dynamism thus leashed, and then proceeding forward according to the well-defined stages with maximum possible preparation.

The English sections of Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore, its sister organizations across Pakistan and Tanzeem-e-Islami have been promoting the above-mentioned message of Iqamat-e-Deen by translating the Urdu works of Dr. Israr Ahmad (RAA), other content created by the organizations mentioned above as well as creating original content in English.

A list of the English translation of the books by Dr. Israr Ahmad (RAA), done by his comrades, associates and students includes:

1. The obligations Muslims owe to the Quran
2. The way to salvation in the light of Surah Al-Asr
3. Rise and decline of the Muslim Ummah
4. The Quran and world peace
5. Islamic Renaissance – The real task ahead
6. Calling people unto Allah
7. Tragedy of Karbala

8. Muhammad (SAAW) the objective of His appointment
9. Lessons from History
10. 3-Point Action Agenda for the Muslim Ummah
11. Baiyah: The basis for organization of a revivalist party in Islam
12. Khilafah in Pakistan: What, Why and How?
13. Obligations to God
14. Religious obligations of Muslim women
15. The call of Tanzeem-e-Islami
16. The reality of Tasawwuf: In the light of the Prophetic Model
17. The genesis of Tanzeem-e-Islami
18. Synthesis of Iman
19. To Christians with Love
20. The Prophet's strategy for Islamic revolution
21. Love for the Messenger (SAAW) and its requisites
22. The process of creation: A Quranic perspective

The English section is currently also working on the English translation of the "Bayan-ul-Quran" – the exegesis of the Holy Quran by Dr. Israr Ahmad (RAA) – and "Muntakhab Nisab" – the selected curriculum of the study of the Holy Quran.

Over the last 5 decades or so, some of the names involved in the work of the English section include Dr. Absar Ahmad, Dr. Ahmad Afzaal, Professor Muhammad Ibrahim, Dr. Sanaullah Ansari, Muhammad Afzal, Basit Bilal Koshul, Khalid Mahmood, Iqbal Ahmad Siddiqi, Commander (r) Muhammad Tufail, Iftekhar Ahmad Shah, Adnan Rahman, Dr. Ghulam Murtaza, Ghulam Rabbani Shah, and Ms. Bir Gul Khan Bangash, Raza ul Haq, Major (r) Haider Hassan, Qamar-ul-Islam, Muhammad Momin and Basil Aziz Khan among others.

It is declared at the beginning of every book by Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore & Deen-e-Haq Trust as: "We welcome any person or publisher to seek our written permission to reproduce and print the scholarly work of Dr. Israr Ahmad (RAA). The interested parties are required to follow certain conditions and restrictions before publishing to ascertain the quality of the book(s) and sanctity of the relevant material. It would be appreciated if a few copies of the

reproduced material are provided to us for record. We, however do reserve the right to take legal action for any unauthorized publication, malicious or otherwise alterations, misquotes, out of context quotes and references and misuse deemed damaging to his and our reputation."

The English section also provides translation of the press releases issued by the Ameer of Tanzeem-e-Islami, on Fridays, important national and international events and happenings, seminars and activities of the Halqa jaat of Tanzeem-e-Islami. The translated Press Releases are sent to major English dailies, blogs and other social media websites for publishing.

The English Section issued a quarterly English journal named "Quranic Horizons" from 1996 through 2000. It contained research papers written by renowned writers. Since 2013, the English section issues a fortnightly online newsletter of Tanzeem-e-Islami named "Perspective". Perspective is a trend-setting newsletter issued by Tanzeem-e-Islami that focuses on a candid commentary on the current national and international issues, in the light of the Qur'an and the Sunnah. It is currently in its ninth year of online publication. The English Section has been responsible for including an English article in the weekly magazine, "Nida-e-Khilafat" since in inception in 1991.Every issue of the quarterly magazine "Hikmat-e-Quran" contains English translation of 2 Rukus of the Urdu exegesis of the Holy Qur'an by Dr Israr Ahmad (Bayan-ul-Quran). The translation is named "Message of the Quran". Work on translating into English the complete "Bayan ul Quran" is also currently in progress.

English resources for use in events, campaigns and other activities of Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore, its sister organizations across Pakistan and Tanzeem-e-Islami are also prepare and disseminated. English translation of various forms, advertisements, handbills, brochures and other resources is done. Letters and replies to various people and organizations are sent, including government officials and departments, parliamentarians, judiciary, politicians and political parties, religious scholars, media houses, heads of colleges and universities, foreign embassies and high commissions in Pakistan etc.

from time to time on various issues of national and international importance. Critique of various federal and provincial legislation, national policy documents and judgments of courts are also made. Rebuttals of op-ed pieces published in English dailiesagainst Islam, the Ideology of Pakistan and the working of Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore, its sister organizations across Pakistan and Tanzeem-e-Islamiare drafted and sent.The English section has drafted responses to FAQs in English which are available on the official website of Tanzeem-e-Islami, www.tanzeem.org. Print and Social media props in English are designed and disseminated on various days of religious, national and international significance. The English Section aggregates a summary of the main news headlines (local and international) on a weekly basis for internal and external consumption. Local and international news reports and summaries are also prepared. The English section is also active on the official twitter handle of Tanzeem-e-Islami, @tanzeemorg, generating and posting English tweets on a daily basis. The English section also provides frequent assistance in translations and replies to the overseas Nazm of Tanzeem-e-Islami

The English section has also translated works of Hafiz Atif Waheed and Engineer Naveed Ahmad against riba. The English section of the Islamic Research and Training Section (IRTS) based in the Quran Academy Lahore has also done various English translations. The section also provides rebuttals and critique on articles in the English press and provides answers to the queries received on religious and social matters. It also provides assistance in compiling of "Message of Qur'an" for the Quarterly 'Hikmat-e-Quran'.

This record provided above is not exhaustive.

May Allah (SWT) accept the work done by the English sections and bestow His reward on everyone involved in it. May Allah (SWT) grant us all the sincerity and strength to continue serving the cause of Islam. Ameen!

❁❁❁

(6) آئی ٹی سیکشن، شعبہ تحقیق اسلامی

شعبہ تحقیق اسلامی، مرکزی انجمن خدام القرآن کے تحت 'آئی ٹی سیکشن' کا آغاز مئی 2013ء میں عمل میں لایا گیا تاکہ جدید ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اللہ کے پیغام کو پوری دنیا میں عام کیا جا سکے۔ اس سیکشن کے زیر انتظام درج ذیل ویب سائٹس افادۂ عام کے لیے قائم کی گئی ہیں:

1- *www.TanzeemDigitalLibrary.com*

2- *www.GiveupRiba.com*

3- *www.HafizAhmedYar.com*

4- *www.DrRafiudDin.com*

5- *www.Maktaba.com.pk*

6- *www.QuranAcademy.me*

تنظیم ڈیجیٹل لائبریری (*TanzeemDigitalLibrary.com*)

صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی تمام کتابیں اور مرکزی انجمن خدام القرآن کی جملہ مطبوعات انٹرنیٹ اور موبائل فون ایپلی کیشنز پر مزین کی جا چکی ہیں۔ ان کتابوں کی تعداد لگ بھگ 135 ہے۔ تفسیر بیان القرآن کی علیحدہ سے مستقل موبائل ایپلی کیشنز بھی تیار کی گئی ہیں۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ تنظیم اسلامی کے بانی اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے مؤسس ہیں۔ انسانیت نے اپنے ربّ سے جو عہدِ الست باندھا تھا اس پیمانِ وفا کو زندگیوں میں آراستہ و پیوستہ کرنے کے حوالے سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے زندگی بھر جِدّ و جُہد کی ہے۔ نورِ قرآن و سُنّت کے موتی آپ کی تقریروں اور تحریروں میں نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ تجدیدِ ایمان، توبہ اور تجدیدِ عہد کی منادی سے لے کر وسیع تناظر میں خلافت اسلامیہ کے آئینِ گلستاں و دستورِ بہاراں کے پیغامِ جاں فزا تک، ہر موضوع کا آپ کے لسان و قلم نے بدرجۂ اتم احاطہ کیا ہے۔

دَشت میں یہ جاں فزا منظر کہاں سے آ گئے
اس بیاباں میں چمکتے گھر کہاں سے آ گئے!

ان افکار کو چہار دانگ عالم میں عام کرنے کے لیے اس ویب سائٹ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے، کیونکہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی حد آفاق کی حد ہے۔ ہمارا مطمح نظر ہے کہ قرآن و سُنّت کا پیغام اس ذریعے سے موجِ شمیم کی طرح مسلمان کی نبضِ ہستی میں موجزن ہو جائے۔

اس ویب سائٹ پر مطبوعاتِ مکتبہ خدام القرآن و تنظیم اسلامی کے مطالعے کے ساتھ ساتھ مطلوبہ الفاظ اور موضوعات کو تلاش کرنے کی سہولت موجود ہے۔ قرآنی آیات' احادیث مبارکہ اور دیگر عبارات کو آسانی کے لیے کلر کوڈنگ کر کے متنوع کر دیا گیا ہے۔ اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بھی اس آسان رسائی میں آسائش منزل کا پہلو ہے۔ یہ کاوش اس حوالے سے انفرادی اہمیت کی حامل ہے کہ آپ مطلوبہ مواد کو کاپی اور پیسٹ کر کے سوشل میڈیا پر عام کر سکتے ہیں' نتیجتاً چراغ سے چراغ جلانے کا عمل تیز تر ہو گا۔ جیسے جیسے دِیے سے دِیا روشن ہوتا جاتا ہے' شبِ ظلمت کی تیرگی کم ہوتی چلی جاتی ہے۔

تنظیم ڈیجیٹل لائبریری ایپ: تنظیم ڈیجیٹل لائبریری ویب سائٹ کے بعد اسی نام سے موبائل ایپ بھی بنائی گئی ہے تاکہ اس بیش بہا اثاثے سے ہزاروں بندگانِ خدا استفادہ حاصل کر سکیں۔ موبائل ایپلی کیشنز پوری دنیا کے لوگ استعمال کرتے ہیں اور اپنی رائے کے ساتھ اس کی ریٹنگ بھی کرتے ہیں۔ گوگل پلے سٹور اور ایپل ایپ سٹور پر 'تنظیم ڈیجیٹل لائبریری ایپ' کا شمار کیفیت اور کمیت و حجم کے اعتبار سے ممتاز مقام کی حامل ایپلی کیشنز میں ہوتا ہے۔

سود کے موضوع پر ویب سائٹ (GiveupRiba.com)

پوری دنیا میں پاکستان واحد ایسا ملک ہے جس کی اعلیٰ ترین عدالتوں میں سود کے خلاف مقدمات دائر کیے گئے اور سود کو حرام مطلق اور قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا۔ اس ویب سائٹ پر امتناعِ سود کے تمام فیصلے موجود ہیں۔ سود کے خاتمے کے لیے حکومت پاکستان کی جاری کردہ سٹینڈنگ کمیٹی کی رپورٹس اور تصریحات' جو گاہے بگاہے جاری کی جاتی رہیں' ان رپورٹس کا متن بھی اس ویب سائٹ پر اپ لوڈ کیا گیا ہے۔ سود نہ صرف اسلام میں حرام فاحش ہے' بلکہ دیگر مذاہب کی کتابوں میں بھی اس کی حرمت اور کراہت شدومد کے ساتھ موجود ہے۔ مذاہبِ عالم کی کتابوں کے حوالہ جات اور ان کی فقہی دلالت بھی اس ویب سائٹ پر موجود ہے۔ سود کے ذیل میں کتابیں اور مضامین بھی اس ویب سائٹ کا حصہ ہیں۔ سود کی نحوست' اس کی شناعت میں غلطیوں کا ازالہ' اس کی مختلف شکلیں اور فروعیات' اس کی حرمت' موجودہ استبدادی ساہوکاری بینکنگ سسٹم' مہاجنی بنیاد پر دنیا کی تقسیم۔۔۔ تیسری دنیا کی غربت' سود کے طاغوتی ہتھکنڈے اور مصادر کے بارے میں مواد اس ویب سائٹ پر موجود ہے۔ سود کی قانونی و آئینی حیثیت کے ضمن میں سود کے بارے میں تمام عدالتی فیصلے بھی اس ویب سائٹ پر درج ہیں۔

پاکستانی قوم کی موجودہ معاشی بدحالی کا سبب بھی سود در سود کی پے در پے ادائیگیاں ہی ہیں جو آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو ادا کرنا پڑتی ہیں اور یہ ادائیگیاں ہر سال بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ غرض یہ ویب سائٹ سود کے ایک مجرد موضوع پر جامع ویب سائٹ ہے جس سے استفادہ کرنے والوں کی ماہانہ تعداد تقریباً تیس ہزار ہے۔

علوم قرآنیہ سے منور ویب سائٹ (HafizAhmedYar.com)

پروفیسر حافظ احمد یار رحمۃ اللہ علیہ شعبہ اسلامیات شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی کے صدر کی حیثیت سے کام کرنے کے دوران مرکزی انجمن خدام القرآن کے جملہ جرائد کے لیے مضامین لکھا کرتے تھے۔ قرآن اور علومِ قرآنی سے ان کا شغف عشق کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپؒ نے اپنی خدمات قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج کے لیے تفویض کر دیں۔ حافظ صاحب کا مطالعہ اور وسعت نظری بے پایاں تھی۔ علوم قرآن پر آپؒ کے مضامین پڑھ کر ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کسی عظیم روح نے قرآن کو اپنے اندر بسایا ہو اور اس میں سے جانفزا نسخہ ہائے زیست نکال نکال کر بانٹ رہا ہو۔ جیسے کوئی باغبان طوبیٰ و سدرہ کے میوے چُن کر، آبِ حیات سے معمور کر کے، قرآن کے حرف حرف شیریں کی ترجمانی کر رہا ہو۔ آج وہ انسان اپنی تربت میں لیٹا مسلمانوں کو ذلت کے بئر شیطون سے نکال کر، والیٔ ولایت عہد کا رتبہ عطا کرنے قرآن کا پتہ دے رہا ہے۔

قرآن اکیڈمی میں دوسالہ رجوع الی القرآن کورس کے نصاب میں شامل متعدد اہم مضامین کی تدریس محترم حافظ احمد یار کے ذمہ تھی۔ انہی میں ایک مضمون ترجمہ قرآن بھی تھا جس کی تدریس عربی قواعد کے اصولوں کے انطباق کے ساتھ کرنا پیش نظر تھا۔ یہ مشکل، کٹھن اور نازک ذمہ داری پروفیسر احمد یار مرحوم نے کچھ ایسی لگن، محنت اور دلجمعی کے ساتھ ادا کی کہ وہ جویان علم قرآن کے لیے خرد فزا اثاثہ ثابت ہوا۔ ان صوتی ریکارڈنگز کو سننے سے محسوس ہوتا ہے کہ عطر بہاراں کی خوشبو فضا میں بس سی گئی ہے۔ رہین آہ و نالہ و شیون کے اسیروں کو ''لاتقنطوا'' کا برگ بار رستہ سمجھایا۔ مکمل قرآن کی تشریح باعتبار اللغۃ، الرسم، الاعراب، الضبط، التصریف، النحو، التر کیب والتحلیل کے علاوہ پارہ عم اور مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب لگ بھگ 400 گھنٹوں کی آڈیو اس ویب سائٹ پر موجود ہے۔ قرآنی علوم میں اعرابِ قرآن، علم الرسم اور علم الضبط کی مثلث گویا اس عشق کا نقطۂ ارتکاز تھی۔ ان موضوعات پر وقیع تحقیقی مقالات ان کے علمی کمالات کے اس نادر پہلو پر شاہد ہیں جو اس ویب سائٹ پر مزیّن کر دیے گئے ہیں۔

فنِ تفسیر میں حافظ صاحبؒ کی دِقت پسند طبیعت کے کمال کا مظاہرہ ان کی اعراب القرآن سے گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حکمتِ قرآن میں لغات و اعراب قرآن پر فاتحۃ الکتاب سے جس مؤقر سلسلے کا آغاز کیا وہ جنوری 1989ء کے پرچہ سے شروع ہو کر ان کی رحلت کے بعد چھوڑے ہوئے مواد کی طباعت و اشاعت کی شکل میں جاری رہا اور اس کی آخری قسط حکمت قرآن کے جولائی 1998ء کے پرچہ میں شائع ہوئی جو سورۃ البقرہ کی آیت ۱۱۰ پر مختتم ہوتی ہے۔ ایک دہائی کی عرق ریزی 119 آیات کی تشریح پر منتج ہوئی۔ اردو زبان میں اس موضوع پر اسے بلا مبالغہ ایک شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی دو اقساط سے بخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے ذہن میں اس عظیم منصوبہ کے خدّ و خال اور مقاصد کیا تھے۔ افسوس کہ ان کی عمر نے وفا نہ کی اور ان کا یہ خواب شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکا۔ یہ تمام قرآنی خزینے نہ صرف ویب سائٹ کے بام پر انوار فروزاں ہیں بلکہ گوگل پلے سٹور اور ایپل ایپ سٹور پر ایپلی کیشنز کی شکل میں بھی آراستہ و پیراستہ ہیں۔ پوری دُنیا سے اوسطاً چالیس ہزار لوگ ماہانہ

اس ویب سائٹ کی طرف رغبت پاتے ہیں۔

وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا

قرآنی فلسفہ وحکمت کے ذریعے تمام فلسفہ ہائے باطلہ کا ابطال (DrRafiuddin.com)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین 1904ء میں ریاست جموں کشمیر کے شہر جموں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ ایف ایس سی نان میڈیکل میں‘ بی اے فارسی میں اور 1924ء میں ایم اے عربی میں کیا۔ 1927ء سے 1932ء تک سری پرتاپ کالج سری نگر میں عربی اور فارسی کے پروفیسر رہے۔ پرنس آف ویلز کالج جموں میں بھی 12 سال تک تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہے۔ اس دوران (1942ء) میں انگریزی کتاب ’’آئیڈیالوجی آف دی فیوچر‘‘ لکھی۔ ڈاکٹر صاحب کا ڈاکٹریٹ کا موضوع بھی یہی تھا۔ 1945ء سے 1947ء تک ڈاکٹر صاحب سری کرن سنگھ جی انٹر کالج میر پور جموں کشمیر کے پرنسپل رہے۔ 1948ء تا 1953ء لاہور میں محکمہ اسلامک ری کنسٹرکشن وانسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر میں ریسرچ آفیسر رہے۔ 1953ء سے 1965ء تک اقبال اکیڈمی کراچی کے ڈائریکٹر رہے۔ 1965ء میں ’’فرسٹ پرنسپلز آف ایجوکیشن‘‘ پر مقالہ پیش کر کے ڈاکٹر آف لٹریچر کا اعزاز حاصل کیا۔ 1966ء سے 1969ء تک ’’ڈائریکٹر آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس لاہور‘‘ کی ذمہ داریاں نبھائیں۔

ڈاکٹر صاحب نے کئی موضوعات پر قلم اٹھایا۔ بنیادی طور پر ان کی فکر وتحریر کا محور دورِ جدید میں اسلام کی تعبیر وتشریح کے حوالے سے درپیش مشکلات کا تدارک تھا۔ وہ ایک سائنسی فارمولے کی دریافت کے آرزومند تھے جو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تعبیر وتشریح کرنے میں ممدومعاون ثابت ہو۔ اسلام کی تائید وحمایت اور باطل کی تردید ان کا موضوع رہا ہے۔ اسلامی عقائد وافکار کا فلسفیانہ محاذ پر دفاع‘ نظریہ توحید کو افکار وعلوم کی بنیاد قرار دینے‘ فکر اقبال کی ترقی وترویج‘ قرآنی علوم وتعلیمات کا جدید علوم سے موازنہ‘ باطل علوم کی تردید اور سچے علوم کی تصدیق ان کے دائرہ ہائے تحریر ہیں۔ ان کی اردو تصانیف — (1) آئیڈیالوجی آف دی فیوچر (2) قرآن اور علمِ جدید (3) حکمتِ اقبال (4) منشورِ اسلام (5) داعیۂ جبلّت اور داعیۂ نفس (6) اسلام کا نظریۂ تعلیم (7) اسلام اور سائنس (8) رُوحِ اسلام (9) صحیح فلسفۂ تاریخ کیا ہے: قرآن کی رہنمائی (10) پاکستان کا مستقبل —— یہ سب کتابیں اس ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

ان کے علاوہ انگلش زبان میں درج ذیل تالیفات بھی آن لائن پڑھی جاسکتی ہیں:

- *Quran and Modern Knowledge*
- *Ideology of the Future*
- *Facets of Islamic Worldview*

- *Islam and Science*
- *National Character*
- *Text Book of Physics*
- *The Essential Of Islamic Education*
- *The Fallacy Of Marxism*
- *The Meaning and Purpose of Islamic Research*
- *Eradicate Intellectual Secularism*

اس ویب سائٹ سے ماہانہ تقریباً 11,000 افراد مستفید ہوتے ہیں۔

مکتبہ خدام القرآن: آن لائن بک سٹور (Maktaba.com.pk)

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے 1966ء میں ایک اشاعتی ادارہ ''دارالاشاعت الاسلامیہ'' قائم کیا۔ چونکہ اس وقت کوئی اجتماعی ہیئت موجود نہ تھی اس لیے یہ ادارہ ڈاکٹر صاحبؒ کا ایک ذاتی ادارہ تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ڈاکٹر صاحبؒ نے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے نام سے ایک اجتماعی ہیئت قائم کردی تو اس کے تحت 1972ء میں مکتبہ خدام القرآن لاہور کا قیام بھی عمل میں آیا جس نے 'دارالاشاعت الاسلامیہ' کی جگہ لے لی۔ وقت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا اشاعتی کام وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ مکتبہ نے طباعت واشاعت کا اعلیٰ معیار پیش کر کے ہر حلقہ سے خراجِ تحسین وصول کیا۔

انجمن خدام القرآن کے بانی وصدر محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تصانیف وتالیفات کی طویل فہرست ہے جو مکتبہ خدام القرآن کے تحت شائع ہوتی رہی ہیں۔ اِن کتب کی تعداد 115 کے قریب ہے۔ ان میں سے 21 کتب کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے' جبکہ دو کتب کا فارسی میں اور ایک کتاب کا عربی اور سندھی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح مکتبہ کے تحت ہفت روزہ ندائے خلافت' ماہنامہ میثاق اور سہ ماہی حکمت قرآن بھی باقاعدگی سے شائع ہو رہے ہیں۔ علمی وفکری مضامین کے اعتبار سے یہ تینوں جرائد اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس سلسلۂ مطبوعات کے علاوہ ڈاکٹر صاحبؒ کا علمی وتحریکی مواد جدید ذرائع ابلاغ' جیسے سمعی وبصری آلات (آڈیو' ویڈیو ڈیوائسز) یو ایس بی اور میموری کارڈ کی شکل میں دستیاب ہیں۔ نیز محترم ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ کی شہرہ آفاق کتب بھی مکتبہ خدام القرآن کے زیر انتظام شائع ہو رہی ہیں۔

یاد رہے کہ مکتبہ خدام القرآن ہی وہ واحد غیر تجارتی اور مستند ادارہ ہے جو محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ' تنظیم اسلامی اور بعض دیگر مصنفین کی کتابیں چھاپنے اور فروخت کرنے کا مجاز ہے۔ اس ادارے کی خاص بات یہ بھی ہے کہ اس کے آن لائن سٹور سے اہلِ ذوق حضرات کو معیاری کتابیں مناسب قیمت پر گھر بیٹھے بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ اِن کتب کو موبائل ایپلی کیشن ''Tanzeem Digital Library'' سے ڈاؤن لوڈ کر کے بھی ان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

واضح رہے کہ اِن مطبوعات کے جملہ حقوقِ طباعت بعض مصالح کے پیشِ نظر اگرچہ محفوظ ہیں تاہم اِن مطبوعات کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے قانونی ورثاء کی کسی قسم کی مالی منفعت وابستہ نہیں ہے۔ بدقسمتی سے کچھ جعل ساز ناشرین اپنے طور پر مذکورہ کتابوں کا فوٹو کاپی ایڈیشن چھاپ کر سوشل میڈیا کے ذریعے بیچ رہے ہیں۔ ان ناشرین کی شائع کردہ کتابوں کا معیار، کاغذ کی کوالٹی اور جلد بندی ناقص اور غیر معیاری ہے۔ ایسے جعلی ناشرین دنیا میں بدنامی کا باعث بنتے ہیں اور انجام کار کے لحاظ سے آخرت میں بھی بری کمائی کے حامل ہیں۔ لہٰذا گزارش ہے کہ ادارہ مکتبہ خدام القرآن کے بارے میں درست معلومات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک بہم پہنچائی جائیں تاکہ عام لوگ نقالوں کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔

اس ویب سائٹ پر آنے والے شائقین کی ماہانہ تعداد اوسطاً 70,000 ہے۔

خط و کتابت کورسز کی حامل ویب سائٹ (QuranAcademy.me)

یہ ویب سائٹ جملہ خط و کتابت اور آن لائن کورسز کے لیے مختص ہے۔ شعبہ خط و کتابت، مرکزی انجمن خدام القرآن کے تحت قرآن اور عربی زبان سے متعلق تین کورسز کا اہتمام کیا گیا ہے:

(1) ترجمہ قرآن حکیم کورس: بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے 1996ء میں قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق کے لیے 'ترجمہ قرآن حکیم کورس' کا اجرا کیا۔ پاکستان یا پاکستان سے باہر کسی بھی ملک میں مقیم طلبہ اور طالبات یہ کورس با آسانی کر سکتے ہیں۔ اس کورس میں قواعد و گرامر کے بغیر براہِ راست قرآن کے الفاظ کا مفہوم طلبہ کو ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔

(2) قرآنِ حکیم کی فکری و عملی رہنمائی (آن لائن کورس): یہ کورس بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے بذاتِ خود مرتب کردہ اور بیان کردہ قرآن کریم کے منتخب نصاب پر مشتمل ہے۔ پاکستان یا پاکستان سے باہر کسی بھی ملک میں مقیم طلبہ اور طالبات یہ کورس با آسانی کر سکتے ہیں۔ ''قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس'' بذریعہ خط و کتابت کا اجراء 1988ء کو ہوا تھا۔ اراکین انجمن اور ہمارے دیگر بہی خواہوں کے علاوہ بیرون ممالک طلبہ و طالبات کی دیرینہ خواہش تھی کہ تحریک رجوع الی القرآن کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور فروغ کے لیے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کو اس کورس کا آن لائن اجراء بھی کرنا چاہیے۔ چنانچہ اِسی خواہش کو پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے بھروسے پر ''قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس'' بذریعہ آن لائن کا آغاز یکم ستمبر 2016ء سے کیا گیا۔ اس کورس میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مرتب کردہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب' جو الہدیٰ سیریز کے نام سے 44 آڈیو دروس/لیکچرز ہیں' کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن موضوع کی مناسبت سے اس میں اضافی طور پر کچھ کتابیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ مذکورہ کورس کا مواد ایک ترتیب کے ساتھ بذریعہ لنک فراہم کیا جاتا ہے جسے با آسانی ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔

اس کورس کے مقاصد درج ذیل ہیں:

- ✷ شرکاء کو قرآن حکیم کے مربوط مطالعے کے ذریعے دین کے جامع اور ہمہ گیر تصوّر سے متعارف کرانا۔
- ✷ شرکاء کو قرآن حکیم کی فکری اساس اور بنیادی وعملی ہدایات سے روشناس کراتے ہوئے انہیں قرآنی علوم سے متعارف کرانا۔
- ✷ شرکاء کو اس قابل بنانا کہ نجی مجالس میں اسلام پر ہونے والی تنقید کا مناسب جواب دے سکیں اور سامعین کو ناقد کی باتوں سے متاثر ہونے سے بچا سکیں۔
- ✷ شرکاء میں قرآنی علوم کی تحصیل کا جذبہ بیدار کرنا۔
- ✷ قرآن حکیم کے نورِ ہدایت کو اپنی زندگیوں میں لانے کی سعی پر آمادہ کرنا۔

(3) عربی گرامر کورس (حصہ اول، دوم، سوم): پاکستان یا پاکستان سے باہر کسی بھی ملک میں مقیم طلبہ اور طالبات یہ کورس باآسانی کر سکتے ہیں۔

تعارف: کسی زبان کو اس کی گرامر کی مدد سے سیکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ طلبہ اس زبان میں استعمال ہونے والے اسم (Noun) اور فعل (Verb) کے صحیح استعمال کے قواعد کو سمجھ کر اس کی مشق کر لیں۔ عربی گرامر کے اس کورس کے حصہ اوّل میں عربی میں استعمال ہونے والے اسماء (Noun) کے صحیح استعمال کے بنیادی اور ابتدائی قواعد، اور حصہ دوم میں افعال کے صحیح استعمال کے بنیادی اور ابتدائی قواعد سمجھا کر ان کی مشق کرائی جاتی ہے، جبکہ حصہ سوم اسماء وافعال کے چند ایسے قواعد پر مشتمل ہے جو ابتدائی مرحلہ میں چھوڑ دیے گئے تھے۔

مقصد: طلبہ کو عربی گرامر کے بنیادی اصولوں سے اس حد تک متعارف کرا دیا جائے کہ قرآن وحدیث سے براہِ راست استفادے کے لیے انہیں ایک بنیاد حاصل ہو جائے۔ اس کورس کی تکمیل کے بعد طلبہ نہ صرف عربی گرامر کی اصطلاحات اور بنیادی قواعد سے واقف ہو جائیں گے بلکہ گرامر سے متعلق بحثوں کو سمجھنے اور ان کے ذریعے اپنی استعداد کو مزید بہتر بنانے کی صلاحیت بھی انہیں حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ تھوڑی سی کوشش کے بعد ان کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ قرآن وحدیث کے متن کو براہِ راست سمجھ سکیں۔

❁❁❁

(7) شعبۂ سمع وبصر

1980ء کی دہائی کے تقریباً وسط میں یہ شعبہ وجود میں آیا۔ ایک کیمرے اور ٹیپ ریکارڈر سے آغاز ہوا۔ جوں جوں صدر مؤسس کے دروس وخطابات کی مانگ بڑھتی گئی' شعبہ کے equipments میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ریکارڈنگز کے لیے جدید ترین ٹیکنالوجی کو حاصل کیا گیا۔ آج بحمد اللہ آڈیو ویڈیو ریکارڈنگز' ایڈیٹنگ' ڈیزائننگ الغرض الیکٹرونک میڈیا کے تمام لوازمات کے حوالے سے یہ شعبہ اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔

ابتدا میں ریکارڈ شدہ پروگراموں کے ماسٹر کیسٹ بنائے گئے۔ کاپی شدہ پروڈکٹس کو randomly چیک کیا گیا۔ قابلِ قبول کوالٹی کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں کیسٹ تیار کیے گئے۔ مکتبہ کی ڈیمانڈ کو پورا کیا گیا۔

1993ء میں NTSC سسٹم کے ایک ویڈیو کیمرہ کا اضافہ کیا گیا۔ پہلی مرتبہ سپیکر اور قرآنی ٹیکسٹ کی الگ الگ فلموں کو مکس کرنے کا کام شروع کیا گیا۔ 1994ء کے دوران جدید آلات خریدے گئے جن میں آڈیو کاپیئرز' ویڈیو پروجیکٹر' آڈیو مکسر' ایکو اور ویڈیو سسٹم کنورٹر شامل ہیں۔ امسال سب سے بڑے پراجیکٹ ''دورۂ ترجمۂ قرآن'' کی ریکارڈنگ کر کے تکمیل تک پہنچایا گیا۔ 1995ء میں ''اربعین نوویؒ'' اور مرکزی انجمن کی ''دستاویزی فلم'' کی ریکارڈنگ کی گئی۔ ویڈیو ریکارڈنگ کے ضمن میں ایک Super VHS کیمرہ مہیا کیا گیا۔

1996ء میں مکتبہ کی ڈیمانڈ کو پورا کرنے کے لیے آڈیو کیسٹس کے ساتھ ویڈیو کیسٹس بھی شعبہ میں تیار کیے گئے۔ صدر مؤسس کے خطابات کو سیٹلائٹ پر دکھانے کے لیے ڈیجیٹل کیمرے حاصل کیے گئے۔ 1997ء میں ڈیجیٹل VTR اور ڈیجیٹل ویڈیو مکسر کا اضافہ کیا گیا۔ بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا دورۂ ترجمۂ قرآن' منعقدہ قرآن اکیڈمی کراچی کی ڈیجیٹل ریکارڈنگ کی گئی اور اسی وقت دو کیمروں اور مکسر کی بدولت ویڈیو مکسنگ کی گئی۔ اس ریکارڈنگ کے لیے شعبہ سمع وبصر کی ٹیم تمام سامان کے ساتھ خصوصی طور پر کراچی گئی۔ 1998ء میں بیان القرآن کے نام سے صدر مؤسس کے دورۂ ترجمہ قرآن کی پہلی سی ڈی تیار کی گئی۔ بعد ازاں جدید ترین تقاضوں کے مطابق 108 گھنٹے کی آڈیو سی ڈی تیار کی گئی۔ ''الہدیٰ'' کے نام سے دوسری سی ڈی تیار کی گئی جو منتخب نصاب کے 44 گھنٹوں کے دروس پر مشتمل ہے۔ تنظیم اسلامی پاکستان کے نام سے ایک ویب سائٹ www.tanzeem.pk بنائی گئی۔ 1999ء میں ''اسلام اور خواتین'' کے عنوان سے سی ڈی میں ڈاکٹر صاحبؒ کی وہ تمام تقاریر جمع کر دی گئیں جو خواتین اور ہماری سماجی زندگی سے متعلق ہیں۔ Basic Terms of Al-Quran تیار کی گئی' جس میں قرآن کریم کے بنیادی افکار اور انگریزی میں ریکارڈ شدہ بیس گھنٹوں پر مشتمل لیکچرز کے سلسلے کو جمع کر دیا گیا۔ شعبہ کے تیار شدہ پروگرامز ''فرمانِ نبوی ﷺ'' کے نام سے پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر کیے گئے۔

2000ء میں ڈاکٹر صاحبؒ کی تقریر ''پاکستان ایک فیصلہ کن دوراہے پر'' کی سی ڈی تیار کی گئی۔ قاری محمد صدیق المنشاوی اور قاری خلیل الحصری کی آواز میں پورے قرآن پاک کی تلاوت مع متن کی سی ڈی تیار کی۔ Audio Editing اور Video Editing کے لیے کمپیوٹر مہیا کیے گئے۔ 2001ء میں دورہ ترجمہ قرآن 1998ء کی سی ڈیز کو مزید بہتر بنانے اور آواز کی کوالٹی کو بڑھانے کے لیے دوبارہ کمپیوٹر پر اتار کر تفصیلاً edit کیا گیا۔ مزید یہ کہ MP3 Format میں تبدیل کر کے دو سی ڈیز میں محفوظ کر دیا گیا۔ ''خلافت کانفرنس'' اور ''خطابات جمعہ'' کے عنوان سے نئی سی ڈیز بنائیں۔ ویب سائٹ کو دوبارہ ڈیزائن کیا گیا اور اس میں اضافے کیے گئے۔ 2002ء میں منہج انقلابِ نبوی ﷺ، منتخب نصاب (انگلش) اور 40 خطابات جمعہ پر مشتمل والیم 4 سی ڈیز بنائی گئیں۔ PTV پر نشر ہونے والے پروگرام ''حقیقتِ دین'' کے تمام پروگراموں کی آڈیوز یکجا کر کے ''حقیقتِ دین و ایمان'' کے نام سے ایک سی ڈی تیار کی گئی۔ صدر مؤسس کے دورۂ ترجمہ قرآن کو ویڈیو سی ڈی پر منتقل کیا گیا۔ بحمد اللہ آٹھ ماہ کی مشقت سے یہ عملی منصوبہ 108 ویڈیو سی ڈیز کی شکل میں کامیاب ہوا۔

2003ء میں ڈیجیٹل ویڈیو کیسٹس کی نئی سی ڈیز بنائیں، جن کی تفصیل یہ ہے: (۱) عظمتِ مصطفیٰ ﷺ (۲) ختمِ نبوت اور تکمیلِ رسالت (۳) نجات کی راہ (۴) خدمتِ خلق کا قرآنی تصوّر (۵) جہاد فی سبیل اللہ کے مراحل و لوازم (۶) قائداعظم اور علامہ اقبال کا نظریہ پاکستان (۷) توبہ کی عظمت اور تاثیر (۸) شادی بیاہ کی تقریبات میں اصلاحات۔ پہلی دفعہ سی ڈیز کی ڈوپلیکشن شروع کی گئی۔ قرآن اکیڈمی پروفیشنل اسٹوڈیو کا قیام عمل میں لایا گیا۔

2004ء میں ابوظبی پروگرام کی 21 ویڈیو سی ڈیز، بیان القرآن انگلش ACD اور (۱) پاک بھارت تعلقات (۲) موجودہ عالمی حالات میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل (۳) کیا پاکستان کے خاتمے کی الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے؟ (۴) قرآن کی عظمت اور اس کی بنیادی تعلیمات (۵) عربی گرامر (۶) رسولِ انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب (۷) منتخب نصاب (۸) خطاباتِ جمعہ، والیم VI (۹) جرائد 2003ء کی نئی سی ڈیز بنائی گئیں۔

2005ء میں شعبہ سمع و بصر کو قرآن اکیڈمی سے K-433 ماڈل ٹاؤن لاہور منتقل کر دیا گیا۔ شعبہ کی طرف سے جو نئی سی ڈیز بنائی گئیں ان میں (۱) پردے کے احکام (۲) اسلام اور بینکنگ (۳) روشن خیالی (۴) قرآن کی عظمت (۵) Round Table with Dr.Israr Ahmed شامل ہیں۔ نئی DVDs کی تفصیل یوں ہے: (۱) عظمتِ مصطفیٰ ﷺ (۲) ختمِ نبوت اور تکمیلِ رسالت (۳) خطباتِ خلافت (۴) بیان القرآن (۵) منتخب نصاب (۶) رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب (۷) بیان القرآن (۸) خطباتِ خلافت۔

2006ء میں شعبہ کی طرف سے لاہور کی سطح پر K (Knowledge) چینل کی نشریات کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ صدر مؤسس، احمد دیدات، ڈاکٹر ذاکر نائیک اور دیگر علمی شخصیات کی تقاریر نشر کی گئیں۔ تکمیلِ نبوت و رسالت، عالمِ اسلام پر دجالیت کا آخری حملہ، اُمّتِ مُسلمہ پر عذاب کے سائے، انسانیت کے اصل دشمن کون؟، دورِ حاضر میں خلافت کا دستوری خاکہ، اسلام اور ایمان میں فرق، جدید اسلامی ریاست میں ٹیکسوں کا نظام، ایمان، نفاق، شرک،

جہاد کے عنوان سے نئی سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز تیار کی گئیں۔

2007ء میں دورۂ ترجمۂ قرآن' منعقدہ قرآن اکیڈمی لاہور کو براہِ راست نشر کیا گیا۔ 2008ء میں جو نئی سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز تیار کی گئیں' وہ یہ ہیں: (i) دورۂ ترجمہ قرآن (پنجابی) (ii) حقیقت و اقسامِ شرک (iii) برصغیر میں دعوت اسلامی کے مواقع (انڈیا پروگرام) (iv) اُمّتِ مُسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحۂ عمل (v) خطاباتِ جمعہ' والیم X (vi) ایمان کے ضمن میں عقل اور فطرت کی رہنمائی (vii) استقبالِ رمضان (viii) جہاد فی سبیل اللہ کے مراحل (ix) تشریح سورۃ المعارج (x) تشریح سورۂ نوح (xi) تشریح سورۃ المزمل۔ 2009ء میں صدرِ مؤسس کے VHS ویڈیوز کو ڈی وی ڈیز پر منتقل کیا گیا۔

2010ء میں یوٹیوب پر دو نئے چینلز بنائے گئے۔ سال رواں میں جو نئے پروگرام بنائے گئے ان کے نام یہ ہیں: (i) سیرت خیر الانام ﷺ سیریز (ii) نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں (پنجاب یونیورسٹی) (iii) عصری تقاضے' فکرِ اقبال اور نوجوان نسل کا کردار (علامہ اقبال میڈیکل کالج) (iv) حقیقتِ تصوّف اور زمان و مکان (v) پاکستان میں نفاذِ اسلام: تاریخی تناظر میں۔ 2011ء میں صدر مؤسسؒ کی ویڈیوز کو MP4 فارمیٹ پر منتقل کیا گیا۔ شعبہ نے خود سے ڈی وی ڈیز کی ماسٹرنگ کی' نیز 9 DVD بنایا۔ فیس بک پر ایک پیج بنایا گیا۔ ''خلافت فورم'' پروگرام کا آغاز کیا گیا۔

2012ء میں فیس بک پر ''تنظیمِ اسلامی'' کے نام سے نیا پیج بنایا گیا۔ اس سال سمع و بصر نے مزید نئے پروگرام تیار کیے اور DVDs بنائے جن کی تفصیل یوں ہے: (i) پاکستان فیصلہ کن دوراہے پر (ii) علم کی اقسام (iii) اسلامی انقلاب کا نبوی ؐطریق (iv) قرآن کے ذریعے جہادِ اکبر (v) نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت (vi) نظامِ خلافت: کیا' کیوں اور کیسے؟ (vii) پاکستان کے موجودہ مسائل اور ان کا حل (viii) بلوچستان کا مسئلہ (ix) محاضراتِ قرآنی (x) دفاعِ پاکستان: مگر کیسے؟ ڈاکٹر ذاکر نائیک کی دعوت پر Peace TV کے لیے دبئی میں تنظیمی سطح پر چھ مدرسین ڈاکٹر عبدالسمیع' ڈاکٹر عارف رشید' ڈاکٹر طاہر خاکوانی' انجینئر نوید احمد' اعجاز لطیف اور شجاع الدین شیخ صاحبان کے 16 دنوں میں 530 پروگرام ریکارڈ کیے گئے۔

2013ء میں تنظیم کی ویب سائٹ کو نئے ڈیزائن کے ساتھ لانچ کر دیا گیا۔ صدر مؤسس کے ایک خطاب ''مسلمانوں سے اللہ کا واحد مطالبہ'' کو وسیع تر بنیاد پر پھیلانے کے لیے مہم چلائی گئی۔ شعبہ سمع و بصر کی طرف سے صارفین کو USB یا ہارڈ ڈرائیو میں مطلوبہ ڈیٹا بلامعاوضہ مہیا کیا گیا۔ 2014ء میں ٹویٹر کے ذریعے امیر تنظیم اسلامی کے حالاتِ حاضرہ پر ایک یا دو جملوں پر مشتمل بیانات باقاعدگی سے ارسال کیے گئے۔ یوٹیوب پر تقریباً 10 چینلز بنائے گئے ہیں جن میں موضوعات کے لحاظ سے محترم صدر مؤسسؒ کی معیاری ویڈیو ریکارڈنگز اَپ لوڈ کی گئیں۔ ''خلافت فورم'' پروگرام کی ریکارڈنگ ہفتہ وار بنیاد پر تسلسل سے کی گئی۔ حالاتِ حاضرہ پر امیر تنظیم اسلامی کے مختصر بیانات کو Policy Statement کے نام سے ریکارڈ کیا گیا۔ Peace TV کی ریکارڈنگ

کے لیے تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن کے مدرّسین کا ایک گروپ (جس میں ڈاکٹر عارف رشید‘ اعجاز لطیف‘ انجینئر نوید احمد‘ مؤمن محمود‘ اویس پاشا‘ عامر خان اور آصف حمید شامل تھے) دبئی گیا اور 10 دن میں ان حضرات کے تقریباً 460 پروگرام ریکارڈ کیے گئے۔

2015ء میں صدر مؤسس کے دروس وخطابات کے پانچ سے دس منٹ پر محیط ویڈیو کلپس تیار کیے گئے۔ واٹس ایپ گروپ کے ذریعے روزانہ کی بنیاد پر ہزاروں افراد کو محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے خطابات میں سے تیار کردہ شارٹ کلپس بھیجے گئے۔ محترم صدر مؤسسؒ کے متعدد ویڈیوز‘ دروس اور خطابات کو MP4-HD فارمیٹ میں منتقل کیا گیا۔ ’’امیر سے ملاقات‘‘ کے نام سے نیا پروگرام شروع کیا گیا۔ 2016ء میں ’’خلافت فورم‘‘ کے نام اور فارمیٹ کو تبدیل کر کے ’’زمانہ گواہ ہے‘‘ رکھا گیا۔ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام انسدادِ سود مہم چلائی گئی جس میں سوشل میڈیا کے تمام پلیٹ فارمز پر شعبہ سمع وبصر نے تعاون کیا۔ 2017ء میں تنظیم اسلامی کی طرف سے رمضان ٹرانسمیشن کے حوالے سے خصوصی مہم چلائی گئی‘ جس میں شعبہ نے بھرپور انداز میں حصہ لیا۔ شعبہ کی کاوشوں سے Channel 24 نے دو اور NEO TV نے ایک پروگرام کیا۔ تنظیم اسلامی کی طرف سے 27 رمضان المبارک کے حوالے سے خصوصی مہم ’’لیلۃ القدر اور پاکستان‘‘ چلائی گئی۔ اس کے لیے شعبہ سمع وبصر نے ایک ڈاکومنٹری بنائی۔ ناظم نشر و اشاعت جناب ایوب بیگ مرزا صاحب کے تجزیوں پر مشتمل ویڈیو پروگرام ’’مجھے ہے حکم اذاں‘‘ کا آغاز کیا گیا۔

2018ء میں بانی محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے منتخب دروس میں سے 454 شارٹ کلپس بنائے گئے۔ تنظیم اسلامی واٹس ایپ براڈکاسٹ پر ’’بیان القرآن‘‘ کے 225 کلپس تیار کر کے بھیجے گئے۔ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ’’نظریۂ پاکستان مہم‘‘ کے لیے محترم صدر مؤسسؒ کی تقاریر کے خصوصی کلپس تیار کیے گئے اور انہیں سوشل میڈیا پر شیئر کیا گیا۔ اسی مہم کے حوالے سے ایک سیمینار اسلام آباد ہوٹل میں ہوا جس کی ریکارڈنگ کے لیے شعبہ سمع وبصر کی ٹیم اسلام آباد گئی۔ ۱۸ مارچ کو قرآن آڈیٹوریم میں ’’استحکامِ پاکستان‘‘ سیمینار منعقد ہوا جس میں ساؤنڈ سسٹم اور ویڈیو ریکارڈنگ کی ذمہ داری شعبہ سمع وبصر نے ادا کی۔ یکم اپریل کو قرآن آڈیٹوریم میں رجوع الی القرآن ایلومنائی پروگرام ہوا جس کی ریکارڈنگ کی گئی اور نیٹ پر اَپ لوڈ کیا گیا۔ یوٹیوب پر محترم صدر مؤسس کا نیا چینل ytube.com/drisrarahmadra بنایا گیا۔ ’’ابوظبی پروگرام‘‘ کی ری ماسٹرنگ کی گئی اور MP4 High Quality نیٹ پر اَپ لوڈ کیے گئے اور DVD ماسٹر بنائے گئے۔ محترم صدر مؤسس رحمہ اللہ کے وہ خطابات جو کہ فہرست میں نہیں ہیں‘ ان کی تفصیلی ری سکیننگ کا کام کیا گیا۔

2019ء میں یوٹیوب پر اَپ لوڈ کرنے کے لیے محترم صدر مؤسس کے آڈیو میں موجود دروس وخطابات کو ویڈیو کی صورت میں تیار کیا گیا۔ امسال سورۃ الکہف کے دروس پر کام مکمل کر لیا گیا۔ ایک سالہ کورس پارٹ ون کے 104 ویڈیو لیکچرز تیار کیے گئے۔ ویب سائٹ DRISRAR.COM کے ذریعے محترم صدر مؤسسؒ کے

تمام ویڈیو خطابات (جو کہ اصلاً یوٹیوب پر تھے) کو یکجا کیا گیا۔ محترم صدرِ مؤسسؒ کے دروس و خطابات کے ہزاروں کی تعداد میں thumbnails بنائے گئے۔ تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ کو نئے اور بہتر طریقہ پر تیار کیا گیا' جسے ماہ مئی میں لانچ کر دیا گیا۔ تنظیم اسلامی کے تحت دو Campaigns (استحکامِ پاکستان مہم اور ریاستِ مدینہ آگاہی مہم) میں سوشل میڈیا کے ذریعے لاکھوں لوگوں تک پیغام پہنچایا گیا۔ اس سال تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام 6 سیمینارز کا اہتمام کیا گیا جس کی ایڈورٹائز منٹ' ریکارڈنگ' ایڈیٹنگ اور سوشل میڈیا کے مختلف پلیٹ فارمز پر اَپ لوڈنگ کا کام شعبہ سمع وبصر نے سرانجام دیا۔ مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام محاضراتِ قرآنی کے سلسلہ کا ایک پروگرام ''قرآنی عربی اور اس کے دقیق نکات'' کی ریکارڈنگ' ایڈیٹنگ اور سوشل میڈیا پر اَپ لوڈنگ کا کام سرانجام دیا۔ امیر تنظیم اسلامی کا آفیشل فیس بک پیج بنایا گیا۔

2020ء میں تنظیم اسلامی کے تحت مختلف مہمات کا اہتمام کیا گیا جس کے تحت سوشل میڈیا پر لاکھوں لوگوں تک یہ پیغام پہنچایا گیا۔ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام مختلف موضوعات پر سیمینارز کی ایڈورٹائز منٹ' ریکارڈنگ' ایڈیٹنگ اور سوشل میڈیا پر اَپ لوڈ کرنے کا کام انجام دیا۔ 2021ء میں www.khuddamulquran.org پر کافی ڈیٹا اَپ لوڈ کیا گیا۔ وائس آف ڈاکٹر اسرار یوٹیوب چینل کے کمیونٹی ٹیب پر احادیث' پولز اور ویڈیوز اَپ لوڈ کیے گئے۔ پیغامِ اسرار' یوٹیوب چینل پر تیس سیکنڈ سے دو منٹ تک کے 150 ویڈیو کلپس اَپ لوڈ کیے گئے۔ آسک ڈاکٹر اسرار چینل پر 60 کے لگ بھگ اہم سوالات اور جوابات کو اَپ لوڈ کیا گیا۔ انسٹاگرام پر بانی تنظیم اسلامی و صدرِ مؤسس ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نام سے پیج بنایا گیا۔ بیان القرآن کے آڈیوز پر مشتمل موبائل فون ایپلی کیشن بنالی گئی جس میں دورۂ ترجمہ قرآن اردو اور انگریزی میں موجود ہے۔ یہ ایپلی کیشن اینڈرائیڈ اور ایپل دونوں پلیٹ فارمز پر موجود ہے۔ دورانِ سال محترم صدرِ مؤسس کی 55 آڈیوز کو ڈیجیٹائز اور 155 ڈیجیٹائزڈ آڈیوز کو ویڈیوز میں کنورٹ کیا گیا۔ بانی محترمؒ کے بیس ویڈیو کلپس کو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے اور سب ٹائٹلز ڈال کر یوٹیوب پر شیئر کیا گیا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دروس وخطابات (کتابی شکل) میں سے تقریباً 2000 اقتباسات اخذ کر کے انہیں سوشل میڈیا پر نشر کیا گیا۔ مختلف موضوعات پر ریکارڈ ہونے والا پروگرام ''Talk Diffrent'' کے 2 پروگرام ریکارڈ' تیار اور اَپ لوڈ کیے گئے۔ چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب کے پنجابی دورہ ترجمہ قرآن کا MP4 بنایا گیا۔ درسِ حدیث کو Low MP4 بنایا۔ 2022ء میں www.drisrar.com کو دوبارہ سے شروع کیا گیا جس میں صدر مؤسس کے تمام ویڈیو خطابات (مکمل) اپ لوڈ کیے گئے۔ ان ویڈیوز کو یوٹیوب کی بجائے ایک اور سوشل میڈیا پلیٹ فارم پر ڈالا گیا۔ فروری 2022ء سے امیر تنظیم اسلامی شجاع الدین شیخ صاحب کے ساتھ سوال وجواب کے پروگراموں کا سلسلہ ماہانہ بنیادوں پر شروع کیا گیا۔ محترم صدر مؤسسؒ کے تقریباً 200 ویڈیو کیسٹ اور 400 آڈیو کیسٹ ڈیجیٹائز کیے گئے۔ ''زمانہ گواہ ہے'' پروگرام کے شارٹ کلپ یعنی ہر سوال کا ایک الگ کلپ بنایا گیا۔

(8) مکتبہ خدّام القرآن

’’مکتبہ خدّام القرآن‘‘ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کا ایک اہم شعبہ ہے جو ادارے کی کتب‘ محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دروس و خطابات کی USBs اور کتب کو سٹاک کرنے‘ فروخت کرنے‘ اندرون و بیرون ملک ان پروڈکس کے آرڈرز وصول کرنے اور ان کی ترسیل کا ذمہ دار ہے۔ مرکزی انجمن اور تنظیم اسلامی کے تحت شائع ہونے والے جرائد ماہنامہ میثاق‘ سہ ماہی حکمتِ قرآن اور ہفت روزہ ندائے خلافت کی مستقل خریداروں‘ ایجنسی ہولڈروں اور تنظیم اسلامی کے حلقہ جات کو بروقت ترسیل بھی مکتبہ کی اہم ذمہ داری ہے۔ انجمن خدّام القرآن کے تمام شعبہ جات کی بیرون ڈاک بھیجنے کی ذمہ داری بھی مکتبہ خدّام القرآن بطریقِ احسن سرانجام دے رہا ہے۔

الحمدللہ یہ شعبہ مکتبہ جہاں اپنی معمول کی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہا ہے‘ وہیں بعض دیگر امور میں بھی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کر رہا ہے جن میں اجتماعاتِ جمعہ‘ ہفتہ وار دروسِ قرآن‘ رمضان المبارک اور سیمینارز کے پروگرامز میں سٹال لگانے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ گزشتہ پچیس سالوں کے دوران کچھ دیگر معاملات بھی مکتبہ نے بہت عمدہ طریقے سے نبھائے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ دہلی کتاب میلہ (2004ء)

2۔ سالانہ اجتماعات (تنظیم اسلامی)

3۔ لاہور انٹرنیشنل بک فیئر

4۔ رمضان گفٹ پیک سکیم

5۔ قرآن اکیڈمی کے بیرون (برلبِ سڑک) سیل پوائنٹ کا اجراء

6۔ سیل بذریعہ کمپیوٹرائزیشن

7۔ آن لائن بک سٹور

دہلی کتاب میلہ (2004ء)

محترم سیّد قاسم محمود صاحب نے مرکزی انجمن کی انتظامیہ کو توجّہ دلائی کہ دہلی میں ہر سال کتب کا ایک بہت بڑا عالمی میلہ منعقد ہوتا ہے۔ اس سال اس میلہ میں پاکستانی شرکاء کو خصوصی دعوت دی گئی رہی ہے۔ مرکزی انجمن کو اپنے فکری لٹریچر اور محترم صدر مؤسس کے دروس و خطابات کو بھارت میں بڑے پیمانے پر متعارف کرانے کا یہ بہترین موقع ہے لہٰذا ہمیں اس میں ضرور شرکت کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے میلے میں شرکت کا فیصلہ کرلیا گیا‘ جس پر مکتبہ نے ہنگامی بنیادوں پر تیاریاں شروع کر دیں۔ اگرچہ میلے کے انعقاد میں بہت

کم دن باقی رہ گئے تھے پھر بھی لگ بھگ پانچ لاکھ روپے مالیت کی CDs اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے کی کتب ارسال کر دی گئیں۔ سٹال کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے مولانا شیخ رحیم الدین صاحب اور شاہد ندیم صاحب کا انتخاب عمل میں آیا' جنہوں نے مقامی رفقاء کی مدد سے آٹھ روز تک جاری رہنے والے اس کتاب میلے میں ایک خوبصورت اور کامیاب اسٹال کا انعقاد یقینی بنایا۔ مختلف شہروں سے ہزاروں لوگوں نے سٹال کا وزٹ کیا اور کتب و سی ڈیز کی خریداری کی۔

سالانہ اجتماعات (تنظیم اسلامی)

پہلے یہ اجتماع فردوسی فارم' دراجکے (سادھوکی) کے مقام پر منعقد ہوتا تھا' اب بہاول پور میں منعقد ہوتا ہے۔ ہر سال اس موقع پر مکتبہ ایک بھرپور' خوبصورت' وسیع و عریض سٹال کا اہتمام کرتا ہے جو کہ شرکاءِ اجتماع کی توجّہ کا مرکز بنا رہتا ہے۔ اس موقع پر تمام کتب پچاس فیصد رعایت پر دستیاب ہوتی ہیں جس سے رفقاء تنظیم اسلامی اور احباب بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

لاہور انٹرنیشنل بک فیئر

ہر سال ایکسپو سنٹر لاہور میں انٹرنیشنل بک فیئر کا انعقاد ہوتا ہے جس میں مکتبہ خدام القرآن' تنظیم اسلامی حلقہ لاہور غربی کے اشتراک سے شرکت کرتا ہے۔ سٹال کی تشہیر کے لیے دیدہ زیب اشتہار ڈیزائن کیا جاتا ہے جسے فیس بک اور واٹس ایپ گروپس کے ذریعے بڑی تعداد میں احباب اور رفقاء تک پہنچایا جاتا ہے۔ لوگوں کی کثیر تعداد سٹال کا وزٹ کرتی ہے۔ اس موقع پر رفقاءِ تنظیم اسلامی اور کارکنان انجمن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتب میں دلچسپی رکھنے والے خواتین وحضرات میں کتابچوں اور کورسز کے ہینڈ بل مفت تقسیم کرتے ہیں اور موقع کی مناسبت سے ان کے سامنے انجمن اور تنظیم کا تعارف رکھتے ہیں۔

رمضان گفٹ پیک سکیم

رمضان المبارک کے موقع پر ہر سال خصوصی رمضان گفٹ پیک نئے اور دلکش ٹائٹل کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے جس میں محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی مختلف کتب پر خصوصی ڈسکاؤنٹ دیا جاتا ہے اور اس کی بھرپور تشہیر کی جاتی ہے۔ اس سکیم میں بیان القرآن سیٹ' قرآن حکیم اور ہم' رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم' اربعین نوویؒ (دو جلد)' منتخباتِ بیان القرآن' قلبِ قرآن سورۂ یٰسین اور خطباتِ سیرت جیسی کتب قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ MP3 بیان القرآن سی ڈیز بھی لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوئیں۔ دورۂ ترجمۂ قرآن کے دوران جامع مسجد قرآن اکیڈمی کے باہر سٹال لگایا جاتا ہے جو رات ایک بجے تک کھلا رہتا ہے۔

قرآن اکیڈمی کے بیرون سیل پوائنٹ کا اجراء

مرکزی انجمن کی کتب' کیسٹس اور خصوصاً CDs کی تیزی سے بڑھتی ہوئی فروخت کے باعث یہ احساس

شدّت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ ان اشیاء کی خریداری کے لیے آنے والے افراد کو قرآن اکیڈمی کے اندر تہہ خانے تک پہنچنا کچھ گراں گزرتا ہے۔ یہ بات انتظامی اعتبار سے بھی کچھ زیادہ اطمینان بخش نہ تھی۔ لہٰذا طے کیا گیا کہ نقد فروخت کے لیے اکیڈمی کے باہر ایک سیل پوائنٹ قائم کر دیا جائے۔ الحمدللہ' اکتوبر 2004ء سے سیل پوائنٹ کا قیام عمل میں آچکا ہے جس کے بہترین نتائج سامنے آئے ہیں اور فروخت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔

سیل بذریعہ کمپیوٹرائزیشن

2010ء میں سیل پوائنٹ اور مین سٹور کمپیوٹرائز کر دیا گیا۔ سٹاک کمپیوٹرائز ہونے کے علاوہ کمپیوٹرائز ڈکیش میمو/رسیدات کا اجراء بھی ہو رہا ہے جس سے مکتبہ کے کام اور کسٹمر سروس میں بہتری آئی ہے۔

آن لائن بک سٹور

کچھ عرصہ یہ بات زیرِ غور رہی کہ ڈیجیٹل مارکیٹنگ کے ذریعے کتب کی فروخت کی جائے۔ اس مقصد کے لیے ایک ویب سائٹ www.maktaba.com.pk تیار کی گئی جس پر جولائی 2021ء سے آن لائن فروخت شروع ہو چکی ہے۔ اسی سلسلے میں ایک واٹس ایپ نمبر 0301-1115348 بھی مکتبہ کے لیے حاصل کیا گیا جس کے ذریعے سے لوگ کتب منگوا رہے ہیں۔

اسی طرح فیس بک پر ''مکتبہ خدّام القرآن'' کے نام سے ایک پیج تیار کیا گیا ہے جس پر گاہے بگاہے کتب کے اشتہارات ڈیزائن کر کے لگائے جا رہے ہیں۔ زیادہ تر اشتہارات کسی ادائیگی کے بغیر لگائے جاتے ہیں' جبکہ کسی خاص موقع پر رقم ادا کر کے اشتہار چلوایا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ گزشتہ 25 سالوں کے دوران ایوانِ اقبال' الحمرا ہال' قرآن آڈیٹوریم' نظریۂ پاکستان ٹرسٹ' باغِ جناح' پنجاب یونیورسٹی' فاسٹ انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر سائنسز' UMT اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی میں منعقد ہونے والے کتب میلوں اور سیمینارز میں بھی مکتبہ خدّام القرآن کی کتب اور CDs کے بھرپور سٹال لگانے کا اہتمام کیا گیا جس سے مرکزی انجمن کے اصل مقصد یعنی دعوت رجوع الی القرآن کے پھیلاؤ میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

❁❁❁

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ''شعبہ تحقیق اسلامی'' (IRTS)
کے زیر انتظام ابلاغِ عامہ وافادۂ عام کی ویب سائٹس

موبائل فون/آئی فون ایپس

- محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تمام کتابیں موبائل فون پر مطالعہ کرنے کے لیے گوگل پلے سٹور پر لکھیں:

  Tanzeem Digital Library

- بیان القرآن کی آفیشل ایپ حاصل کرنے کے لیے گوگل پلے سٹور پر لکھیں:

  Bayan ul Quran - Dr Israr Ahmad IRTS

- محترم پروفیسر حافظ احمد یارؒ۔ لغات واعرابِ قرآن پر ایپ سے استفادہ کے لیے گوگل پلے سٹور پر لکھیں:

  Lughat o Aerab e Quran

اراکین انجمن کی موجودہ تعداد

حلقہ محسنین	=	557
حلقہ ناصرین (مستقل ارکان)	=	247
حلقہ معاونین (عام ارکان)	=	374
کل تعداد	=	1178

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لیے دینی علوم کے حصول کا نادر موقع

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

رجوع الی القرآن کورس

(دورانیہ ۹ ماہ)

عرصہ 41 سال سے باقاعدگی سے جاری تعلیمی سلسلہ

مضامینِ تدریس

پارٹ ۱ (سالِ اوّل) برائے مرد وخواتین

- تجوید و ناظرہ
- عربی گرائمر (صرف ونحو)
- ترجمہ قرآن (مع تفسیری ولغوی توضیحات)
- دورہ ترجمہ قرآن
- قرآن حکیم کی فکری وعملی رہنمائی
- سیرت وشمائل النبی ﷺ
- مطالعہ حدیث واصطلاحاتِ حدیث
- فکرِ اقبال
- فقہ العبادات
- معاشیاتِ اسلام
- اضافی محاضرات

پارٹ ۲ (سال دوم) برائے مرد حضرات

- عربی زبان وادب
- اصولِ تفسیر
- تفسیر القرآن
- اصولِ حدیث
- درسِ حدیث
- اصول الفقہ
- فقہ المعاملات
- عقیدہ (طحاویہ)
- اضافی محاضرات

☆ رجسٹریشن یکم رمضان سے شروع ہے۔ ☆ انٹرویو 15 اگست

آغاز کلاسز 16 اگست 2023 (اِن شاءاللہ)

ایام تدریس پیر تا جمعہ

نوٹ: بیرونِ لاہور رہائشی صرف مرد حضرات کے لیے ہاسٹل کی محدود سہولت موجود ہے۔
لہٰذا خواہشمند حضرات پہلے سے اپنی رجسٹریشن کروالیں۔

اوقات تدریس:
صبح 8:15 بجے تا 12:50

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی خدماتِ قرآنی کا مرکز —— قرآن اکیڈمی

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
email:irts@tanzeem.org
www.tanzeem.org

زیر انتظام مرکزی انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) لاہور

مزید تفصیلات کے لئے www.tanzeem.org
03161466611 - 04235869501-3

Quarterly HIKMAT-E-QURAN Lahore
Jan - Jun 2023 Vol . 42 No . 1,2

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ——— اور ——— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عنصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ